کشمیر کی کہانی

ظہور احمد

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہِ الکریم و عبدہ المسیح الموعود

الحمداللہ کہ خاکسار کو اپنے نانا جان مکرم ومحترم چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم سابق ناظر دیوان کی کتاب ''کشمیر کی کہانی'' کا بار سوئم شائع کرنے کی بفضل تعالیٰ توفیق مل رہی ہے۔ یہ کتاب چونکہ بالکل ناپید ہو چکی تھی اور اکثر دوست احباب اس کے بارہ میں گاہِ بگاہے استفسار کرتے رہتے تھے اور اس کتاب کی حیثیت ایک اہم تاریخی دستاویز کی ہے جو کہ حضرت مصلح موعودؓ کی مظلوم کشمیریوں کے حقوق کے حصول کے لئے بے لوث اور انتہائی کامیاب کاوشوں کا ذکرِ خیر بھی ہے۔ جس کا تذکرہ ہمیشہ تاریخ سنہری حروف سے لکھے گی۔

چنانچہ خاکسار نے اس سلسلہ میں مکرم ومحترم سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم ناظر اشاعت سے درخواست کی کہ ہمیں اس کتاب کو چھپوانے کی اجازت دے دی جائے۔ مکرم ناظر صاحب نے فی الفور اجازت نامہ ٹائپ کروا کر اور دستخط ثبت کر کے ازراہِ شفقت اجازت مرحمت فرمادی۔ جزاکم اللہ احسن الجزا

خاکسار کو نانا جان کے کاغذات میں سے اس کتاب کے حصہ دوئم کا مسودہ بھی ملا جو کہ غیر شائع شدہ ہے۔ اس کو بھی نظارت اشاعت کی منظوری کے بعد شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ خاکسار حصہ دوئم کے مسودہ کی اشاعت کی منظوری کے لئے مکرم مرزا خلیل احمد صاحب کی مساعی کا تہ دل سے شکر گزار ہے۔

اس ایڈیشن کی کتابی شکل میں طباعت کے علاوہ احباب کے عام استفادہ کے لئے E-book کے طور پر بھی اپ لوڈ کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

خاکسار برادرم ڈاکٹر انس احمد رشید کا بھی حد درجہ شکر گزار ہے جو کہ ہر کام میں شانہ بہ شانہ ہوتے ہیں اور انہوں نے اس سلسلہ میں تمام تکنیکی امور سرانجام دیئے۔ جزاکم اللہ احسن الجزا

خاکسار

انور احمد رشید

گوتھن برگ۔ سویڈن

باسمہٖ سبحانہٗ

پیش رس

جس کہانی کے اَوراق اس وقت میرے سامنے بکھرے ہوئے ہیں وہ لذت آفریں کی بجائے دردانگیز۔اوردلربا سے کہیں زیادہ دلؔ دوز ودلؔ سوز ہے۔ یہ ستم ظریفی بھی کس قدر سوہانِ روح ہے۔کہ جس گل پوش وادی کا ذکرکرتے وقت اس کے نام سے پہلے ''جنت نظیر'' کا اضافہ کرنے کے بعد بھی اُس کے جمالیاتی تعارف کاحق ادانہیں ہوتا اُسی وادی کے باشندوں کا ماضیؔ اور حالؔ دونوں اس قدر کرب آفریں ہیں کہ انہیں مظلوم ومقہور کہہ کر بھی اُن کی بے بسی وکم پرسی کی صحیح کیفیت بیان نہیں ہو پاتی بلکہ اگر مَیں یہ بھی کہہ دوں تو خلاف واقعہ اور نامناسب نہ ہوگا کہ قیام پاکستان اورریاست (جموں وکشمیر) کے ایک حصہ پر بھارت کے بالجبر قبضے کے بعدوادی کشمیر کے جورہنما یا سیاسی کارکن پاکستان آئے ان میں سے بعض نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا یا کہا اُن تحریروں یا تقریروں نے بھی نہ اُس بے کسی کی صحیح تصویر کھینچی ہے۔جس کے خونی شکنجے میں مسلمانانِ کشمیر صدیوں سے جکڑے چلے آرہے ہیں اور نہ اُس بربریت وبہیمیت ہی کا اصل خاکہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے جس کا وہ ایک زمانے سے نشانہ بنے ہوئے ہیں۔شایداس لیے کہ اِن تمام کتب اورسوانحی خاکوں میں لکھنے والوں نے مسئلہ زیرِ بحث سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو پیش نظر رکھا ہے اور بعض نے تو خودستائی کی اس مہم میں اس بات سے بھی گریز نہیں کیا کہ اپنے آپ کو سب سے نمایاں ثابت کرنے کے لیے اپنے

دوسرے تمام رفقاء کار کی ملی خدمات کے چہروں پر بدظنی کا کالک مل دیں......ان میں سے بیشتر کی نگارشات ''میں'' سے شروع ہوکر ''میں'' ہی پر ختم ہوجاتی ہیں۔

''مسلمانانِ کشمیر کیوں مقہور و مجبور تھے''؟

''ان کی پس ماندگی و بے چارگی کا اصل سبب کیا تھا''؟

''ریاست میں ان کی اکثریت کے باوجود انہیں کس طرح اقلیتوں بلکہ اچھوتوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا تھا؟''

''ان میں عزتِ نفس کا احساس کیونکر پھونکا جاسکتا تھا؟''

''اس کارِ خیر کا خیال سب سے پہلے کس ذہن میں اُبھرا؟''

''اس جدوجہد آزادی کی چنگاری سب سے پہلے کس سینے میں سُلگی؟''

''کس طرح سُلگی اور اُس کی آنچ کو کن دردمندوں اور خوش نیتوں نے اجاگر کیا؟''

''اِس چنگاری سے اُمید فلاحِ قوم کی لَو کس طرح پھوٹی؟'' اور

''اس روشنی میں ذاتی منفعتوں اور حرص و آز کے پردے گرا کر اُس کی آب و تاب کو ماند کرنے کی کِس کِس طرح کوششیں کی گئیں؟''

وہ کون لوگ تھے جو صرف اور صرف انسانیت دوستی کے جذبے سے سرشار اِس مہم میں کُودے اور وہ کون نمک خوارانِ ریاست تھے جنہوں نے مارِ آستین کا رول ادا کرتے ہوئے عین وقت پر ہر پُر خلوص جدوجہد کو سبوتاژ کرکے اسیروں کی رُستگاری کو برسوں پیچھے ڈال دیا۔

ان تمام موضوعات سے یہ لیڈر لوگ شاید اس لئے پہلو تہی فرماتے رہے کہ اتنے بڑے پھیلاؤ اور تجزیے کے بعد اُن کا اپنا دامن کچھ زیادہ بھرا ہوا دکھائی نہ دے سکتا تھا۔ اُن کی شخصیت اُن کے حسب خواہش نمایاں نہ ہوتی تھی اس لئے اُن کی مصلحت اندیشیوں نے اِن تمام مراحل سے پہلو بچا کر ہی گزر جانے میں عافیت سمجھی......لیکن جو باتیں دلوں اور روحوں پر

نقش ہوں۔کیا وہ بھی کبھی نظر انداز ہوئی ہیں ......کبھی لفاظیوں سے بھی خلوص نیت وحسن عمل کے خلاء پُر ہوئے ہیں؟ ......کیا کبھی سیاست انسانیت دوستی کی آب وتاب کو بھی ماند کر پائی ہے !......چنانچہ......آج وہ تمام مراحل، وہ تمام مساعی، وہ تمام پُرخلوص سرگرمیاں ''کشمیر کی کہانی'' کے رُوپ میں ہمارے سامنے ہیں۔جن کی روشنی میں ہر غیر جانب دار اور نیک نیت قاری بآسانی آغازِ جدوجہد آزادی کشمیر کے مالہ وما علیہ سے آگہی حاصل کرسکتا ہے۔کہ اس ایوان حریت پسندی کی نیو کس نے رکھی؟ ......اس کی بنیادوں میں سب سے پہلے کس فرد۔ جماعت یا ادارے کی بے لوث قربانیوں اور جاں نثاریوں کا چُونا گارا کھپا؟ اور آج جس جدوجہد کا ہر پہلو عالمی بلکہ تاریخی حیثیت حاصل کئے ہوئے ہے۔اس کی شریانوں میں دوڑنے والے خون کی آب وتاب کن دردمند انسانیت دوستوں کے حُسن ایثار وعمل کی مرہونِ منت ہے۔

بے شک اس کہانی میں بیان واظہار کا چٹخارہ کم از کم ہے! ......اس کی عبارت میں تخیلاتی فقرہ بازیوں کی لذتیں بھی شاید نہ ملیں! سیاسی اُکھاڑ، پچھاڑ اور لتاڑ کی سنسناہٹ بھی مفقود ہو! ......غیر ضروری افسانہ طرازیوں کا دبیز قشر بھی شاید نہ مل سکے! لیکن یہ اوراق مغز سے خالی نہیں ہیں اس کہانی کے ورق ورق پر آپ اُن جان نثاروں کے خون کے چھینٹے ملیں گے جو شمع حریت پر سب سے پہلے پروانہ وار نثار ہوئے اس کا ہر باب یہ ضرور بتائے گا کہ جب قوموں کی رستگاری کے بیڑے اُٹھائے جاتے ہیں تو کس نوع کے ہمہ گیر پروگرام مرتب کرنے پڑتے ہیں اور کس کس طرح ایک ایک قدم گردوپیش سے چوکس ہو کر پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔اور جو ذکی الذہن ایسی جان ہار مہموں کا علم بلند کیا کرتے ہیں اُن کی سوچ کیسی بین الاقوامی۔اُن کا حوصلہ کس قدر ارفع وبلند اور اُن کے عزائم کیسے استادہ گیر قسم کے ہوتے ہیں وہ جب ملت انسانیت کی فلاح وبہبود کی کسی مہم پر ہاتھ ڈالتے ہیں تو کس طرح دامے

۔درمے ۔قدمے ۔سخنے اُسے پروان چڑھانے کے لئے وقف ہو جایا کرتے ہیں ۔مخالفتیں کس سبک سری سے اُن سے پہلو بچایا کرتی ہیں ۔اور وہ مصائب وآلام سے مردانہ وار کھیلتے ہوئے کس طرح بہیمیت و بربریت کے دریاؤں میں سے اپنی پناہ میں آجانے والوں کو ان کا دامن آلودہ ہوئے بغیر انہیں سلامتی کے گھاٹ تک لے کر پہنچ جاتے ہیں ۔

میرا خدا چودھری ظہور احمد صاحب کو عُمر میں برکت دے ۔انہوں نے بڑی محبت احتیاط اور دیانت سے جدوجہد آزادی مسلمانان کشمیر کی اولین مہم کے ان اوراق کو محفوظ رکھا اور وقت آنے پر (بلاشبہ ہر چیز اور ہر بات کے منظر عام پر آنے کے لئے بھی ایک وقت معین ہے) یہ تمام دست آویزات من وعن (اس عالمی مسئلہ سے حقیقی ہمدردی اور دلچسپی رکھنے والوں کے) سامنے رکھ دیں ۔

میں تو اِسے مسلمانانِ کشمیر کی تقدیر کی شومی ہی کہوں گا کہ اُن کی رُستگاری کے لئے جب بھی کوئی مخلصانہ تحریک پُوری دردمندی سے شروع ہوئی ۔اس کے نقطہ عروج کو پہنچتے ہی سیم وزر کی شہہ پر حریفاں بدخواہ کا ایک گروہ کشمیر دوستی ہی کا نعرہ لگا کر اس کے سپوتا ژ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا گویا ہر دفعہ

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسلمانان کشمیر کی آزادی وفلاح سب سے پہلی ۔موثر اور ہمہ گیر مہم تو ’’آل انڈیا کشمیر کمیٹی ‘‘ہی نے شروع کی تھی جس کی باگ ڈور ملتِ اسلامیہ کے مایہ ناز فرزند اور جماعت احمدیہ کے امام (صدر کمیٹی) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے ہاتھ میں تھی اور جس کی پُشت پر علامہ اقبالؔ ۔خواجہ حسنؔ نظامی ۔نواب سر ذوالفقار علی ۔نواب محمد ابراہیم خاں آف کنج پورہ ۔مولانا سید حبیب ۔مولانا مہر ۔مولانا سالک ۔ڈاکٹر شفاعت احمد ۔مولانا

حسرت موہانی۔ مولانا شفیع داؤدی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین۔ ایچ۔ ایس سہروردی۔ چودھری عبدالمتین۔ سر عبداللہ ہارون وغیرہم ایسی (متعدد ہندوستان کی) مقتدر و نامور ہستیاں تھیں۔ جب یہ کمیٹی انتھک جدوجہد کے بعد مسلمانانِ کشمیر کے حقوق منوانے میں کامیاب ہوگئی۔ جب اس کی پُرخلوص سرگرمیاں کے سامنے ریاستی بربریت نے گھٹنے ٹیک دیے اور لیلائے کامرانی چند قدم پر مجاہدین حریت کے انتظار میں بے قرار و منتظر صاف دکھائی دینے لگ گئی تو عین وقت پر...... غیر مسلم حکمران کے خریدے ہوئے کچھ پیشہ ور سیاسی شاطر مذہبی جُبے پہن کر اس میں آن کودے اور فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دے کر کشمیر ایجی ٹیشن کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ہڑبونگ مچا دیا۔ یعنی وہی لوگ جو جواہر لعل نہرو۔ مسٹر گاندھی سبھاش چندر بوس اور سردار پٹیل کو اپنا سیاسی پیر مانتے کبھی ذرا نہ شرمائے وہی ایک کلمہ گو کی قیادت پر چراغ پا ہوگئے۔

عوام نے اُن لوگوں کی معاندانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر بار بار کہا...... ''آپ ہمارے نمائندے نہیں ہیں ہمیں آپ کی راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے''۔

شیخ محمد عبداللہ پورے زور سے چلائے:۔

''......حکومت مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتی ہے چند مسلمان لیڈر حکومت کے دامِ فریب میں آکر مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کے شیرازے کو بکھیر کر اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور سنّی۔ شیعہ۔ اہلحدیث اور احمدی سوال اُٹھا رہے ہیں......''

چودھری غلام عباس بہتیرا کُڑھے اور بار بار پکارے:۔

''...... مجھے یہ دیکھ کر کہ مسلمانانِ کشمیر کے درمیان تفرقہ پردازی کی وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے از حد صدمہ ہوا ہے اس وقت مسلمانوں پر دورِ ابتلاء و مصیبت ہے اور رہبرانِ قوم کی ذرا سی لغزش بھی تباہی کا حکم رکھے گی......

موجودہ سوال قوم کا من حیثُ القوم سوال ہے اور نہ حکومت ہی نے گولیاں چلاتے

،گرفتاریاں عمل میں لاتے اور تشدد کرتے وقت، فرقہ وارانہ تمیز سے کام لیا ہے......
خدارا موقع کی اہمیت اور نزاکت کو سمجھئے اور قوم کو افتراق سے بچایئے اور ایسی راہ اختیار کیجئے جس سے مسلمانانِ ریاست کی مشکلات حل ہوں اور آئندہ مظالم کا سدِ باب ہو ......''

لیکن ان پیشہ وروں کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی ......کشمیری رہنماؤں کو کیا خبر تھی کہ یہ جُبّہ پوش تو ہمیشہ گھر سے اپنی پگڑی بغل میں داب کر نکلتے ہیں اور دوسروں کو پگڑیاں اُچھلنے پر اُنہیں ذرا افسوس نہیں ہوتا ......اور پھر جو ریاستی سکّوں کی کھنک کے زیر سایہ جوڑ توڑ ۔تھا کا فضیحتی ۔لپاڈگی اور تشتت وافتراق کا سلسلہ چلا تو اسی وقت رکا جب سارا کھیل بگڑ گیا ۔سارا کام معطل ہو گیا اور غیر مسلم حکمران کی بے انصافیوں اور چیرہ دستیوں کے دانت مظلوم مسلمانانِ کشمیر کی گردنوں میں اور گہرے دھنس گئے ۔
ان سیاسی شاطروں نے میدان مبارزت میں کودتے ہی سب سے پہلے:۔
......جہاں تہاں سے خواہ مخواہ سول نافرمانیاں بھڑکا کر ایک موثر جدوجہد کے پائیدار نتائج کا دروازہ بند کیا۔
......پھر کشمیر کمیٹی کی طرف سے مظلومین کشمیر کے مقدمات کی بلامعاوضہ پیروی کے لئے بھجوائے جانے والے نامور و مقتدر وکلاء کی بے لوث خدمات کا منہ چڑایا۔
......پھر ان کی جگہ روزانہ ساٹھ ساٹھ ستر ستر روپے محنتانہ طلب کرنے والے آئین دان بھجوا کر مقہوروں اور مجبوروں کی بے بسی و کم مائیگی کا مذاق اُڑایا۔
......پھر ''اسلام خطرے میں ہے'' کا نعرہ لگا کر سادہ دل مسلمانوں کو خواہ مخواہ جیلوں میں ٹھونسوایا اور جب دیکھا کہ ......غیر مسلم ریاستی حکمران اور ہندو کانگرس کی تمام خواہشات پوری ہو چکی ہیں......ریاستی مسلمان پہلے سے بھی کہیں زیادہ احساس کمتری میں مبتلا ہو چکا ہے......اُس کے

جذبہ حریت کا ایک ایک انگ جھنجوڑا بلکہ توڑا جا چکا ہے ......حتیٰ کہ مسلم کانفرنس بھی نیشنل کانفرنس کا لبادہ اوڑھ کران کے سیاسی پیروں کی شرن میں آگئی ہے تو یہ اپنا چمٹا کھرپا سنبھال یہ کہتے ہوئے پھر اپنی حشرت گاہوں میں جا دبکے۔

''......یہ والنٹیئرز تو نشے سے صبر نہیں کرسکتا۔قوم کی عزت وشان بیچ کر معافی مانگ کر ٹھنڈے گھر کا راستہ لیتا ہے۔کیا نشے کے عادی افراد کے بل بوتے پر بھی کوئی قومی جنگ جیتی جاسکتی ہے......''

یقین......کہ ''کشمیر کی کہانی'' کے ان بے لوث اور غیر جانبدارانہ اوراق کے آئینے میں یہ جُبّہ پوش بھی پوری طرح برہنہ ملیں گے۔

اس کہانی کے مؤلف (چودھری ظہور احمد) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اُن خاموش مخلص اور دردمند کارکنوں میں سے ہیں جن کی نگاہوں نے اس اولین شعلہ حریت کو بھڑکتے دیکھا اور جن کی نگاہوں کے سامنے حریفان حریت کی بدنیتیوں نے اس ایمان افروز لَو کی آب وتاب پروار کیے۔ان کے دماغ وذہن سے بہتر شاہد ان وارداتوں اور ہولناکیوں کا اور کون ہوسکتا ہے......ہمیں آج تحریک کشمیر کے صرف چند لیڈروں ہی کے نام یاد ہیں صرف انہی کے جنہوں نے بصد اہتمام بار بار اپنے آپ کو کسی رنگ میں عوام کی آنکھوں کے سامنے رکھا لیکن یادداشتوں کے کشکول میں تو کئی درجن مجاہدین حریت کی جاں سپاریاں محفوظ ہیں۔جن کے ایثار کے ذکرِ خیر میں ان کے قلم نے ذرا انقباض یا بخل سے کام نہیں لیا......ویسے بھی دو چار افراد کی حقیقت ہی کیا ہے۔ایسی ہمہ گیر مہموں کے لئے تو ہر مورچے مستعد۔بے لوث۔شجاع ایثار پیشہ کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔کسی مورخ کو یہ کیونکر زیب دے سکتا ہے کہ اُن میں صرف چند ایک کے نام اُچک کر اُن کے سروں پر شہرتِ عام وبقائے دوام کا تاج پہنا دے اور باقی تمام کے چہروں پر فراموشگاری کا لیپ کردے۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ اوراق صرف اسی لئے اہم نہیں ہیں کہ انہیں پڑھ کر مسلمانانِ کشمیر کی آزادی ورستگاری سے دلی ہمدردی رکھنے والوں کو اس سلسلہ کی اولین تحریک کے مقتدر قائد اور اُس کے رفقاء کار کے خلوص کی گہرائی و گیرائی ناپنے میں مدد ملے گی اس لئے بھی اہم ہیں...... کہ اس کتاب کے مؤلف نہ کوئی سیاسی آدمی ہیں اور نہ کوئی سیاسی عزائم رکھتے ہیں انہوں نے ان اوراق کو اب تک صرف تاریخ کے اہم دستاویزات سمجھ کر سینے سے لگائے رکھا ہے اور جو کچھ اُن کے کشکول میں محفوظ تھا اُس کا ایک حصہ بغیر کسی حاشیہ آرائی کے بے کم دکاست اپنے قارئین کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ اللہ کرے اُن کی یہ خوش نیتی اِس شعلہ کی لو کو اور تیز کرنے میں مدد دے سکے۔

1965ء میں بہ کمال مہربانی انہوں نے راقم الحروف کی التجا قبول کرتے ہوئے اس کہانی کے بعض اوراق ''ہفت روزہ'' لاہور کو اشاعت کے لئے مرحمت فرمائے۔ ان اقساط کو پڑھ کر جب اہل پاکستان کی طرف سے اس کہانی کو جلد از جلد کتابی صورت میں شائع کرنے کا تقاضا اور مطالبہ شدید ہو گیا تو اس عذر دشرط پر کہ میں اشاعت وطباعت کے معاملہ میں ابتدائی شُد بُد بھی نہیں رکھتا ادارہ ''لاہور'' ہی کو اس کی طباعتی نوک پلک سنوارنے کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی) انہیں کتابی شکل دینا منظور کر لیا اور آج اس سلسلہ کی پہلی کوشش آپ کے ہاتھوں میں ہے...... اُمید کہ آپ کا شوق اور مسلمانانِ کشمیر کی آزادی وفلاح سے آپ کی دلی دلچسپی پہلی نظر ہی میں راز پا جائے گی اس تحریک کے گیسو سنوارنے اور اس کے تار و پود کو اُلجھانے اور بکھیرنے میں کِس کِس کا ہاتھ تھا۔

ثاقب زیروی
مدیر ہفت روزہ لاہور

''لاہور''
۱۸ر مئی ۱۹۶۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

میں نہ ادیب ہوں نہ قلمکار اور نہ کوئی چھوٹا یا بڑا انشا پرداز ۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے گاہے ماہے ملک کے جرائد ورسائل میں بعض موضوعات پر مضامین لکھنے کا موقع ضرور ملتا رہا لیکن چند مضامین لکھ کر نہ کوئی شخص ادیب بن سکتا ہے نہ مصنف و مولف ۔یہی حال میرا ہے ......اس پر بھی میری علمی بے بضاعتی کو ''کشمیر کی کہانی'' لکھنے کا حوصلہ کیونکر ہوا۔سچ پوچھیں تو اس کا اصل باعث صرف اور صرف ایک اہم ترین قومی امانت کو قوم کے سُپرد کر دینے کے شدید احساس کے سوا اور کچھ نہیں۔

میرے وہ قابل صد احترام بزرگ اور ملت اسلامیہ کی وہ مقتدر ہستی جو اس کہانی کی روح ورواں ہے اور جن کے ہاتھوں اس کہانی کی داغ بیل پڑی اپنی اَن گنت ملی مصروفیات کے باعث اپنی بابرکت زندگی میں ان اوراق کو یکجا طور پر شائع کرنے کی فرصت نہ نکال سکے بسا ممکن ہے ان کا بلند ضمیر اس لئے بھی اس طرف متوجہ نہ ہوا ہو کہ یہ ساری کہانی تو انہی کی بے لوث و پُر خلوص مساعی جلیلہ کے گرد طواف کر کے کہانی کے مقام تک پہنچتی تھی۔حتیٰ کہ قضاوقدر کا بُلاوا آ گیا اور اُن کی پاکیزہ رُوح ''لبیک یا حبیبی'' ''لبیک یا حبیبی'' پکارتی ہوئی اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی ۔اور اُن کے کتنے ہی وہ بااعتماد و مخلص رفقاء کار بھی اللہ کو پیارے ہو گئے جنہوں نے اپنے بیدار مغز قائد کی رہنمائی میں حُریت وایثار کا یہ پودا اپنے خون سے سینچا

تھا۔

آج کشمیر کا مسئلہ (پاک و بھارت دونوں ملکوں میں) جس گہری دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہے اس کی تشریح و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں ہر روز نہیں تو ہر دوسرے یا تیسرے دن اس پر کسی نہ کسی جریدے میں کوئی اداریہ۔ افتتاحیہ۔ تبصرہ یا تجزیہ ضرور شائع ہوتا رہتا ہے ۔ مجھے یہ دیکھ کر اکثر دکھ ہوتا تھا کہ دانستہ یا نادانستہ۔ عدم واقفیت کی بنا پر یا سیاسی مصلحت اندیشیوں کے تحت مسلمانانِ کشمیر کی آزادی وفلاح کے لئے اولین ہمہ گیر تحریک (جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے شروع کی تھی) کے بارے میں اکثر غلط یا غلط فہمی و غلط اندیشی پر مبنی باتیں شائع ہوتی ہیں۔ میں نے مقدور بھر ان غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش بھی کی۔ بیشتر جرائد کو خطوط بھی لکھے جن میں سے اکثر شائع بھی ہوتے رہے جس کے لئے میں متعلقہ جرائد کے مدیران ادارہ تحریر کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ لیکن یہ سلسلہ ان مراسلتوں سے بھی نہ رکا تو میرے بعض مخلص کرم فرماؤں کی طرف سے یہ اصرار شروع ہوا کہ اب اصلاح و تصحیح کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے۔ کہ تاریخ آزادی کشمیر کے ابتدائی حالات کو (جو میری آنکھوں نے دیکھے ہیں اور جن کے دستاویزی ثبوت بھی میرے پاس محفوظ ہیں) یاداشتوں کے کشکول سے نکال کر کسی موقر جریدہ کے وقیع کالموں میں محفوظ کر دیا جائے۔ تا کہ ان لوگوں کے آب زر سے لکھے جانے کے لائق کارنامے بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو جائیں جنہیں کسی تعصب یا سیاسی اندیشیوں کے باعث مسلسل نظرانداز کیا جارہا ہے۔ یقیناً ان سے ایک دیانتدار مورخ کو تحریک آزادی کشمیر کا حقیقی پس منظر و پیش نظر ترتیب دینے میں بہت مدد ملے گی!

جب تک یہ باتیں اور واقعات گوشہ ہاءِ ذہن میں محفوظ تھے بہت مجمل بلکہ بہت مختصر محسوس ہوتے تھے لیکن جب انہیں ایک باقاعدہ مضمون کے سانچے میں ڈھالنے بیٹھا تو یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا۔ جنہیں برادرم مکرم ثاقب صاحب زیروی نے بڑی محبت

سے اپنے موٴقر جریدہ ''لاہور'' میں شائع کرنا شروع کیا ابھی ''لاہور'' میں اس کی چند قسطیں ہی شائع ہوئی تھیں کہ مشرقی پاکستان کے ایک وقیع ماہنامے نے بھی ان کا بنگالی ترجمہ شائع کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی وطن عزیز کے دونوں حصوں سے اس ساری کہانی کو جلد از جلد کتابی صورت میں شائع کرنے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

میں نے اس مضمون کی ترتیب 1965ء میں شروع کی تھی مگر میری مصروفیات کے باعث یہ سلسلہ تین سال کے طویل عرصے پر پھیل گیا۔حتیٰ کہ میری مقدرت و استطاعت کو ایک عظیم محسن کے کریمانہ التفات کا سہارا میسر آ گیا اور میں اسے بالآخر کتابی صورت میں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ جو اپنے فضل سے اکثر اوقات اپنے بے مایہ۔نالائق اور بے بضاعت بندوں کی کمزور مساعی میں بھی برکت ڈال دیتا ہے آخر میں میری بھی اُسی جلیل وقدیر خدا سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ اپنے لطف وکرم سے میری اس ناچیز کوشش کو بھی قبول فرما لے۔آمین ثم آمین

خاکسار

ظہور احمد

۲۲/مئی ۱۹۶۸ء

''......لیکن جب یہی ویکفیلڈ ملازمت سے علیحدہ ہوئے اور انہوں نے اپنی ''یادداشتیں'' شائع کیں۔ تو وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ ۱۹۳۱ء میں برپا ہونے والے فسادات میں جتنے بھی کشمیری مارے گئے۔ ان سب کے گولیاں سینوں میں لگی تھیں......''

حرفِ آغاز

میرے کانوں میں آج بھی اسی طرح گونج رہا ہے (سابق) پنجاب کے ایک معزز ترین خاندان کے ایک نوجوان کی زبان سے سُنا ہوا یہ واقعہ کہ پہلگام میں چند روزہ قیام کے بعد جب مسافر لوٹنے لگا اور اُسے سامان وغیرہ اُٹھوانے کے لئے مزدوروں کی ضرورت پیش آئی تو ریاست کے رائج الوقت قانون کے مطابق (کہ مزدور مہیا کرنا سرکاری کارندوں کا کام تھا) انہیں اطلاع دی گئی ......کچھ مزدور بھجوا دیئے گئے جنہیں سامان دے دیا گیا۔ انہیں مزدوروں میں سے ایک شخص نے ایک ٹرنک اُٹھایا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے ٹرنک ایک اونچی جگہ پر رکھا اور ٹھہر گیا۔ اور لمبی آہ بھر کر بولا ''ہائے موجے'' (یعنی ہائے ماں) اُس کی اِس آواز میں اس قدر درد بھرا ہوا تھا کہ سُننے والے کا دل لرز گیا۔ وہ اس مزدور کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس حسرت آفرین آہ کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا۔

''......جناب میں مزدور نہیں ہوں میری آج شادی ہے۔ صبح میری برات جا رہی تھی

میں اس برات کا دُولہا تھا۔لیکن سرکاری آدمی مجھے بیگار میں پکڑ کر یہاں لے آئے ہیں۔ایک طرف براتی میرا انتظار کررہے ہوں گے ۔دوسری طرف لڑکی والے پریشان ہوں گے کہ برات ابھی تک کیوں نہیں پہنچی اب سرکاری آدمی جب تک مجھے فارغ نہ کریں میراان تک پہنچنا محال ہے......''

شعلہ حُریت

کیا خبر تھی کہ یہ دردناک کہانی ایک تیر بن کر اُس دردمند نوجوان کے قلب وجگر کو چھید دے گی اور اُس کے دل ودماغ میں مظلومین کشمیر کے لئے ایسا درداور اُن کے روگ کاٹنے کے لئے ایسی ہمت اور استقامت پیدا کردے گی کہ یہ ٹیس ہی اُن کی جدوجہد حریت کا حرفِ آغاز بن جائے گی......اس کہانی کا ایک ایک لفظ اُس کے قلب ورُوح کی گہرائیوں میں اُتر گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مظلوموں کی رستگاری کے لئے ایسا عزم صمیم بن کر اُبھرا اور خدائے ذوالجلال نے بھی اُس کے اِس عزم صمیم کو اپنے فضل وکرم ونصرت سے ایسا نوازا کہ انہی محکوم ومجبور ریاستی عوام کے سینوں میں شعلہ جدوجہد آزادی پوری آب وتاب سے بھڑک اٹھااور اُس نوجوان کو خدائے ذوالجلال نے اہل کشمیر کی ایسی حقیقی خدمت کی توفیق دی......جو **برصغیر پاک وہند کے کسی بھی لیڈر کے حصہ میں نہ آسکی۔**

ٹھیک نوسال بعد

اس واقعہ کے ٹھیک نوسال بعد یہی قابل احترام نوجوان ایک دفعہ پھر کشمیر تشریف لے گیا۔لیکن اب وہ ایک عام انسان نہ تھا۔بلکہ (اپنے رب کی طرف سے)ایک خاص منصب پر فائز ہوچکا تھا۔نسلِ انسانی کے لئے محبت ۔درداور تڑپ اُسے بارگاہ ایزدی سے بطور خاص ودیعت ہوئے تھے۔اس سفر میں اُس کی آنکھوں نے پھر اُسی قسم کے رُوح فرسا حالات دیکھے

۔جن سے ان لوگوں سے اُس کی ہمدردی ہزار چند ہوگئی ۔اور ریاست کے باشندوں کے حالات کا بہت گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔اُس نے غیر محسوس طور پر اپنے متعلقین۔حواریوں اور دوستوں سے اس مظلومیت کے سیاق وسباق کے بارے میں مواد فراہم کرنا شروع کردیا۔

تین نصیحتیں

اور پھر ایک دن اپنی اس لگن کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اُس نے مظلومین کشمیر کو تین باتوں کی طرف توجہ دلائی:۔

اول............باہمی اتحاد واتفاق

دوم............تعلیم پر زور

سوم............اقتصادی حالت کی بہتری

دراصل اس معزز اور قابلِ صد احترام شخصیت نے اُس (سب سے پہلے) دولہا والے سانحہ کے بعد ہی سے اپنی تمام دلی توجہات کو ان مظلوموں کی امداد کی طرف مبذول کردیا تھا......کشمیر میں سردیوں کے موسم میں جب ساری وادی اور پہاڑ برف کی دبیز چادریں اوڑھ لیتے اور ہر نوع کا کاروبار معطل ہوجاتا اکثر (غریب) کشمیری ان دنوں میں محنت مزدوری کرنے کے لئے پنجاب کا رُخ کیا کرتے تھے۔تاجر لوگ اپنی تجارت کا مال لیکر پنجاب آجاتے اور اسے فروخت کرنے کے بعد موسم صاف ہوتے ہی یہاں کا مال وہاں لے جاتے ۔اہل کشمیر کی اس آمدورفت سے اس معزز نوجوان کو ان کے حال واستقبال کے مطالعہ کے اور زیادہ مواقع میسر آئے۔چنانچہ سب سے پہلے نیک نفس نوجوان نے اہل کشمیر کو تلقین کی۔کہ وہ باہمی جھگڑوں کو ختم کردیں۔اس کے بعد انہیں اتحاد واتفاق کی برکات سے روشناس کرایا اور اپنے جھگڑوں کو باہمی گفت وشنید سے طے کرنے پر زور دیا۔

اس کے بعد انہیں بڑے زور سے یہ تحریک کی کہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں درس گاہوں میں بھجوائیں ۔جو بچے زیادہ ہونہار ہوں انہیں پنجاب اور دوسرے صوبوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھجوائیں ۔بلکہ اس کارِ خیر میں اُن کی ہر ممکن مالی اعانت کا وعدہ بھی کیا......اس طرح اُن کی اقتصادی بدحالی کو دُور کرنے کے لئے انہیں پہلا سبق یہ دیا......کہ بدرسوم کو (جو سالہاسال سے اُن میں چلی آتی تھیں) دُور کیا جائے ۔کیونکہ ان کی وجہ سے غریب لوگ مالی لحاظ سے اتنے زیر بار ہو جاتے تھے کہ ساری عمر قرضہ ہی سے چھٹکارا نہیں حاصل ہوتا تھا۔اس کے بعد انہیں (اپنے آپ کو) محنت کا عادی بنانے اور بے کار نہ رہنے کی طرف ترغیب دلائی۔

بیداری کی عام رَو

رفتہ رفتہ اصلاحِ احوال کی یہ چنگاری اندر ہی اندر سلگنے لگی اوران باتوں کا چرچا ہونے لگا۔لوگوں کے دلوں میں یہ احساس گہرا ہوتا چلا گیا کہ انہیں اپنی حالت بدلنی چاہیے۔اور جب تک وہ ان تین باتوں پر زور نہ دیں گے آئندہ ترقیات کی راہیں کبھی ہموار نہ ہوسکیں گی ۔چنانچہ بعض لوگوں نے اپنے بچے تعلیم کی غرض سے قریبی درسگاہوں میں بھجوانے شروع کئے ۔اوران میں سے بعض نے تو ابتدائی پرائمری تعلیم کے بعد ہی اپنے لڑکوں کو پنجاب بھجوا دیا ۔جن میں سے بیشتر کی پُشت پناہی اسی نیک سرشت کے مالی وظائف کرتے تھے۔

حاجی عمر ڈار

شوپیاںؔ سے چند میل کے فاصلے پر ایک مشہور گاؤں آسنور نامی ہے۔اس گاؤں میں ڈار قبیلے کا ایک معزز گھرانا آباد تھا۔یہ لوگ اپنے سارے علاقہ میں معزز خیال کئے جاتے تھے ۔اس لئے ان کی مالی حالت دوسرے سے بہتر تھی۔حاجی عمر ڈار کا نام اب تک لوگوں کے دلوں

پر نقش ہے۔اس جواں ہمت بوڑھے نے اس بزرگ کی اس کامیاب نصیحت سے متاثر ہوکر پچاس سال کی عمر میں لکھنا پڑھنا شروع کیا اور اپنے گاؤں میں تعلیم بالغاں کا انتظام کیا۔حاجی عمر ڈآر کے ایک فرزند خواجہ عبدالرحمٰن ڈآر تھے انہوں نے اس بزرگ کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے سارے علاقہ کا دورہ کیا۔مسلمانوں کو منظّم کیا ان کے اختلافات کو افہام وتفہیم سے حل کیا اور بڑوں کو تعلیم کے فوائد بتائے۔الغرض آہستہ آہستہ یہ گاڑی چلنا شروع ہوگئی۔

جموں کے علاقہ میں بھی احباب نے یہ تعمیری تعلیمی سرگرمیاں شروع کردیں جن میں ایم یعقوب علی (کنٹریکٹر) اور ایم فیض احمد (کنٹریکٹر) کی حیثیت نمایاں تھی۔ان کے بعض اور ساتھیوں نے بھی اس قومی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

کسانوں کی حالت زار

اُن دنوں کشمیر میں دستور تھا کہ کسان سارا سال محنت کرتے۔شالی (دھان) کشمیری کی بڑی فصل سمجھی جاتی ہے۔جب یہ فصل تیار ہوجاتی تو سرکاری ملازم آجاتے۔ساری فصل پر قبضہ کر لیتے۔غلہ کو پورا بھی نہ تولتے۔پھر اس کی قیمت بھی بہت کم لگاتے۔اور یُوں سارے کا سارا شالی اسٹور میں چلا جاتا۔اکثر کسان اپنی گزراوقات کے لئے بھی اس میں سے کچھ نہ رکھ سکتا۔بلکہ اپنی ضرورت کے وقت کئی میل سفر کرتا۔کئی دن دھکے کھاتا۔پھر بعد از ہزار رسوائی کہیں وہی غلہ جو اُس نے حکومت کے پاس ایک روپیہ من کے حساب سے بیچا ہوتا تھا۔اُسے دوروپے اور بعض اوقات اس سے بھی مہنگے داموں مل پاتا۔

قانون کی اطاعت

شدید احساس ذلت کے بعد بیداری کی کروٹوں کو جائز حدود میں رکھنا بھی کسی تحریک کی کامیابی کی اولین ضمانت ہوتا ہے۔اسی لیے ساتھ کے ساتھ اہل کشمیر کو بڑے مؤثر طریق

سے یہ تلقین بھی جاری رہی کہ اپنی ہر قسم کی اصلاحی سرگرمیوں کو قانون کے اندر رکھیں۔ کیونکہ ابھی وہ اتنے کمزور اور غیر منظّم ہیں کہ ذرا سی بات کی آڑ لے کر بھی حکومت انہیں کچل سکتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں آزادی کی یہ پائدار جدوجہد کئی سال پیچھے جا پڑے گی۔

لارڈ ریڈنگ کو درخواست

اُس وقت تک کشمیر کے مسلمانوں کی کوئی خاص تنظیم نہ تھی۔ ۱۹۲۴ء میں اس سلسلہ میں ایک نہایت ہی جرأت مندانہ قدم اُٹھایا گیا۔ لارڈ ریڈنگ ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ وہ سیر و تفریح کے لئے کشمیر گئے۔ تو وہاں چند مسلمانوں نے انہیں ایک میموریل پیش کیا جس میں اپنی حالت زار کا نقشہ پیش کرنے کے بعد مطالبہ کیا گیا کہ:۔

کسانوں کو زمین کے مالکانہ حقوق دیے جائیں۔

انہیں ملازمتوں میں بھی زیادہ سے زیادہ حصہ دیا جائے۔

مسلمانوں کی تعلیم کا بہتر انتظام کیا جائے۔

اور بیگار کو کلیۃً ختم کیا جائے۔

مہاراجہ نے اس اقدام کو بہت بُرا خیال کیا میموریل پر دستخط کرنے والوں کو سرزنش ہوئی بعض کو تو ریاست بدر کر دیا گیا۔

۲۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ لاولد مرا تو اس کا بھتیجا ہری سنگھ حکمران ہوا۔

تنظیم و تحریک

خواجہ عبد الرحمٰن ڈار اب تک اپنے علاقہ کے تمام کسانوں کو منظّم کر چکے تھے۔ تعلیم کا بھی چرچا ہونے لگا تھا۔ یہ باتیں حکومتِ کشمیر کے لیے بہت ناگوار تھیں۔ کیونکہ اس بیداری میں غلامی کی زنجیریں کٹ جانے کا راز مضمر تھا۔ لیکن عبد الرحمٰن ڈآر چونکہ خلاف قانون کوئی

بات نہ کرتے تھے۔اس لیے اُن پر ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ بالآخر بہت سوچ بچار کے بعد پولیس نے اپنا آخری (تیر بہدف) نُسخہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔اور انہیں زمرہ بدمعاشاں میں شامل کرکے اُن کی تعمیری سرگرمیوں کو غیر مؤثر بنانے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

تیسرا سفر

کشمیر ابھی اُمید وبیم کے اس دور میں سے گزر رہا تھا کہ ۲۹ء میں وہی بزرگ (جن کا ذکر اس ساری مہم کی جان ہے) تیسری بار کشمیر تشریف لے گئے۔انہیں جہاں اس سفر میں یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ اب کشمیری مسلمانوں میں عام بیداری پیدا ہوچکی ہے اور ایک لمبے عرصے سے نشانہ جور وستم رہنے کے باعث خودداری کی رُوح کھو بیٹھنے والے کشمیری زمینداروں میں از سرِ نو احساس خودی پیدا ہو چلا ہے۔یہ جان کر انہیں انتہائی رنج بھی ہوا ......کہ عبدالرحمٰن ڈآر جو اس جدوجہد کے لیڈر تھے۔ان کو پولیس طرح طرح سے زِچ کر رہی ہے۔اور ان

جیسے معزز فرد کو بھی بدمعاشوں کی فہرست میں شامل کرنے کی کوششیں زیرِ عمل ہیں۔

آپ نے فوری طور پر اپنے سکرٹری 1 (مولانا عبدالرحیم درد ایم۔اے) کو (جن کو بعد میں کشمیریوں کی خدمت کا اللہ تعالیٰ نے خوب خوب ہی موقع دیا) کشمیر کے انسپکٹر جنرل پولیس کے پاس یہ واضح کرنے کے لئے بھجوایا۔کہ عبدالرحمٰن ڈآر ایک نہایت شریف شہری ہیں۔معزز زمین دار اور اچھے تاجر ہیں۔ان کا خاندان اپنے علاقہ میں ہمیشہ ہی سے معزز خیال کیا جاتا ہے ۔اُن کے خلاف یہ خطرناک تعزیری اقدامات محض اُن کی طرف سے کسانوں کی حمایت پر برہم ہوکر کیے جارہے ہیں۔......انسپکٹر جنرل پولیس گفتگو سے مطمئن ہوئے اور کہا کہ وہ اتحاد اور

بیداری کی کوششیں بے شک جاری رکھیں لیکن ایسی اکساہٹوں سے باز رہیں جن سے کسی قسم کی شورش پیدا ہو سکے۔آئی۔جی پولیس نے ہر قسم کی ناجائز تکلیف کے ازالہ کا وعدہ بھی کیا۔

اس بزرگ شخصیت کی طرف سے جہاں مسلمانانِ کشمیر کو یہ تلقین کی جارہی تھی کہ وہ تعلیم کی طرف توجہ کریں۔وہاں انہیں یہ بھی تحریک کی جاتی تھی کہ وہ ریاست کی ملازمتوں میں زیادہ سے زیادہ آنے کی کوشش کریں تا کہ اپنی قوم کے افراد کی خدمت کر سکیں۔اس زمانہ میں ریاست کی کلیدی آسامیوں پر مسلمان خال خال ہی متعین تھے۔اوراُن میں بھی صرف تین چار ہی ایسے تھے جو اخلاقی جرأت رکھتے تھے۔حکومت کے دوسرے تمام بڑے عہدے ڈوگروں اور کشمیری پنڈتوں کے قبضہ میں تھے۔

خلیفہ عبدالرحیم کی خدمات

خلیفہ عبدالرحیم (جو بعد میں حکومت جموں وکشمیر کے ہوم سیکرٹری بنے) انہی چند مسلمان ریاستی افسروں میں سے ایک تھے۔جن کی قومی خدمات کو مسلمانانِ جموں وکشمیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔یہ اُن دنوں کی بات ہے جب کہ ایلبین بیز جی اور مسٹر ویکفیلڈ ریاست کے وزراء میں شامل تھے۔اور مہاراجہ پر چھائے ہوئے تھے۔خلیفہ عبدالرحیم جو مسلمانوں کی حالتِ زار سے بخوبی واقف تھے۔اپنی قابلیت، محنت اور دیانت داری کی وجہ سے اپنے بالا افسران یعنی وزراء کے دِلوں میں بھی ایک خاص مقام پیدا کر چکے تھے۔انہوں نے ان وزراء کے سامنے مردم شماری کے اعداد وشمار رکھے۔اوراس کے ساتھ ہی ریاستی ملازمتوں میں ان کے تناسب (کا گوشوارہ) بھی رکھا۔جو آٹے میں نمک کی حیثیت بھی نہ رکھتا تھا۔ہندو ساری

ریاست پر چھائے ہوئے تھے۔تجارت پر تو کلیۃً ہندوؤں ہی کا قبضہ تھا۔پریس اور پلیٹ فارم کی بھی کوئی آزادی نہ تھی۔انجمنیں بنانے کی ممانعت تھی۔مسلمانوں کے اوقاف پر ریاست کا قبضہ تھا۔بعض مساجد گوداموں کے طور پر استعمال ہو رہی تھیں۔یہ ساری باتیں بیز جی اور مسٹر ویکفیلڈ کے نوٹس میں لائی گئیں۔

خواجہ غلام نبی گلکار

۲۹ء کے قیام کشمیر کے دوران میں روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ اپنے اس ہمدرد وغم گسار سے ملاقات کے لئے آتے رہے۔سرینگر میں نوجوان تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیدار ہو چکے تھے۔انہی میں ایک باہمت جوان ''خواجہ غلام نبی گلکار'' تھے۔جنہوں نے یہ عہد کیا کہ

''......خواہ کچھ بھی ہو میں نوجوانوں کو منظّم کر کے ہی دم لوں گا......

پھر ہم سب مل کر مسلم نوجوانوں کو کالجوں میں داخلہ کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں گے تاوقتیکہ قوم اپنی حالت کو بدلنے کے قابل ہو سکے۔''

درس القرآن کا اجراء

سری نگر میں دو پرانے وکیل مسلمان بھی تھے۔ان میں سے ایک مولوی محمد عبداللہ تھے اُس بزرگ کے ساتھ ان وکیل صاحب کے تعلقات بہت قدیم سے چلے آرہے تھے۔انہوں نے بھی ان کا اثر قبول کیا اور قرآن مجید کے درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔جس میں شامل ہونے والوں کو وہ تمام باتوں کی تلقین کرتے جنہیں فروغ دینے کے لئے اس بزرگ نے ہمیشہ زور دیا تھا۔درس میں لوگوں کی حاضری روز بروز بڑھتی چلی گئی۔پہلے وکیل صاحب

کی بیٹھک میں تین چار نوجوان آنے شروع ہوئے پھر پندرہ بیس ہوئے۔ پھر دوسرا کمرہ بھی استعمال ہونے لگا۔آخر مکان کے سامنے کی ساری سڑک بھی مردوں سے بھر جانے لگی۔ یہ ہماہمی اور سرگرمی ہندو راجہ کی ناراضگی کا باعث بنی۔ چنانچہ ٹریفک کے رکنے کا بہانہ کر کے اس سلسلہ کو حکماً بند کر دیا گیا۔

ریڈنگ رُوم پارٹی

مگر خواجہ غلام نبی گلکار کب نچلے بیٹھنے والے تھے۔انہوں نے فوراً فتح کدل میں ایک ریڈنگ روم کھول ڈالا۔اس کے با قاعدہ ممبر بنائے اور ''ریڈنگ روم پارٹی'' کے نام سے ایک جماعت قائم کر لی۔ جو بظاہر وہاں کتب کے مطالعہ کے لئے جمع ہوتے تھے۔لیکن ان کا اصل کام مسلمانوں کو منظّم کرنا تھا۔نوجوانوں کے لئے تعلیم کے مواقع مہیا کرنا۔اور انہیں غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے تیار کرنا تھا۔جب شیخ محمد عبداللہ (شیر کشمیر) علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہو کر آئے۔تو وہ اس پارٹی کے صدر اور خواجہ غلام نبی گلکار جنرل سکرٹری چنے گئے۔اور کام کی رفتار خاصی تیز ہوگئی۔

ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن

چند سال پہلے جموں میں باہمت لوگوں نے ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' کے نام سے ایک جماعت بھی قائم کر لی تھی۔جس کے سالانہ جلسے منعقد ہوتے تھے۔باہر سے علماء کو بلوا کر تقاریر کروائی جاتی تھیں۔اس بزرگ کے نمائندے بھی ایسوسی ایشن کی درخواست پر تقاریر کرنے کے لیے جاتے جو مسلمانوں کے دلوں کو گرماتے اور جدوجہد آزادی کو اور تیز کر آتے تھے۔......ایم یعقوب علی۔شیخ غلام قادر۔آغا غلام حیدر۔چودھری غلام عباس۔سردار گوہر رحمٰن اور میاں محمد ابراہیم وغیرہم سب اس انجمن سے متعلق رہے ہیں۔جو علمائے ہند وقتاً فوقتاً اس

ایسوسی ایشن کے جلسوں میں ولولہ انگیز تقاریر فرماتے رہے ۔اُن میں ڈاکٹر مفتی محمد صادق ۔خواجہ حسن نظامی ۔مولانا محمد علی ایم اے ۔مولانا محمد یعقوب ۔علامہ حافظ روشن علی ۔مولانا عبد الرحیم نیّر ایسے جید علماء کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں ۔

ریاست جموں وکشمیر میں مسلمان بھاری اکثریت میں تھے ۔یعنی کشمیر کے صوبہ میں تو پچانوے فی صد تھے اور جموں وغیرہ کے صوبہ کو ملا کر بھی اُن کی آبادی ستتر فیصد سے زائد تھی ۔لیکن ساری ریاست پر ڈوگرہ خاندان کا راج تھا ۔فوج ساری کی ساری ڈوگرہ جوانوں پر مشتمل تھی ۔سرکاری ملازمتوں پر کشمیری پنڈت چھائے ہوئے تھے ۔تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی ۔مسلمان صرف غربت اور کسمپرسی کی زندگی گزارنے کے لئے تھے ۔جموں شہر کے سوا جہاں گنتی کے چند مسلمان خاندان کھاتے پیتے گھرانوں میں شمار ہوتے تھے ۔اس صوبے کے سارے مسلمانوں کی حالت اچھوتوں سے بدتر تھی

مسلمانوں کو اس ناگفتہ بہ حالت تک پہنچا دینے کے باوجود جب ریاستی حاکم نے یہ دیکھا کہ غربت وکم پرسی کی یہی آہیں اندر ہی اندر شعلے اُگلنے لگی ہیں ۔اور جگہ جگہ حصولِ آزادی کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں تو اُس نے سوچا کیوں نہ ان سارے مسلمانوں کو شدھ کر کے ہندو ہی بنا لیا جائے ۔نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری ۔

واضح رہے ساٹھ سال قبل بھی کشمیر کے ایک متعصب راجے نے یہی نُسخہ مسلمانوں کی جدوجہد حریت سے مستقلاً نجات پانے کا آزمایا تھا ۔چنانچہ بیرون ریاست کے مہاشے اور بھکشو درآمد کئے گئے ۔اور کام شروع ہو گیا ۔

اسلام پر جبر وتعدی کا یہ وار ہوتا دیکھ کر کشمیری مسلمان مضطرب ہو گیا کشمیر میں مسلمان مبلغین بجھوانے کے لیے پنجاب کے مسلمانوں کی خدمت میں درخواستیں کی گئیں ۔ایک عرضداشت اُس محترم ومکرم بزرگ کی خدمت میں بھی ارسال کی گئی ۔جس سے اب ریاست کا

پڑھا لکھا مسلمان طبقہ ایک حد تک روشناس ہو چکا تھا۔ چنانچہ فوراً آدمی بھجوا دیے گئے۔ ہندو مہاشہ کے مقابلہ پر مسلم مہاشہ اچھا وار کر سکتے تھے۔''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے''۔ کے مصداق ہندو مہاشہ کے مقابلہ پر مسلم مہاشے پر نظر پڑی اور پنجاب سے مہاشہ محمد عمر نامی ایک مستعد (فاضل سنسکرت) مسلم مبلغ کو وہاں بھجوایا گیا۔ جس نے اس حوصلہ اور جرأت سے ہندو مہاشوں کو للکارا اور ہر مقام پر انہیں دلائل کے واروں سے ایسا عاجز کیا کہ انہیں یہ میدان چھوڑتے ہی بنی۔

بیداری کے بہترین سال

۱۹۲۹ء و ۱۹۳۰ء مسلمانانِ جموں وکشمیر کی بیداری سے بہترین سال شمار ہوتے ہیں ۔کیونکہ غلامی کے خلاف اعلان اور جنگ آزادی کی تیاری کے یہ فیصلہ کن سال تھے۔اس کے بعد ۱۹۳۱ء میں تو اس جنگ کا با قاعدہ بگل بج گیا۔جس نے کتنے ہی مردہ دِلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔مگر یہ سب کچھ ابھی تک ریاست کے اندر ہی ہو رہا تھا۔ریاست سے باہر ہندوستان کے لوگ اپنے ان بھائیوں سے (سوائے معدودے چند دردمند دلوں کے) غافل تھے۔اور انہوں نے کبھی اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

سر ایلبین بینر جی کی علیحدگی

سر ایلبین بینر جی کا ذکر آ چکا ہے۔انہیں متاثر کرنے میں ممکن ہے بعض دوسرے عناصر نے بھی کام کیا ہو۔لیکن اس کی بڑی وجہ خلیفہ عبد الرحیم اور اُن کے دو تین ساتھیوں کی مساعی تھیں۔مسٹر بینر جی اگر چہ مسلمان نہ تھے۔لیکن انصاف پسند تھے۔انہوں نے اصلاح احوال کا ارادہ کیا۔لیکن مہاراجہ کے گرد خوشامدی لوگ جمع تھے۔انہوں نے مسٹر بینر جی کی پیش نہ جانے دی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ریاست جموں وکشمیر کی ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑا۔

۱۹۲۹ء کے اوائل میں ملازمت سے علیٰحد گی کے بعد سر بینر جی کا وہ معرکۃ الآ راء مضمون اخبارات میں شائع ہوا جس میں مظلومین کشمیر کا صحیح نقشہ دکھایا گیا تھا اور ہر دعویٰ کی دلیل صحیح اعداد وشمار کے رنگ میں دی گئی تھی ۔ ریاستی ہائی کمان کو شبہ تھا کہ یہ اعداد وشمار (جن کا اکٹھا کرنا عرق ریزی کا کام تھا۔خلیفہ عبدالرحیم جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) کی خفیہ کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن ثبوت کوئی نہ تھا پھر یہ اعداد وشمار اُس وزیر نے شائع کروائے تھے۔ جسے ملازمت کے دوران میں اُن کے حاصل کرنے کا کلّی اختیار تھا۔لیکن بینر جی کے بعد خلیفہ عبدالرحیم بھی ہائی کمان کی نگاہوں میں مشکوک ومشتبہ ضرور ہو گئے۔

نعرۂ حق

بینر جی کے سلسلہ میں ایک بات کا بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب اخبارات میں بیان شائع ہوا تو ریاستی باشندوں اور ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک دم جوش اور ہیجان پیدا ہو گیا۔ ریاست میں بھی ہر جگہ اس بیان کا چرچا ہو رہا تھا۔ ہندو بڑی ہوشیار قوم ہے اُس نے اس کے اثرات کے ازالہ کے لئے فوراً ایک منصوبہ تیار کیا جس کی پہلی شِق یہ تھی کہ ریاست کے ایک مسلمان وزیر اپنے مکان پر جموں کے سرکردہ مسلمانوں کو جمع کریں اور انہیں ترغیب دلائیں کہ وہ اس کی تردید میں ایک بیان دیں جس میں یہ لکھا جائے کہ ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان ہر طرح سکھ اور چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں اور یہ بھی کہ بینر جی کا بیان حقائق کے خلاف ہے۔لیکن ایم یعقوب علی نے وزیر صاحب کو کوٹھی سے باہر آتے ہی بڑے دھڑلے سے نعرہ حق بلند کیا اور کہا کہ

''......ہم جھوٹ کی تائید اور حق کی مخالفت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں......''

اس پر کمزور طبائع بھی اُن کا ساتھ دیے بغیر نہ رہ سکیں اور ہندوؤں کی یہ سکیم فیل ہو گئی۔

بزدلی کا الزام

مسٹر ویکفیلڈ مہاراجہ کے خاص دوستوں میں سے تھے اس لئے عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ مہاراجہ ان کی بات رد نہیں کر سکتے ......خلیفہ عبدالرحیم مسٹر ویکفیلڈ کے پرسنل اسسٹنٹ تھے وہ انہیں مسلمانوں کی حالتِ زار سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تاکید کرتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کو آپ ان کے جائز حقوق دلائیں اس وقت تک فوج میں ڈوگروں کے علاوہ راجپوت، نیپال کے گورکھے اور پنجاب کے سکھ تو بھرتی ہو سکتے تھے لیکن کسی کشمیری مسلمان کو بھرتی کرنے کی کلیۃً ممانعت تھی۔ مسٹر ویکفیلڈ جن کے ماتحت فوج کا محکمہ بھی تھا کا اپنا بیان ہے کہ:۔

''......میں نے بہت کوشش کی کہ مہاراجہ کشمیری مسلمانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دے دیں......مہاراجہ نے مجھے جواب دیا کہ ایک دفعہ میرے دادا مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کشمیریوں کی ایک پوری رجمنٹ تیار کی تھی۔ چھ ماہ تک اُن کی باوردی پریڈ بھی سرینگر میں ہوتی رہی۔اس کے بعد ساری رجمنٹ کو جموں کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔تو فوج کے افسران کا ایک وفد دربار میں مہاراجہ کے حضور پیش ہوا اور عرض کی حضور ہماری روانگی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔لیکن ایک کمی رہ گئی ہے۔

راستہ میں ہماری حفاظت کے لئے پولیس کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا......''

(''ری کولیکشنز'' از جی۔ای۔ویکفیلڈ۔بحوالہ ''سٹرگل فار فریڈم اِن کشمیر'' از پریم ناتھ بزاز صفحہ ۱۴۲)

یہ خود ساختہ تحقیر آمیز قصہ سُنا کر مہاراجہ ہری سنگھ نے ویکفیلڈ کو تو خاموش کرا دیا۔لیکن جب یہی ویکفیلڈ ملازمت سے علیٰحدہ ہوئے۔اور انہوں نے اپنی ''یادداشتیں'' شائع کیں۔تو

وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:۔

''۱۹۳۱ء میں برپا ہونے والے فسادات میں جتنے بھی کشمیری مارے گئے ۔ان سب کے گولیاں سینوں میں لگی تھیں'' (''ری کولیکشنز'' اَز جی۔ای۔ ویکفیلڈ۔بحوالہ ''سٹرگل فار فریڈم اِن کشمیر'' اَز پریم ناتھ بزاز صفحہ ۱۴۲)

گویا مہاراجہ نے جو افسانہ تراشا تھا۔وہ سب جھوٹ پر مبنی تھا۔کشمیری ہرگز بزدل نہ تھے اوراس بات کی تصدیق انہوں نے اپنے عمل سے کر دی تھی۔

۲۹ء کی گرمیوں جب یہی محترم بزرگ (جن کا ذکر خیر اوپر آچکا ہے) کشمیر تشریف لائے ہوئے تھے ۔چند ذی عزت کشمیریوں کی طرف سے مہاراجہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی گئی۔جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ:

ریاستی ملازمتوں میں مسلمانوں کے غیر تسلی بخش تناسب کا ازالہ کیا جائے۔

اس کے نتیجہ میں نجی طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ ملازمتوں میں مسلمانوں کے لئے پچاس فیصد آسامیاں ریزرو کی جائیں گی۔لیکن بعد میں اُسے پورا نہ کیا گیا۔جس سے مسلمانوں کے دلوں میں ڈوگرہ حکومت کے لئے بداعتمادی اور بڑھ گئی۔

حوصلہ شکن جواب

ریڈنگ روم پارٹی کا ذکر اوپر آچکا ہے۔شیخ محمد عبداللہ اُس کے صدر اور خواجہ غلام نبی گلکار اس کے سیکرٹری تھے۔مہاراجہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شمولیت کی غرض سے انگلستان گئے ہوئے تھے ۔ان کی غیر حاضری میں ریاستی کابینہ کام کر رہی تھی ۔ریڈنگ روم پارٹی نے دو آدمیوں کا وفد پیش کئے جانے کی اجازت مانگی جو دے دی گئی۔کابینہ نے اس چھوٹے سے وفد کی گزارشات سننے کے بعد اس بات سے بالکل انکار کر دیا کہ مسلمانوں کے لئے آسامیوں

کی تعداد مخصوص کردی جائے۔مگر یہ حوصلہ شکن جواب سن کر بھی یہ نوجوان مایوس نہ ہوئے
۔بلکہ انہوں نے اپنی سرگرمیوں کواور تیز کر دیا۔

’’......ریاستی حکومت کے پیدا کردہ حالات کی وجہ سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کسی وقت بھی جنگ کا باقاعدہ بگل بج جائیگا اور حصولِ آزادی کے لئے مستقبل جنگ شروع ہوجائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا......‘‘

جنگ کا بگل

جن لوگوں نے کشمیر کی سیاحت کی ہے اس کی وسیع عریض وادی ۔سرسبز وشاداب کھیت ۔چشمے اور باغات ۔کوہسار ودریا۔آبشاریں اور جھیلیں اور گلمرگ کے مخملی میدان دیکھے ہیں۔انہیں ماننا پڑے گا کہ وہ صاحب ذوق شہنشاہ ہند جس نے کشمیر کے متعلق کبھی یہ کہا تھا ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اُس نے اس وادی جنت نظیر کی صد فی صد سچی تصویر پیش کی تھی۔

ہر چیز زرخیز

کشمیر کی زمین جہاں زرخیز ہے وہاں اس خطہ میں رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے طباع ذہن بھی ودیعت کئے ہیں۔۱۹۳۰ء کی بات چل رہی تھی۔کشمیریوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر قسم کی ترقی کی صلاحیتیں موجود تھیں۔اب ان صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے صرف ہوا

ئے آزادی کی ضرورت تھی۔جس سے وہ صدیوں سے محروم چلے آرہے تھے۔

۱۹۳۱ء کی صبح طلوع ہونے تک کشمیر کے لوگوں میں زندگی اور بیداری کے آثار تو نمایاں نظر آنے شروع ہو چکے تھے۔لیکن ابھی تک نہ اُن کی کوئی مرکزی تنظیم تھی۔اور نہ انہیں ایسے وسائل ہی میسر تھے۔کہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے لگاتار جدوجہد کرسکیں۔اس لئے از حد ضروری تھا کہ وہ ایک مرکزی تنظیم کی لڑی میں منسلک ہوں۔ملک بھر میں جس کی شاخیں ہوں۔اپنا پریس اور پلیٹ فارم ہو۔لیکن اہل کشمیران تمام اہم نعمتوں اور وسیلوں سے محروم تھے۔اور ریاست اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار ہونے کے باوجود انگریزی راج کے ماتحت تھی۔ ہندوستان پر انگریز حکمران تھا۔اگر کشمیر کے حکمران پر کوئی دباؤ پڑ سکتا تھا تو صرف انگریز کی طرف سے جو ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

مگر قدرت تو جیسے فیصلہ کر چکی تھی کہ کشمیر میں اب انقلاب آکر رہے گا۔ اور آئے گا اس سال کے اندر اندر۔چنانچہ اس کے کرم سے ایسے غیر معمولی واقعات ظہور پذیر ہونے شروع ہوئے جو ہر گز کسی سوچی سمجھی سکیم کا حصہ نہ تھے۔

جابر حاکم کے ظالم افسروں نے مختلف مواقع پر فرعونیت کے مظاہرے کئے اور یہی چیز ڈوگرہ راج کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کا باعث بن گئی۔

اسلام قبول کرنے کی پاداش میں

صوبہ جموں میں تحصیل ''اودہم پور'' کا ایک بڑا زمیندار حلقہ بگوش اسلام ہوا۔وہاں کے تحصیل دار نے کاغذات مال سے اس کا نام خارج کر دیا اور اس کی تمام جائداد واملاک پر اس کے بھائی کا قبضہ کرانے کے بعد اُسے بے دخل کر دیا عدالت میں چارہ جوئی کی گئی۔جج نے اُسے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ...... ''شُدھ ہو جاؤ تو جائداد واپس مل جائے گی ......'' اُس

نے انکار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔

ایک گاؤں ڈیگور میں مسلمانوں کو نماز باجماعت ادا کرنے سے روک دیا گیا ...... جب اس کی اطلاع دوسرے مسلمانوں کو ہوئی۔ تو ان میں شدید غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔

جموں جیل کی پولیس لائن میں انہی دنوں میں ایک ہندو ہیڈ کنسٹیبل نے ایک مسلمان کنسٹیبل کو عین اس وقت جب وہ تلاوت قرآنِ پاک میں مصروف تھا کہا ''......تم کیا بکواس پڑھ رہے ہو......'' اور طیش میں آ کر اُس کا بستر (جس میں قرآنِ پاک کی بعض سورتوں کا مجموعہ ''پنجسورہ'' تھا) پرے پھینک دیا (پنج سورہ جو قرآن مجید ہی کا حصہ تھا) زمین پر جا پڑا۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کو اور بھی برافروختہ کر دیا۔

۲۹/ اپریل ۱۹۳۱ء کو عید الاضحیہ تھی۔ جموں میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع اس جگہ ہوا جہاں انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام عید پڑھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس عید کی عبادت میں تین چیزیں شامل ہیں۔ دو رکعت نماز خطبہ عید اور دُعا ......نماز ادا کی گئی۔ خطبہ جاری تھا۔ امام الصلوٰۃ نے (قرآن مجید میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا (جو واقعہ آتا ہے) لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کیا۔ ایک آریہ ڈپٹی انسپکٹر پولیس وہاں ڈیوٹی پر تھا۔ اُس نے فوراً خطیب کو خطبہ عید پڑھنے سے روک دیا۔ اور باوجود یہ بتانے کے کہ خطبہ نماز کا ایک ضروری جزو ہے۔ آریہ پولیس افسر اس بات پر اڑا رہا۔ کہ تم صرف نماز عید پڑھ سکتے ہو۔ لیکچر کی اجازت نہیں۔ حالانکہ اُس پر یہ بات بار بار واضح کی گئی۔ کہ عید کی نماز کے ساتھ خطبہ پڑھنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ اس لئے اس کی بندش مذہب میں دخل اندازی کے مترادف ہے۔

جوں جوں یہ بالادستیاں وقوع پذیر ہوتی گئیں۔ مسلمانانِ کشمیر ان سے اپنے ہمدردوں کو بھی باخبر کرتے چلے گئے......جو ہندوستان خصوصاً پنجاب میں اُن کے لئے نہ صرف دامے درمے کوشاں تھے۔ اُن کی محکومیت کا عذاب ختم ہو جانے کے لئے اپنے رب سے

دست بدعا بھی تھے۔ چنانچہ یہ تمام حالات کشمیری مسلمانوں کے اس مونس وغم گسار بزرگ کی خدمت میں بھی پہنچائے جاتے رہے۔ جنہیں وہ بطورِ خاص اپنے ذاتی اثر ورسوخ کے ساتھ مسلم پریس اور دوسرے غیر جانب دار ہمدرد پریس میں چھپواتے رہے۔ چنانچہ آئے دن مظلومینِ کشمیر کی داستانیں ملک کے جرائد ورسائل میں شائع ہونے لگیں۔ شور برپا ہوگیا۔ جہاں تہاں مظلومینِ کشمیر پر مظالم کی داستانیں دہرائی جانے لگیں جس سے ہندو کانگرس کے لیڈر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

کانگرسیوں کی تقریریں

جون ۱۹۳۱ء میں کانگرسی لیڈروں کی جو تقریریں ہوئیں۔ اُن میں سے بھی بیشتر اہلِ کشمیر کے کرب آفریں ذکر سے معمور تھیں...... مثال کے طور پر:۔

مسز کملا نہرو نے اپنی تقریر میں کہا:۔

''...... وہ دن گزر گئے جب رعایا استبداد کے جوئے کا بار بغیر کسی ناخوشی اور ناراضی کا اظہار کئے اٹھائے رکھتی تھی والیانِ ریاست کو جاننا چاہیے کہ ہندوستان کے ہر گوشہ میں (جس میں ریاستیں بھی شامل ہیں) ایک عظیم بیداری پیدا ہورہی ہے۔ اور اگر انہوں نے فہم ودانش اورحُبِّ وطن کا ثبوت نہ دیا تو وہی حشر اُن کا بھی ہوگا۔ جو دوسرے فرمانرداؤں کا ہو چکا ہے ......''۔

مسٹر سبھاش چندر بوس نے اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں کہا:

''...... ہندوستان کے آئندہ نظامِ حکومت میں والیانِ ریاست کے لئے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اگر والیانِ ریاست کانگرس کے اعلان کے مطابق پانچ سو روپے ماہوار لینے پر تیار ہوں تو ممکن ہے کچھ دنوں تک اُن کا وجود نہ رَہ سکے......''

اس محترم بزرگ کے (جنہوں نے تحریک آزادی میں بہت بڑا کردار ادا کیا) ہمنواؤں نے اُس زمانہ میں اخبارات میں بڑے زوردار مضامین لکھے۔جن میں بصراحت واضح کیا کہ وہ مظالم اور سختیاں جو کشمیر کے برسرِ اقتدار لوگ کشمیریوں (خصوصاً مسلمانوں) پر کرتے چلے آرہے ہیں۔نا قابلِ بیان اور حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ظاہراً یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ریاستی باشندوں خصوصاً مسلمانوں کو اس قدر ذلت اور ادبار کے گڑھے میں گرا رکھا ہے کہ اس سے ان کا نکلنا ممکن نہیں۔لیکن یہ حد سے بڑھی ہوئی سختیاں ہی ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کر رہی ہیں۔اور وہ وقت دور نہیں جب ریاستی حکمرانوں کو معلوم ہو جائے گا کہ رعایا کے اتنے بڑے حصہ کو اس کے حقوق سے محروم رکھنا اور مظالم کا تختہ مشق بنائے رکھنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکے گا مگر اُس وقت اس حقیقت سے باخبر ہونا شاید اتنا فائدہ مند نہ ہو سکے جتنا کہ اب ہو سکتا ہے۔

احتجاجی سرگرمیاں

جموں میں خطبہ عید پڑھنے میں جو رکاوٹ پیدا کی گئی تھی اس پر مسلمانانِ جموں نے قابل تعریف آئین پسندانہ رویہ اختیار کیا۔اور اس صریح ناانصافی اور مذہب میں دخل اندازی کے خلاف مردانہ وار آواز اُٹھائی اور ہندوستان کے چار پانچ بڑے لیڈروں کو (جن میں ایک وہ قابلِ احترام بزرگ تھے) رجسٹری خطوط کے ذریعہ باخبر کیا اور امداد کے طالب ہوئے۔

کشمیر کے ابتدائی لیڈروں میں سے مولانا مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاؔء نے (جنہوں نے کئی بار قوم کی خاطر قید و بند اور جلاوطنی کی صعوبتیں جھیلیں) راقم الحروف کو لکھا کہ اس بزرگ ہستی نے جہاں ہماری معروضات ملتے ہی ہماری زرِ کثیر سے مالی اعانت فرمائی

۔ ہمارے اس اقدام کی دل سے تعریف بھی کی جو ہم نے اپنے مذہبی معتقدات کے تحفظ کے لئے قانون کے اندر رہتے ہوئے کیا ہمیں یقین دلایا کہ ہم انشاء اللہ بہت جلد عروس آزادی سے ہم کنار ہوں گے۔

حکومت انگریزی پر یہ بات واضح کی گئی۔ کہ نماز عید کے ساتھ خطبہ پڑھنا ایک مذہبی فریضہ ہے جس میں دخل اندازی اور اس پر پابندی عائد کرنا نہایت ہی شرمناک فعل ہے۔ اگر خطبہ میں کوئی ایسی بات بیان کی جاتی۔ جو حکومت کے خلاف ہوتی تو خطیب پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جاسکتا تھا۔ مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ایسے علاقہ میں جہاں بات بات پر زبان کٹتی ہو ۔کسی خطیب کو یہ جرأت ہو کیونکر سکتی ہے۔ کہ وہ حکومت کے خلاف اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نکالے ۔پس اس بات کا تو احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ خطیب نے حکومت کے خلاف کوئی (برافروختہ کرنے والی) ناروا بات کہی ہوگی ۔ایسی صورت میں آریہ ڈپٹی انسپکٹر کا خطبہ روک دینا خواہ مخواہ مسلمانوں کی دلآزاری اور اپنی قوت کا بے جا مظاہرہ ہے۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ریاست کے اعلیٰ حکام اس فعل کو قطعاً پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ انہیں اول تو خود نوٹس لینا چاہیے ۔ورنہ مسلمانوں کو اجازت دے دینی چاہیے کہ مروجہ قانون کے ماتحت انصاف حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ہندو پریس کے ایک حصہ نے اپنی طرف سے یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ یہ واقعہ معمولی نوعیت کا تھا جسے مسلمان بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک کثیر الاشاعت اخبار نے لکھا کہ بات تو صرف اتنی ہوئی تھی کہ ’’سب انسپکٹر نے ایک معزز شخص سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ یہ لیکچر ہے یا عید کے متعلق وعظ ۔اتنی سی بات پر مسلمان مشتعل ہو گئے اور غیر مناسب الفاظ سے سب انسپکٹر کی تواضع کی اس کے بعد سب انسپکٹر چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔[1] (پرتاب ۱۳ مئی ۱۹۳۱ء)

لیکن اُس صاحب دل بزرگ نے اس من گھڑت واقع کی نہایت ہی پرزور تردید شائع کی اور ایسے مُبرہن انداز میں کی کہ جس سے ان ہندوؤں کا سارا پراپیگنڈہ کا پول کھل کر رہ گیا۔اور ریاستی حکام بھی پریشان ہونے شروع ہوئے۔چنانچہ اندرونِ ریاست اور بیرونِ ریاست اس احتجاج کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ آریہ پولیس افسر کو انسپکٹر جنرل پولیس کے حکم سے معطل کر کے محکمانہ تحقیقات کا حکم دے دیا گیا۔

توہین کلام پاک کے واقعہ نے مہاراجہ کے احساس کو بھی ٹھوکا دیا۔چنانچہ وہ بھی فوری اقدام کے لئے مجبور ہوا۔سری نگر سے وزیر متعلقہ مسٹر ویکفیلڈ تحقیقات کی غرض سے جموں آئے جملہ انجمن ہائے اسلامی کے پریذیڈنٹ وسیکرٹری صاحبان کو ملاقات کے لئے بلایا۔اور اپنی تکالیف بیان کرنے کے لئے کہا گیا۔مسلمانوں نے زبانی اپنے مطالبات پیش کئے۔جس پر وزیر موصوف نے کہا کہ میں مذہبی معاملات کا تو اِسی جگہ فیصلہ کرتا ہوں۔مگر ملکی معاملات کے لئے آپ میرے ساتھ کشمیر چلیں۔میں مہاراج بہادر کے سامنے آپ کے ساتھ ہی آپ کے مطالبات بھی پیش کروں گا۔

سماعت اور انداز سماعت

دوسرے روز قرآن مجید کی توہین کا معاملہ پیش ہوا۔مسٹر ویکفیلڈ نے مسلمانوں کی طرف سے دو نمائندے (ایم یعقوب علی صاحب مرحوم اور سید الطاف علی شاہ صاحب) کو اپنے ساتھ رکھا۔دو دن کی تحقیق کے بعد یہ تینوں صاحبان جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ تھا

مسٹر ویکفیلڈ (نمائندہ حکومت کشمیر)

''......قرآن کریم کی توہین میں تسلیم کرتا ہوں۔لیکن میرے خیال میں یہ اتفاقی امر تھا۔میں صدقِ دل سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں......''

ایم یعقوب علی (مسلم نمائندہ)

''......میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اپنے ایمان سے یہ کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی توہین ہوئی ہے ۔اور ملزم نے عمداً ایسا کیا ہے اور غصہ میں آ کر ایسا کہا ہے......''

سید الطاف علی شاہ (مسلم نمائندہ)

''......میرے خیال میں قرآن کریم کی توہین ہوئی ہے لیکن یہ ثابت نہیں کہ قرآن کریم ہاتھ سے چھین کر زمین پر دے مارا گیا ہے۔قرآن بستر میں تھا۔اُسے زمین پر پھینک دیا۔اس طرح توہین ضرور ہوئی ہے......''

مقدمہ کا فیصلہ

مگر حکام ریاست نے اس کیس کا عجیب وغریب فیصلہ یہ کیا کہ ہندو ہیڈ کنسٹیبل کو (جس کی ملازمت تیس سال ہو چکی تھی) پنشن دے کر گھر بھیج دیا اور مسلمان کنسٹیبل کو ملازمت سے علیٰحدہ کر دیا۔

اب کشمیر اور جموں دونوں حصوں میں احتجاجی جلسے ہونے شروع ہو چکے تھے۔پنجاب کے پریس اور پلیٹ فارم پر بھی (کشمیری مسلمانوں پر) مظالم کا چرچا ہو رہا تھا۔سری نگر کی ریڈنگ روم پارٹی نے سرینگر کے دونوں مذہبی راہنماؤں یعنی میر واعظ احمد اللہ ہمدانیؒ اور میر واعظ محمد یوسفؒ کا تعاون حاصل کر لیا تھا۔جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ میں باقاعدہ اجلاس منعقد ہو رہے تھے۔

مہاراجہ کے رُوبرو مطالبات

جموں کے مسلمانوں نے مسٹر ویکفیلڈ کے کہنے پر مہاراجہ کے سامنے مطالبات پیش

کرنے کے لئے اپنے چار نمائندے چُنے۔

1-چودھری غلام عباس　　2-ایم یعقوب علی

3-سردار گوہر رحمٰن اور　　4-شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ

سری نگر کے مسلمانوں کا اجتماع ۲۱رجون ۱۹۳۱ءکوہوا۔جس میں سات نمائندے منتخب کیے گئے۔

1-شیخ محمد عبداللہ　　2-میر واعظ احمداللہ ہمدانی

3-میر واعظ یوسف شاہ　　4-خواجہ سعدالدین شال

5-خواجہ غلام احمد عشائی　　6-منشی شہاب الدین اور

7-آغا سید حسین شاہ جلالی

امروہہ ضلع مراد آباد کے ایک مسلمان (جن کا نام مسٹر عبدالقدیر تھا) چند ایک انگریزوں کے ساتھ بطور گائیڈ آئے ہوئے تھے۔وہ بھی اس جلسہ میں شریک ہوئے اور انہوں نے بھی تقریر کی اور مسلمانوں کو بے غیرتی کی اس زندگی کو چھوڑ دینے کی تلقین کی۔ریاستی حکام نے ان کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔

پنجاب اور یُو۔پی کے مسلم اخبارات خصوصاً ''انقلاب''، ''الفضل''، ''سیاست''،''الامان''،''سن رائیز''،''ایسٹرن ٹائمز''،''مسلم آؤٹ لک'' اور''لائٹ'' نے بڑے زوردار مضامین لکھے۔اس کے مقابلہ پر ہندو اخبارات نے خواہ مخواہ ہندو مسلم سوال بنا کر اور مضامین لکھ کر ریاست کو سختی کرنے کی تلقین کی۔

اخبار''پرتاپ'' نے یہ اعلان کیا

''......معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ جموں کے فرقہ پرست مسلمانوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جانے والی ہے۔مقامی حکام نے مہاراجہ صاحب کی خدمت میں رپورٹ

ارسال کی ہے کہ اگر ان شرارتی مسلمانوں کے خلاف فوری کاروائی نہ کی گئی تو نتیجہ خراب ہوگا ۔اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کشمیر پنجاب کے چند شرارتی اخبارات کے خلاف بھی کاروائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ۔کاغذات تیار ہورہے ہیں ......''۔1(پرتاب ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

(دراصل یہ ریاست کو مشورہ تھا کہ وہ ایسا کرے)

ریاستی حکومت کے ان پیدا کردہ حالات کی وجہ سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کسی وقت بھی جنگ کا باقاعدہ بگل بج جائے گا اور حصولِ آزادی کے لئے مستقل جنگ شروع ہو جائے گی ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مستقل جنگ کا بگل

۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو مسٹر عبدالقدیر کا مقدمہ سرینگر جیل میں پیش ہونا تھا کاروائی سننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان جمع ہوگئے ریاستی پولیس نے گولی چلادی ۔اکیس مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے ۔مسلمانانِ سرینگر نے اس واقعہ کی اطلاع ریاست سے باہر اپنے ہمدردوں کو دینا چاہی مگر سنسر اس قدر سخت تھا کہ کامیابی نہ ہوئی ۔اس پر انہوں نے اپنا ایک نمائندہ فوراً سیالکوٹ بھجوایا۔ وہاں سے اس نے کشمیری مسلمانوں کے اس ہمدرد ومحترم بزرگ کو تار کے ذریعہ سارے حالات کی اطلاع کردی۔

بزرگ محترم نے اسی وقت وائسرائے ہند کو تار دیا کہ:۔

''مہاراجہ نے تازہ اعلان کے بعد جس میں انہوں نے اپنی مسلم رعایا کو کئی طرح دھمکیاں دی ہیں ۔اس واقعہ کا ظہور پذیر ہونا صاف بتلاتا ہے کہ یہ سب کچھ عمداً کیا گیا ہے''۔

اس تار میں اس محترم بزرگ نے تمام حق تلفیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا۔ جو

مسلمانانِ کشمیر کے ساتھ روا رکھی جا رہی تھیں۔

آپ نے اس تار میں وائسرائے ہند کو یہ بھی لکھا کہ:۔

''......دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کی طرح پنجاب کے مسلمان بھی کشمیری مسلمانوں پر ان مظالم کو کسی صورت میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔اگر حکومت ہند نے اس پر بھی مداخلت نہ کی تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں مسلمان انتہائی ظلم وستم کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار نہ کر دیں......''

اس تار کا مضمون اخبارات کو بھی بھجوایا گیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم اخبارات نے اس کی تائید میں کثرت سے مقالات لکھے۔ساتھ ساتھ جلسوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ریزولیشن پاس ہوئے۔جن کی نقول تمام اخبارات میں شائع ہونے کے علاوہ افسران کو بھیجی جانے لگیں۔ایک متعصب خبر رساں ایجنسی نے جو غلط واقعات اخبارات کو بھجوائے تھے اس کی تردید کے ساتھ ساتھ مسلم پریس نے صحیح حالات بھی پبلک کے سامنے پیش کیے۔اب کوئی اخبار نہ شائع ہوتا تھا۔جس میں کشمیر کے واقعات کا تذکرہ نہ ہو۔

۱۶رجولائی کو پھر گولی چلا دی گئی اس میں بھی ایک مسلمان شہید ہوا۔

اس واقعہ سے متاثر ہو کر حافظ سلیم نے فی البدیہ کچھ شعر کہے جن میں یہ بھی تھا

کرو گے بند خطبہ اور روکو گے اذاں کب تک
نہتوں پر چلیں گی ظالمو یہ گولیاں کب تک
نہیں چلنے کی دریا میں کبھی یہ ناؤ کاغذ کی
رہو گے ڈوگرو ! کشمیر میں تم حکمراں کب تک

ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں اس وقت کس قدر جوش تھا۔اس کا پتہ مولانا محمد یعقوب طاہر کی اُس نظم سے چل سکتا ہے جو دنوں بہت مقبول ہوئی تھی اور کشمیر کے متعلق

جلسوں میں خوب پڑھی جاتی تھی۔فرماتے ہیں:۔

الحذر اے مسلم صیدِ حوادث الحذر
دیکھ برق ''اُقتلوا'' چمکی خدا را کر نظر
دامن کشمیر پر دھبے پڑے ہیں خون کے
اور تو سویا پڑا ہے اُف تیری غیرت کدھر
تیری قوت سے تو مر حب بھی ہوا تھا سرنگوں
ترے بازو سے تو تھا ٹکڑے ہوا خیبر کا دَر
تیری ہیبت سے تھے لرزاں مالکان تخت وتاج
تیرے دم سے قیصروکسریٰ ہوئے زیر وزَبر
آج کیوں تیرے رگوں کے خون میں حدت نہیں
صولتِ فاروق اعظم کس لیے ہے مُستتر
دشمنان بدگہر کی شانِ نمرودی تو دیکھ
گولیوں سے چھید ڈالے سینہ وقلب وجگر
ظالمانِ ہند نے توڑے ستم وہ اَلاماں
گرگ بھی دانتوں تلے انگلی دبائیں دیکھ کر
رقصِ بِسمل منظرِ خُونیں تماشا کردیا
ظالموں کے ظلم نے دل پارا پارا کردیا
اے اسیر حلقہِ زنجیر غم صیدِ ملال
تُونے گر جینا ہے دِکھلا اپنی قوت کے کمال

توڑ دے زنداں کا دراور سانس حریت کا لے
کاٹ دے تیغ محبت سے عداوت کا نہال
ساحروں کی شکل میں گرسامنے آئیں عنید
موسوی سونٹا چلا ٹکڑے ہو تا دامِ جہال
پرچم خاقانی و فغفور کر پیوندِ خاک!
پھر بٹھا عالم پر اپنی چار سُو مردانہ دھاک

مزید تعلیم کے پیشِ نظر

مسلمانانِ کشمیر کی انفرادی امداد تو ہو ہی رہی تھی۔ بعض اخبارات اس میں بہت سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ لیکن ان تمام کوششوں کو یکجا اور منظّم کرنے کی ضرورت تھی۔ بزرگ محترم نے پے در پے مضامین لکھے۔ ان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور مختلف مقامات پر ''یوم کشمیر'' منانے کی تحریک ہوئی۔

پشاور والوں نے ۱۰؍جولائی تاریخ مقرر کی۔ کانپور والوں نے ۲۸؍جولائی اور لاہور والوں نے ۲۴؍جولائی اس غرض کے لئے مقرر کردی۔ اس پر اس بزرگ نے ایک زوردار اپیل شائع کی۔ جس میں یہ واضح کیا کہ اس قسم کے اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسی کوئی تحریک بھی کامیاب نہ ہوسکے گی۔ اور مظاہروں سے جو حقیقی فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ محرکین اس سے محروم رہ جائیں گے۔ اور آپس میں شقاق بھی پیدا ہوگا۔

پھر اس دقت کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ وہ تمام اشخاص جو یا تو نسلاً کشمیری ہیں یا مسئلہ کشمیر سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

وہ یہ کام کرنے کے لئے ایک نظام تجویز کریں کیونکہ کوئی لوکل کمیٹی خواہ کتنے ہی با اثر آدمیوں پر مشتمل کیوں نہ ہو اس کام کو نہیں کر سکتی جب تک مسلمانوں کی ایک ''آل انڈیا کانفرنس'' اس مسئلہ پر غور کر کے ایک متفقہ پروگرام تجویز نہ کرے گی۔ لہٰذا اس غرض کو پورا کرنے کے لیے...... ہندوستان بھر کے چوٹی کے لیڈروں کی ایک کانفرنس کسی ایسے مقام پر (جہاں جموں اور کشمیر کے مسلمان بھی آسکیں) منعقد ہونی چاہیے۔

جن میں ان تمام مشکلات پر غور کر کے (جو ہمارے راستے میں حائل ہوں) ایسا پروگرام تیار کیا جائے جس پر عمل کر کے (کوئی نئی پیچیدگی پیدا ہوئے بغیر) مسلمانانِ کشمیر کی آزادی کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔

اس اپیل کے آخر میں آپ نے لکھا:۔

''...... میں اُمید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، شیخ دین محمد صاحب، سید محسن شاہ صاحب او راسی طرح دوسرے سر برآور وہ ابنائے کشمیر جو اپنے وطن کی محبت میں کسی دوسرے سے کم نہیں اس موقع کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے موجودہ طوائف الملو کی کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب طاقت ضائع ہو جائے گی۔ اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا......''[1] (''مسلمانان جموں و کشمیر کی حالت اور مسلمانوں کا فرض'' مطبوعہ جولائی ۱۹۳۱ء)

اس اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ شملہ کے مقام پر ۲۵ر جولائی ۱۹۳۱ء کو ایک کانفرس بلائی جائے۔

کشمیر اور صوبہ سرحد کے نمائندگان کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی جائے وہاں سب لیڈر سر جوڑ کر بیٹھیں اور یہ طے کریں...... کہ آئندہ کیا لائحہ عمل ہو۔

دشمنان حق نے کرلی سلب آزادی تری
اپنی نادانی بھی دیکھ اور ان کی عیاری بھی دیکھ
فتنہ ساماں بن رہا ہے تو جنوبی ہند میں
اپنے اختر کی یہاں آکر سیہ کاری بھی دیکھ
(مرتاضؔ)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی

صد شکر کہ وہ دردمند بزرگ جو بیس سال سے مسلسل کشمیریوں کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے کوشاں تھا۔اب اس کی مساعی جمیلہ کا ریاست کے اندر اور بیرونی ریاست جگہ جگہ چرچا ہونے لگا تھا۔اسی تحریک پر جمع ہوکر زعماء ہند نے شملہ کے مقام پر ایک کانفرنس میں آئندہ طریق کار کے متعلق فیصلے کرنا تھے اس کانفرنس میں شمولیت کے جموں کشمیر اور صوبہ سرحد کے نمائندے کانفرنس سے پہلے ہی اس بزرگ کے پاس پہنچ گئے ۔تا کہ انہیں تازہ ترین صورتِ حالات سے باخبر کرسکیں۔

چنانچہ وہ ان نمائندگان وخدام سمیت شملہ روانہ ہوگئے ۔(راقم الحروف بھی اس خوش بخت قافلہ میں شامل تھا)۔یہ قافلہ ۲۴ رجولائی ۱۹۳۱ءکو حکومت ہند کے گرمائی دارالحکومت میں وارد ہوا۔اورنواب سر ذوالفقار علی خاں آف مالیر کوٹلہ کی استدعا پر اُن کی کوٹھی موسُومہ بہ ’’فیئر

ویو‘‘(FAIR VIEW) میں فروکش ہوا۔ بیشتر زعماء شملہ پہنچ چکے تھے۔انہیں پہلی فرصت میں کانفرنس کے وقت اور جائے انعقاد سے مطلع کیا گیا۔اور 25-جولائی 1931ء کونماز ظہر کے بعد (فیئر ویو) ہی میں اجلاس شروع ہوا۔جس میں امام جماعت احمدیہ (جن کا ذکر اس سے قبل صرف اس لیے کشمیری مسلمانوں کے ایک مونس وغم گسار بزرگ کے طور پر ہی کرتا رہا ہوں کہ اُس وقت تک آپ کی تمام مساعی انفرادی اور ذاتی حیثیت سے تھیں اور ویسے بھی آپ کی حتی المقدور یہی کوشش رہی کہ کسی قسم کے نام ونمود سے کاملاً بے پرواہ اور بے نیاز ہو کر مظلومین کی امداد کی جائے)۔ڈاکٹر سر محمد اقبال۔نواب سر ذوالفقار علی خاں۔خواجہ حسن نظامی۔نواب کُنج پورہ۔سید محسن شاہ۔خان بہادر شیخ رحیم بخش۔مولانا اسماعیل غزنوی۔مولانا عبد الرحیم دردؔ۔مولانا نورالحق (مالک انگریزی روزنامہ آؤٹ لُک) سید حبیب شاہ (مالک روزنامہ سیاست)اور نمائندگانِ ریاست وسرحد شامل ہوئے۔مولوی عبدالرحیم ایم اے۔ایل ایل بی نے صوبہ کشمیر کی اور جناب اللہ رکھا ساغر نے صوبہ جموں کی اور صاحبزادہ سر عبدالقیوم کے بھائی صاحبزادہ عبداللطیف نے صوبہ سرحد کی نمائندگی کی ۔(راقم الحروف نے اس کانفرنس کی روئیداد کی اخبارات میں رپورٹنگ کا فریضہ ادا کیا)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی

ریاست کے تازہ حالات بیان کرنے کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ تمام امور پر بحث کی گئی اور فیصلہ ہوا کہ ایک ’’**آل انڈیا کشمیر کمیٹی**‘‘ بنائی جائے۔جو اس سارے کام کو اپنے ذمہ لیکر پایہ تکمیل تک پہنچائے ۔اور اس وقت یہ مہم جاری رہے جب تک ریاست کے باشندوں کو اُن کے جائز حقوق نہ حاصل ہو جائیں تمام شرکاء مجلس نے جو ریاست کے ساتھ تعلق نہ رکھتے تھے۔یہ اقرار کیا کہ وہ بھی اس کمیٹی میں شمولیت اختیار کریں گے۔ بلکہ وہ اُسی

وقت ممبر بھی بن گئے ......اب مرحلہ اس کمیٹی کے دارالمہام کے انتخاب کا تھا...... مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ امام جماعت احمدیہ کے دائیں ہاتھ ایک ہی صوفہ پر ڈاکٹر سر محمد اقبال بیٹھے تھے ۔اور دائیں طرف دوسرے صوفہ پر نواب سر ذوالفقار علی تھے ۔اور امام جماعت احمدیہ کے بائیں طرف پہلے خواجہ حسن نظامی اور اُن کے بعد نواب صاحب آف کُنجپورہ تھے ۔اور پھر بقیہ معززین جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ اس کمیٹی کے صدر امام جماعت احمدیہ ہوں ۔ان کے وسائل ۔مخلص اور کام کرنے والے کارکن، یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اُن سے بہتر ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں......خواجہ حسن نظامی صاحب نے فوراً اس کی تائید کی اور سب طرف سے ''درست ہے، درست ہے'' کی آوازیں آئیں ۔اس پر امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ:۔

''...... مجھے اس تجویز سے ہرگز اتفاق نہیں ۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری جماعت ہر رنگ میں کمیٹی کے ساتھ تعاون کرے گی ۔لیکن مجھے صدر منتخب نہ کیا جائے ......''

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے امام جماعت کو مخاطب کر کے پنجابی میں فرمایا:۔

''......حضرت صاحب جب تک آپ اس کام کو اپنے ہاتھ میں صدر کی حیثیت سے نہ لیں گے ۔یہ کام نہیں ہوگا......''

ان کے بعد خواجہ حسن نظامی صاحب اور دوسرے اراکین نے بھی بڑے زور سے تائید کی ۔اور جب چاروں طرف سے زور پڑا تو کرہاً نہ کہ طوعاً امام جماعت احمدیہ نے اس عہدہ کو قبول کیا ۔اور سب حاضرین کی رضامندی سے مولانا عبدالرحیم درد ایم ۔اے (مرحوم) کو کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

اس کانفرنس میں بعض بڑے ہی اہم فیصلے کئے گئے ۔جن میں سے ایک

...... ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمانانِ کشمیر کی حالتِ زار سے آگاہ کرنے کے لئے ۱۴؍اگست کو سارے ہندوستان میں ''یوم کشمیر''[1] (یہ کس قدر حسین تاریخی توارد ہے کہ ٹھیک اسی تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے قیامِ پاکستان کے لئے منتخب کیا یعنی ۱۴؍اگست کو پاکستان کی عظیم اسلامی مملکت کے خطوط عالمی سطح پر اُبھرے۔ ظ۔ا) منانے کا بھی تھا جن میں حکومت ہند کو ان مظلوموں کی مظلومیت سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ مصیبت زدگان کے لئے فراہمی چندہ کی اپیل کرنا بھی طے پایا تھا۔

یہ بھی فیصلہ ہوا کہ وائسرائے ہند اور پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کو اصل حالات سے آگاہ کر کے آزادانہ تحقیقات کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔ خود مہاراجہ سے مل کر بھی اُن کو صورتِ حالات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ بسا ممکن ہے۔ وزراء ہی اُن تک غلط واقعات پہنچا رہے ہوں ...... پارلیمنٹ میں کشمیر کا سوال اٹھانے کے متعلق بھی فیصلہ کیا گیا ...... دوسرا پروگرام جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے لئے تجویز ہوا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ گورنمنٹ برطانیہ پر زور دیا جائے کہ وہ کشمیر کے باشندوں کو وہ بنیادی انسانی حقوق دلائے جن سے وہ اس وقت تک محروم ہیں۔ ریاست بھر میں اس وقت تک مسلمانوں کا کوئی پریس نہیں۔ نہ اس کی اجازت ہے۔ اور کوئی ایسی صورت نہیں کہ جس سے آئینی لائنوں پر رعایا حکومت تک اپنے خیالات پہنچا سکے۔ اسی طرح مذہبی آزادی (جو کہ تہذیب کا پہلا رکن ہے) سے بھی اہل کشمیر محروم ہیں۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی ہے۔ اور اسے بیوی بچوں سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ اُسے زمین کے مالکانہ حقوق سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ زمین داروں کو خود اپنی زمین پر مالکانہ حقوق نہیں دیے جاتے اور ریاست اپنے آپ کو سارے کشمیر کی زمین کا مالک سمجھتی ہے۔ اسی طرح باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے مسلمانوں کو ملازمت

میں نہایت ہی قلیل حصہ دیا جاتا ہے۔ جو تین فی صد بھی نہیں بنتا۔ حالانکہ مسلمانوں کی آبادی جموں وکشمیر میں ستر فی صد سے زائد ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد حق تلفیاں ہیں۔ مسلمانانِ کشمیر جن کے مورد ہیں۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت کا اعزاز پیش ہونے کے بعد وہ بزرگ جو کل تک پس پردہ دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے مظلومین کشمیر کے لئے کوشاں تھے۔ اب ظاہر ہو کر میدانِ عمل میں اُتر پڑے...... زعماء ہند کے اس فیصلہ کو نہ صرف کشمیر کے ہر حصہ میں خوشی و مسرت کے ساتھ سُنا گیا۔ ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانوں نے بھی سراہا اور دلی تعاون کی پیش کش کی۔

ہندو پریس کا رویہ

ہر چند یہ ہندو مسلم سوال نہ تھا۔ مسلمان ریاستی حکومت سے صرف اپنے حقوق ہی مانگ رہے تھے۔ لیکن چونکہ ریاست کا حاکم ہندو تھا۔ ہندو پریس نے کانگرس کے اصولوں کو بھی نظر انداز کر دیا اور...... اس ایجی ٹیشن کو براہِ راست ہندوؤں کے خلاف مہم قرار دے کر مہاراجہ کی پُر زور حمایت شروع کر دی......!

مظلوم نہتے مسلمانوں کو باغی اور فسادی قرار دیتے ہوئے ایک اخبار نے ریاست کو مشورہ دیا کہ:۔

’’باغیوں کو ایسی عبرت ناک سزائیں دی جائیں جو دوسروں کے لئے تازیانہ عبرت ہوں......‘‘ (پرتاب ۱۷ر جولائی ۱۹۳۱ء)

دوسرے نے لکھا:۔

’’سخت ہاتھ کے ساتھ فسادات کو کچل کر رکھ دینے کی ضرورت ہے......‘‘ (پرتاب

۱۸؍ جولائی ۱۹۳۱ء)

ملک کی مشہور خبر رساں ایجنسی ''ایسوسی ایٹڈ پریس'' ہندوؤں کے زیر اثر تھی۔ اس لیے اُس کی طرف سے مسلمانوں کے لئے کلمۂ خیر کی امید نہ تھی۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو تو تمام بگڑے ہوئے کاج خود ہی سنورنے لگتے ہیں اور تمام ناساز گار حالات خود بخود ساز گار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

خان بہادر شیخ رحیم بخش ریٹائرڈ سیشن جج آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رکن بن چکے تھے۔ (شملہ میں ان دنوں وہ سیسل ہوٹل میں مقیم تھے) اُن کے کمرہ سے ملحقہ کمرہ میں مسٹر لیسیؔ ایک انگریز ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ انگلستان کے بعض مشہور اخبارات کے نامہ نگار اور دہلی کے مشہور انگریزی روزنامہ ''سٹیٹسمین'' کے شملہ میں خاص نمائندہ تھے۔ خان بہادر صاحب جب اجلاس سے فارغ ہو کر ہوٹل میں واپس آئے تو انہوں نے مسٹر لیسیؔ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔

مسٹر لیسیؔ نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کی خبر ''سٹیٹمین'' کے علاوہ ولایت کے اخبارات کو بھی بھجوائی۔ بلکہ ساتھ ہی خواہش ظاہر کی کہ ان کی ملاقات صدر آل کشمیر انڈیا کمیٹی سے کرادی جائے۔

خان بہادر صاحب نے فوراً ملاقات کا انتظام کر دیا۔ وہ اس ملاقات سے اس قدر متاثر ہوئے کی انہوں نے آخر میں کہا کہ:۔

''......آپ جو بھی خبر بھجوایا کریں گے میں اخبارات کو بھجوادیا کروں گا...... کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ دلی جذبہ کے ساتھ کشمیریوں کی امداد کر رہے ہیں......''

اس کے بعد روزانہ خبروں کا نوٹ تیار ہوتا۔ راقم الحروف اُسے لیکر سیسل ہوٹل پہنچ

جاتا۔خان بہادر صاحب مسٹر لیسّی کو چائے پر بُلاتے اور وہ نوٹ دے دیتے۔اسے پڑھنے کے بعد اگر اس کے متعلق کوئی چیز وضاحت طلب ہوتی تو صدر محترم سے ٹیلیفون پر بات کر لی جاتی۔الغرض اس طرح رفتہ رفتہ انگریزی پریس میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی سرگرمیوں کا خوب چرچا ہونے لگا جس سے متاثر ہو کر ایسوسی ایٹڈ پریس کو بھی اپنے رویہ میں تبدیلی کرنا پڑی۔

مسلم پریس کا تعاون

مسلم پریس میں کمیٹی کی مہم کے ساتھ تعاون میں روزانہ ''انقلاب'' پیش پیش تھا۔ریاست نے ارادہ کیا کہ ''انقلاب'' پر سرکاری عدالت میں مقدمہ چلا جائے اس کی اطلاع ملتے ہی محترم صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ''انقلاب'' کو یہ تار دیا۔

''...... مجھے یہ سُن کر بہت مسرت ہوئی کہ حکومتِ کشمیر ''انقلاب'' کے خلاف مقدمہ چلانا چاہتی ہے۔اگر ایسا ہوا تو ہمیں موقع ملے گا کہ ہم کشمیر کے مظالم کو انگریزی عدالت میں بے نقاب کر سکیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو اس سلسلہ میں میری ہر قسم کی تائید حاصل رہے گی......''

اور مولانا عبدالرحیم صاحب درؔد سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے حسب ذیل تار ''انقلاب'' کو بھجوا دیا:۔

''یہ خبر کہ حکومت کشمیر ''انقلاب'' کے خلاف مقدمہ دائر کرنے والی ہے۔محض دھمکی معلوم ہوتی ہے اگر اُس نے مقدمہ دائر کر دیا تو آپ یقین رکھئے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی ''انقلاب'' کی کماحقہٗ امداد حمایت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گی......''۔

ان تاروں کا اخبارات میں شائع ہونا تھا کہ ریاست کے حکام گھبرا گئے مہاراجہ کے بہی خواہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ اس ارادہ کو ترک کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ نماز بخشواتے

بخشواتے روزے گلے پڑ جائیں۔ چنانچہ ریاست نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

۳۱راگست ۱۹۳۱ء کو سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مہاراجہ کو یہ تار دیا کہ:۔

''براہِ مہربانی نواب سرذوالفقار علی خاں۔ نواب محمد ابراہیم خاں آف کنجپورہ ۔خواجہ حسن نظامی ۔خاں بہادر شیخ رحیم بخش اور مولانا اسماعیل غزنوی پر مشتمل ایک وفد کو اجازت دیں کہ وہ کشمیر کی موجودہ صورتحال کے سلسلہ میں اگلے مہینہ کی کسی تاریخ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو''۔

اس تار کا جواب وزیر اعظم کشمیر کی طرف سے تار کے ذریعہ ۱۵راگست کو یہ آیا کہ:۔

''صورتحال پر پوری طرح قابو پا لیا گیا ہے اور حالات اب اصل حالت میں ہیں۔ غیر جانب دارانہ تحقیق ہو رہی ہے۔ایسے موقع پر کسی وفد کے آنے سے لازماً از سرِ نو جوش پیدا ہو جائے گا۔اس لیے افسوس ہے کہ ہز ہائی نس آپ کی درخواست منظور نہیں کر سکتے۔''

وزیر اعظم کی طرف سے یہ تار موصول ہوا تو اسی وقت صدر محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے (جو ابھی تک شملہ میں مقیم تھے)۔ مہاراجہ کے نام تار دیا اور پہلے تاروں کا حوالہ دے کر لکھا کہ:۔

''میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اگرچہ کشمیر کے حالات بظاہر اصلاح پذیر نظر آتے ہیں ۔مگر ہماری معلومات کے لحاظ سے ایجی ٹیشن شدید ہے۔اور اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

علاوہ ازیں ہندوستان کے مسلمانوں میں کشمیر کے معاملات کے متعلق تشویش اور غم وغصہ ہے۔ان حالات میں آپ کی طرف سے اس

وفد کو ملاقات کا موقع دینے سے حالات میں سکون پیدا ہوگا......اس کے برعکس ایسے معزز افراد کو ملاقات کی اجازت دینے سے انکار پر مسلمانوں کے شکوک وشبہات میں اضافہ ہوگا۔''

اس تار کا جواب بھی وزیراعظم کی طرف سے بذریعہ تار ہی ملا۔جس میں صدر محترم کے تار کا حوالہ دے کر لکھا تھا:۔

''ہز ہائی نس کی گورنمنٹ کا اب تک یہی خیال ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ حالت بدستور سابق ہوچکی ہے اور معاملات روبہ اصلاح ہیں ۔کسی بیرونی وفد کی آمد سے یقیناً تازہ جوش اور شبہات پیدا ہوں گے۔خاص کر ایسی حالت میں جب کہ آپ خود آگاہ ہیں کہ ایجی ٹیشن کی جڑیں بہت گہری ہیں۔''

مہاراجہ کے لئے مصیبت

وفد کی تجویز کر کے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مہاراجہ کو ایک مصیبت میں ڈال دیا ۔اوراس کے گلے میں ایک چھپکلی اٹکا دی تھی جسے اب وہ نگل سکتا تھا نہ اُگل سکتا تھا۔وفد کے لئے جن زعماء کے نام تجویز کئے گئے تھے وہ مسلمانوں میں ہر دلعزیز ہونے کے علاوہ اس پایہ کے تھے کہ انہیں سیم وزر سے خریدا نہ جاسکتا تھا۔مہاراجہ نے اس وفد سے ملاقات سے انکار کر کے وہ خطرہ مول لیا جس کا خمیازہ اُسے بہت جلد بھگتنا پڑا۔ادھر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو اس انکار سے زبردست تقویت پہنچی جس کا مظاہرہ ۱۴/اگست کے ''کشمیر ڈے'' کے موقع پر ہوا۔

کمیٹی کے وفد کو کشمیر جانے کے لیے اس لیے روکا گیا تھا کہ جہاں کشمیری عوام بڑی جرأت کا مظاہرہ کررہے ہیں وہاں بعض ریاستی مسلمانوں کے حوصلے گولی چلنے اور تشدد اور

بربریت کے واقعات سے قدرے متذبذب ومتزلزل نظر آتے تھے۔اگر وفد چلا جاتا تو ان کے حوصلے یقیناً اور بلند ہو جاتے۔اسی سے مہاراجہ ڈرتا تھا۔لیکن وہ نمائندگان جو شملہ کانفرنس میں شمولیت کے بعد کشمیر پہنچے۔انہوں نے ان کو بتایا کہ

ہندوستان کے تمام مسلمان اور پریس آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔

اور وہ ہر مشکل مرحلہ پر ہماری امداد کے لئے پہنچیں گے۔اوراس وقت تک دم نہ لیں گے۔جب تک ہمیں بنیادی حقوق نہ دلوالیں۔ان نمائندوں کے پہنچنے پر کام میں تیزی اور نئی زندگی پیدا ہوگئی۔

کشمیر کمیٹی کے وفد کو تو اجازت نہ دی گئی۔مگر بعض گروہوں کے وفد کشمیر میں بلوائے گئے۔ان کو شاہی مہمانوں کی طرح رکھا گیا۔کیونکہ ریاست کو یقین تھا کہ وہ اس کے آلہ کار بنے رہیں گے۔اس کی تفصیل آگے آئے گی۔یہاں صرف ایک مثال ہی پیش کی جاتی ہے۔

روزنامہ انقلاب کے نامہ نگار خصوصی نے سری نگر سے اطلاع دی کہ:۔

''اختر علی ابن ظفر علی خان مالک زمیندار دو ہزار کا ایک چیک امپریئل بنک سری نگر سے بھنانے کے بعد لاہور روانہ ہوگیا۔اور ریاست کے حقوق میں پراپیگنڈہ کرنے کے لئے وعدہ کر گیا''۔[1]

([1]انقلاب لاہور اگست ۱۹۳۱ء)

یہ خبر تمام اخبارات میں اسی وقت شائع ہوگئی۔چنانچہ مرتاض فیروز پوری نے اس کے متعلق ایک نظم میں کہا:۔

دشمنان حق نے کرلی سلب آزادی تری
اپنی نادانی بھی دیکھ اوران کی عیاری بھی دیکھ

فتنہ ساماں بن رہا ہے تو جنوبی ہند میں

اپنے اختر کی یہاں آ کر سیہ کاری بھی دیکھ 1

(1واضح رہے کہ جولوگ اب اس دنیا سے گزر چکے ہیں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے لیکن تاریخ لکھنے والا اپنے فرض نصبی سے مجبور ہے کہ اصل واقعات کو صفحہ قرطاس پر من وعن لے آئے۔ظ۔ا)

اور جب اس نمک حلال اخبار نے ریاست کے حسبِ منشاء کام شروع کر دیا تو کشمیر کے کئی معزز اور صاحبِ اثر اصحاب نے ایک اپیل شائع کی جس کے آخر میں لکھا:۔

''ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصیبت کے وقت غدار اور قوم فروش اخبار''زمیندار'' یہ کونسی خدمت انجام دے رہا ہے کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے سارا اخبار قادیانیت کے جھگڑے میں سیاہ کر کے ہماری پریشانی کا باعث بن رہا ہے۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ مسٹر اختر علی خاں نے کشمیر میں آ کر اور سرکاری مہمان بن کر آریہ اخبارات کی کس طرح حمایت شروع کر رکھی ہے''۔1

(1انقلاب لاہور ۸ ستمبر ۱۹۳۱ء)

حقیقی نمائندگی

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کی خبر شائع ہوتے ہی اکابرین ہند اس کے رکن بننا شروع ہو گئے۔ چنانچہ دو چار دنوں کے اندر اندر ہی

1- مولانا یعقوب خاں ایڈیٹر''لائٹ''

2- مولانا حسرت موہانی کانپور

3- ڈاکٹر شفاعت احمد خاں۔ ایم۔ ایل۔ سی الہٰ آباد

4- حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون۔ ایم۔ ایل۔ اے کراچی

5- مسٹر ایم۔ ایچ۔ ایس۔ سہروردی ایم۔ ایل۔ اے کلکتہ

6- مولانا شفیع داؤدی ایم۔ ایل۔ اے پٹنہ

7- صاحبزادہ مولانا ابوظفر وجیہہ الدین کلکتہ

8- ڈاکٹر ضیاء الدین ایم۔ ایل۔ اے۔

9- میاں جعفر شاہ شاہ آباد پشاور بھی کمیٹی کے ممبر بن گئے اور اس کے بعد نہایت مختصر وقت میں ہندوستان کے ہر صوبہ۔ ہر طبقہ۔ اور ہر فرقہ کے اکابر نے کشمیر کمیٹی کی ممبری قبول کر کے اسے مسلمانانِ ہند کی حقیقی نمائندہ جماعت بنا دیا۔

مختلف صوبوں کی لیجسلیٹو کونسلوں اور مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان ممبروں کے علاوہ دیوبند کے مشہور فاضل مولانا سید میرک شاہ، اہل حدیث کے لیڈر مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا اسمٰعیل غزنوی سجادہ نشینوں میں سے خواجہ حسن نظامی اور مولانا ابوالحمید ظفر بنگالی سیاست دانوں میں سے مولانا حسرت موہانی۔ مولانا شفیع داؤدی اور ڈاکٹر شفاعت احمد۔ کانگرسیوں میں سے ملک برکت علی اور مشیر حسین قدوائی تعلیم جدید کے ماہرین میں سے ڈاکٹر ضیاء الدین۔ فلسفیوں اور شاعروں میں سے ڈاکٹر محمد اقبال۔ کشمیر کے دیرینہ خادموں میں سے سید محسن شاہ اور اخبار کے ایڈیٹروں میں سے مولانا غلام رسول مہر۔ مولانا عبدالحمید سالک۔ مولانا یعقوب خاں۔ مولانا مظہر الدین۔ مولانا سید حبیب شاہ اور مولانا نور الحق۔

غرض ہر طبقہ کے زعماء نے اس کمیٹی میں شامل ہو کر ثابت کر دیا کہ صرف اور صرف یہی ایک کمیٹی ہے جو تمام مسلمانانِ ہند کی نمائندہ ہے جس پر آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس۔ آل

انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس اور دیگر انجمنوں نے بھی تائید و تعاون کا اعلان کر دیا۔

’’......بمبئی میں مولانا شوکت علی کی صدارت میں جلسہ منعقد
ہوا۔ جلوس میں ایک ہزار باوردی والنٹیر وں نے شرکت کی
۔ بمبئی کے جلسہ عام میں اتنا بڑا ہجوم اس سے پہلے کبھی نہ
دیکھا گیا تھا......‘‘

کشمیر ڈے

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے باشندگان کشمیر کی بیش قیمت اور بے لوث خدمت کی......شہدا اور مجروحین کے لواحقین کے لیے فوری مالی امداد کا اہتمام کیا۔......زخمیوں اور بیماروں کے علاج کا انتظام کیا......مقدمات میں ماخوذ سینکڑوں لوگوں کے مقدمات کی پیروی کے لیے نہایت قابل وکلاء بھجوائے۔ جنہوں نے مہینوں وہاں رہ کر بلا معاوضہ ان کے مقدمات کی پیروی کی اور انہیں قید و بند اور موت کے منہ سے چھڑایا......کشمیر کے گوشہ گوشہ میں ان کی تنظیم قائم کی اور......وسیع مالی اعانت مہیا کر کے اہل کشمیر کو اپنی جد و جہد آزادی کو جاری رکھنے کے قابل بنایا۔

صدر کمیٹی نے (اپنے وسیع وسائل اور ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے) نہ صرف ریاست اور ہندوستان میں بلکہ انگلستان میں بھی ایسے رنگ میں پراپیگنڈہ کرایا جس سے جرائد ۔عمائد اور حکمران کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور کشمیریوں کی مظلومیت زبان زدِ عام

ہوگئی۔ پارلیمنٹ میں سوال ہونے شروع ہوگئے۔اگران سب باتوں کی تفصیل لکھی جائے۔تو کئی ضخیم جلدیں بن جائیں گے۔میں یہاں ''مشتے ازخروارے'' کے طور پراس کا صرف ہلکا سا خاکہ ہی پیش کیئے دیتا ہوں۔(1مجھے یقین ہے کہ اک نہ اک دن کوئی باہمت دردمند نوجوان ان تمام تفاصیل کومحفوظ کرنے کی توفیق بھی اپنے خدا سے ضرور پائے گا۔ظ۔ا)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کے بعد صدر کمیٹی نے چندروز شملہ میں قیام کیا۔مولانا عبدالرحیم دردؔ سیکرٹری کمیٹی نے پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کے ذمہ دار افسران اور پولیٹکل سیکرٹری سے ملاقات کی (جوان دنوں صوبہ جات کے گورنر کے برابر درجہ کا ہوتا تھا) محترم دردؔ صاحب کی ملاقات سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ صدرمحترم سے ملاقات کے لیے خود''فیرویؤ'' میں آیا ۔جہاں تفصیل سے تمام معاملات پر تبادلۂ خیالات ہوا۔اس کے بعد جناب صدر وائسرائے ہند سے ملے۔اس طویل ملاقات میں کشمیر سے متعلق تمام معاملات وائسرائے ہند کے سامنے رکھے گئے۔گورنر پنجاب سے ملنا بھی ضروری تھا۔کیونکہ ریاست کی بیشتر حدیں اسی صوبہ سے ملتی تھیں آپ نے گورنر پنجاب سے بھی ملاقات کی۔سر سکندر حیات خاں ان دنوں گورنمنٹ میں ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے۔انہوں نے آپ کواورآپ کے ساتھیوں کوکھانے پر مدعوکیا۔وہاں بھی کشمیریوں کے مطالبات کی وضاحت ہوئی اوریُوں حکام کے حلقہ میں باشندگانِ ریاست کا نقطہ نظر بڑے ہی احسن طریق پرپیش ہوگیااورحکومتِ ہند بھی پورے طور پراس مسئلہ میں دلچسپی لینے لگی۔

انگلستان میں بھی

وائسرائے اورحکومت ہند کی تاریں تو دراصل انگلستان ہی سے ہلتی تھیں۔ پارلیمنٹ کے ممبروں اور وہاں کے پریس کواپنا ہمدرد بنانا ضروری تھا۔ایسے کام خط وکتابت سے نہیں ہوا

کرتے۔کمیٹی کو ایک بااثر نمائندہ کی ضرورت تھی۔جو انگلستان میں رہ کر یہ کام کرتا صدر محترم کو یہ سہولت بھی میسر تھی کہ ان کے نمائندے ہر ملک میں موجود تھے خاں صاحب مولانا فرزند علی لندن میں امام تھے اور پارلیمنٹ کے حلقوں اور پریس میں احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ان کو ہر بڑی تقریب میں مدعو کیا جاتا تھا۔اس لیے ان کی واقفیت بھی وسیع ہو چکی تھی۔ انہیں شملہ سے ہی کشمیر کے متعلق پوری معلومات ارسال کر کے کام کے متعلق ہدایات دے دی گئیں۔چنانچہ انگلستان میں بھی پورے زور سے کشمیر کے متعلق کام شروع ہو گیا اور پارلیمنٹ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا نہ صرف ذکر آیا بلکہ سوالات تک پوچھے گئے اور پارلیمنٹ کے بعض ممبروں نے ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا۔

کشمیر ڈے

۱۴/اگست کو کشمیر ڈے منانے کا اعلان ہو چکا تھا۔حکومت ہند اور حکومتِ کشمیر بڑے غور سے اس اعلان کے ردِعمل کا انتظار کر رہی تھیں۔اُدھر صدر کمیٹی کی دوربین نگاہ بھی اس چیز کو بھانپ رہی تھی۔لہٰذا اس دن کو کامیاب بنانے کے لیے اخبارات میں متواتر نوٹ بھجوائے جارہے تھے اور کشمیریوں کے ہمدردوں کو خطوط کے ذریعہ تعاون کی تحریک کی جارہی تھی مجھے یاد ہے کہ ہم جتنے روز شملہ میں رہے رات کے دو بجے سے پہلے کبھی کام ختم نہ ہوتا تھا۔اس لیے کہ آج کا کام کل پر ڈالنے کا سبق ہمارے اُستاد نے ہمیں پڑھایا ہی نہ تھا۔

۱۴/اگست کو ''کشمیر ڈے'' پُورے اہتمام کے ساتھ منائے جانے کے متعلق صدرِ محترم کا ایک مفصل مضمون شملہ ہی سے تمام اخبارات کو بھجوا دیا گیا۔جسے اکثر اخبارات نے بہت نمایاں کر کے شائع کیا اس میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا کہ

’’......مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اُنکے تیس لاکھ بھائی بے زبان جانوروں کی طرح قسم قسم کے ظلموں کا تختۂ مشق بنائے جا رہے ہیں ۔جن زمینوں پر وہ ہزاروں سال سے قابض تھے ان کو ریاست کشمیر اپنی ملکیت قرار دے کر نا قابلِ برداشت مالیہ وصول کر رہی ہے ۔درخت کاٹنے ۔مکان بنانے ۔بغیر اجازت زمین فروخت کرنے کی اجازت بھی نہیں ۔اگر کوئی شخص کشمیر میں مسلمان ہو جائے ۔تو اُس کی جائداد ضبط کر لی جاتی ہے بلکہ اہل وعیال تک (اُس سے زبردستی چھین کر) الگ کر دیئے جاتے ہیں ۔ریاست جموں وکشمیر میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں ۔انجمن بنانے کی اجازت نہیں ۔اخبار نکالنے کی اجازت نہیں ۔غرض اپنی اصلاح اور ظلموں پر شکایت کرنے کے سامان بھی اُن سے چھین لیے گئے ۔وہاں کے مسلمانوں کی حالت اس شعر کی مصداق ہے۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

جب اس صورتِ حالات کے خلاف جموں کے مسلمانوں نے ادب واحترام سے (نہ کہ شرارت وشوخی سے) مہاراجہ صاحب کے پاس شکایت کی تو بذریعہ تار جموں کے مسلمانوں کے نمائندوں کو بلوایا گیا ۔کہ مہاراجہ صاحب کے پاس اپنی مفروضات پیش کریں ۔لیکن کئی دن تک ’’آج نہیں کل‘‘ کرتے ہوئے ان کی شکایات سننے کی بجائے انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا گیا ۔جن میں سے کئی اب تک جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں ۔کشمیر کے اُن مسلمانوں کے سینے جو صرف ایک ہمدرد کشمیر کے مقدمہ

کی کاروائی سننے کی خواہش کے مجرم تھے گولیوں سے چھلنی کر دیئے گئے ۔ان غریب قیدیوں اور بے کس مجروحوں اور خاموشی سے جان دینے والوں کا صرف یہ قصور تھا کہ وہ مسلمان کہلاتے تھے اور انہیں اب یہ احساس کیوں پیدا ہونے لگ گیا تھا کہ ہم بھی انسان ہیں ......پس آج ہر ایک مسلمان (جو ہندوستان کے کسی گوشے میں رہتا ہے اُس سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ ۱۴ راگست کو جلسہ کرائے یا جلسے میں شامل ہو۔اور اس صورتحال کے خلاف احتجاج کرے ۔کیونکہ جموں اور کشمیر کے تیس لاکھ مسلمانوں کی آواز جو غلامی کے شکنجے میں کسے ہوئے بری طرح کراہ رہے ہیں۔کسی خیر خواہ ملت کو آرام وچین سے سونے نہیں دے سکتی......''۔

(پمفلٹ ''کشمیر ڈے'' کا پروگرام''مطبوعہ اگست 31ء)

انعقاد کا پروگرام

پروگرام یہ طے پایا کہ ہر جگہ جلوس نکالا جائے اور وسیع پیمانہ پر مطالبہ کیا جائے اور اس میں ہر فرقہ کے لوگوں کو شامل ہونے کی دعوت دی جائے ۔ایک مختصر رسالہ مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ (سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی) نے تیار کر کے خاص اُس دن کے لئے شائع کیا ۔اس تاکید کے ساتھ اس کی کثرت سے اشاعت کی جائے اور جلسہ میں یہ واضح کیا جائے کہ

......ہم مہاراجہ کو تخت سے اُتروانا نہیں چاہتے ۔ہم صرف مسلمانوں کو ابتدائی انسانی حقوق دلانے کی کوشش کر رہے ہیں......

یہ ہندو مسلم سوال بھی نہیں ہے ۔ریزولیوشن پاس کیے جائیں جس میں توہین قرآن مجید۔خطبہ کے روکنے کی ناپاک کوشش اور بے گناہوں پر گولی چلانے کے واقعات پر نفرت کا اظہار کیا جائے ۔اور حکومت برطانیہ سے آزاد تحقیقاتی کمیٹی کے تقرر کا مطالبہ کیا جائے

۔مقدمات میں ماخوذ لوگوں کے مقدمات کی پیروی کے لئے باہر سے وکلاء کو پیروی کرنے کی اجازت دیئے جانے کا مطالبہ کیا جائے ...... نیز مذہبی آزادی ...... انجمنیں بنانے کی آزادی ...... اخبار نکالنے کی آزادی ...... زمین کے مالکانہ حقوق دیئے جانے ...... ملازمتوں میں ستر فیصد حصہ دیئے جانے ...... اور مجلس قانون ساز بنائے جانے کے متعلق بھی ریزولیوشن منظور کر کے مطالبہ کیا جائے ...... یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ جلسہ اور جلوسوں کی مفصل روئداد سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو بھجوانے کے علاوہ ریزولیوشنوں کی نقول اپنے صوبہ کے گورنر وائسرائے ہند اور پریس کو بھجوائی جائیں۔

شملہ سے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی ۸/اگست ۱۹۳۱ء کو لوٹے اور ۹/اگست کو قادیان (ضلع گورداسپور) میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا مرکزی دفتر کھل گیا۔اور اللہ تعالیٰ کا فضل کہ کشمیر ڈے کی تحریک ہم سب کی توقعات سے بڑھ کر کامیاب ہوئی۔

لاہور کا جلسہ کمیٹی کے ممبر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت میں ہوا۔جلوس اور جلسہ میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔

کلکتہ میں سر سہروردی کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ یہ بھی کمیٹی کے رکن تھے۔جلوس بھی نکالا گیا۔ پچاس ہزار مسلمان شامل ہوئے۔

بمبئی میں مولانا شوکت علی کی صدارت میں جلسہ ہوا۔جلوس کے انتظام کے لئے ایک ہزار باوردی والنٹیرز موجود تھے۔اتنا بڑا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

سیالکوٹ میں آغا حیدر پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی صدر لوکل کشمیر کمیٹی کی صدارت میں جلسہ ہوا۔جلوس میں ساٹھ ہزار سے زائد لوگ تھے۔

پٹنہ میں مولانا شفیع داؤدی ممبر کمیٹی کی صدارت میں جلسہ ہوا۔اور مولانا نے اطلاع دی کہ صوبہ بہار میں قریباً ہر جگہ جلسے ہوئے اور دوسرے صوبوں کی طرح یہاں بھی مسلمانوں

نے جوش کا مظاہرہ کیا۔

دیوبند میں مہتمم صاحب دارالعلوم کی صدارت میں جلسہ ہوا۔

رنگون میں بھی جلسے ہوئے۔

مالابار میں بھی جلسے ہوئے۔

پشاور اور صوبہ سرحد میں بھی جلسے ہوئے ......اسی طرح دہلی میں بھی شاندار احتجاجی جلسے منعقد ہوئے۔

ایک سرے سے دوسرے سرے تک

خلاصہ یہ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تحریک پر ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک) ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں نے کشمیر ڈے نہایت شاندار اور پُر جوش طریق سے منایا مسلمانوں کے خلاف حکومتِ کشمیر کی ناانصافیوں اور ستم رانیوں کے متعلق جس زور سے مظاہرے کئے گئے ۔اور مسلمانانِ کشمیر کو مصائب و آلام کے ہجوم میں جس مخلصانہ رنگ میں ہر طرح امداد کا یقین دلایا گیا۔

وہ حکومت کشمیر کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا

صدرِ محترم (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) نے باشندگانِ کشمیر کو بھی یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ بھی اس دن ''کشمیر ڈے'' منائیں ۔ ہر شخص اپنے بازو پر ماتمی سیاہ بیج باندھے ۔ ریاستی حکومت نے ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کیں اور کئی غلط افواہیں پھیلائیں اس کے باوجود کشمیر کے مسلمانوں نے ہر جگہ اس ہدایت کی تعمیل کی۔

سری نگر میں مکمل ہڑتال ہوئی ۔ جامعہ مسجد میں عظیم الشان جلسہ ہوا۔ ریزولیوشن پاس ہوئے ۔ایک ریزولیوشن میں متعصب وزیراعظم ہرکشن کول کی علیٰحدگی کا بھی مطالبہ کیا گیا

......اس دن ہر شخص بازو پر سیاہ پٹی باندھے نظر آتا تھا جموں میں بھی اسی طریق پر بلکہ پولیس کے تشدد کے باوجود ''کشمیر ڈے'' منایا گیا۔

۱۳ر جولائی کو جو لوگ گولیوں کا نشانہ بنائے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ ہمدردی کے اظہار کے لئے سری نگر میں جو جلسہ ہوا اُس کے فوراً بعد شیخ محمد عبداللہ اور خواجہ غلام نبی گلکار کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد مولوی عبدالرحیم ایم اے بھی پکڑے گئے۔ جموں کے نمائندگان کو خود ریاست نے بلوایا تھا لیکن اُن میں سے بھی چودھری غلام عباس اور ایم یعقوب علی جیل پہنچا دیئے گئے۔ مگر ان سب کو 14-اگست سے پہلے پہلے ریاستی حکومت رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

جلسہ سری نگر کے انعقاد سے پیشتر ہی صدر (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) کی طرف سے چودھری عظمت اللہ خاں بی۔ ایس۔ سی ایل ایل بی اور ڈاکٹروں کا ایک وفد جموں زخمیوں کو طبی امداد اور شہدا کے پس ماندگان کو مالی امداد مہیا کرنے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ جس پر جلسہ کے دوران دِلی اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

''......ہر ممکن احتیاط کے باوجود تین پتھر کشمیریوں کے اس
محسن کے بھی لگے جس نے اپنی ابتدائی عمر ہی سے ان
مظلوموں کی امداد شروع کر رکھی تھی......''

سیاسی منفعت پسند

شومیٔ تحریر کہ اب کشمیر کی کہانی ایک ایسے موڑ پر آ چکی ہے کہ اُس سے متعلق چند تلخ حقائق چھپائے نہیں بنتی ۔کانگرس کمیٹی میں کچھ مسلمان بھی شامل تھے اُن کے نچلے طبقے کا ایک حصہ کانگرس ہائی کمان سے ناراض ہوکر یا رد کئے جانے کے بعد پنجاب میں کسی نئے سیاسی میدان کی تلاش میں تھا۔انہوں نے اس زرخیز میدان میں کودنا مناسب سمجھا اور کشمیر ایجی ٹیشن کی قیادت اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کرلیا......حالانکہ اگر مقصد باشندگانِ کشمیر کی خدمت ہوتی ۔تو انہیں اس کمیٹی میں شامل ہونا چاہیے تھا۔جو تمام مسلمانانِ ہند کی صحیح نمائندہ جماعت تھی اور جس کا ثبوت تھا کہ اس کمیٹی کو آل مسلم پارٹیز کانفرنس نے اپنی شاخ قرار دیا تھا اور آل مسلم پارٹیز کانفرنس وہ جماعت تھی جس کے ممبر تمام صوبائی کونسلوں کے منتخب شدہ ممبر اور اسمبلی کے منتخب شدہ ممبر اور کونسل آف سٹیٹ کے منتخب شدہ ممبر بھی تھے اس کے علاوہ مسلم لیگ کے بیس، جمیعۃ العلماء کے بیس، خلافت کمیٹی کے بیس اور ہندوستان کے عام شہرت رکھنے والے تیس مسلم ممبر تھے۔اور پھر نہ صرف جمہور مسلمانانِ ہند بلکہ کشمیر کے مسلمانوں کو بھی اس پر کُلّی اعتماد تھا

لیکن اس کے باوجود اُس مشارُ الیہ طبقہ نے اپنی ایک علیٰحدہ پارٹی بنا کر قوم میں شقاق پیدا کرنے کی کوشش کیوں کی؟

یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کے ساتھ ہی اس کمیٹی کے صدر نے اس پارٹی کے دو لیڈروں کو بھی کمیٹی میں شمولیت کی دعوت (خطوط کے ذریعہ) دینے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے ایک قریبی دوست مولانا اسماعیل غزنوی کو مقرر کیا تھا کہ وہ انہیں کمیٹی میں شامل ہونے کی تحریک کریں۔لیکن اس وقت وہ نہ مانے تھے شاید اس لئے کہ اس وقت ابھی اس مسئلہ میں اتنی حرارت نہ پیدا ہوئی تھی اور ذاتی سیاسی منفعتوں کے پھلنے پھولنے کی گنجائشیں کم تھیں۔اب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی کے طفیل مظلومین کشمیر کی داستانِ درد ہر ذی شعور کی زبان پر تھی۔

علیحدہ پارٹی بنانے کے جواز میں صرف ایک ہی دلیل دی جاسکتی ہے کہ ان لوگوں کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر سے مذہبی امور میں اختلاف تھا۔لیکن سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے جواہر لعل نہؔرو۔مسٹر گاندھؔی۔سبھاشؔ چندر بوس اور پٹیل ایسے لوگوں کو اپنا سیاسی پیر مانا ہوا تھا۔

وہ ایک کلمہ گو کی قیادت میں کیوں کام نہ کر سکتے تھے......!

جس شخص کو کسی قسم کی نام و نمود کا خیال نہ ہو۔اور اس کی قطعی غرض خدمتِ قوم ہی ہو۔کیا اُس کے کام کرنے کے یہی انداز ہوتے ہیں؟.......

صدر محترم کشمیر کمیٹی نے اس موقع پر اس قدر فراخ حوصلگی کا مظاہرہ فرمایا کہ فوراً ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ۔مولوی محمد اسماعیل غزنوی اور مولانا غلام رسول مہؔر کو خطوط لکھے کہ اگر اس طبقہ کو میرے صدر ہونے پر اعتراض ہو۔تو آپ انہیں تیار کریں کہ وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رُکن

بن جائیں اور مسلمانوں کی کثرت رائے کے ماتحت چلنے کا اقرار کریں۔اگر وہ اس امر کے لئے تیار ہوجائیں ......تو میں فوراً صدارت سے مستعفی ہوجاؤں گا۔لیکن وہ اس کے لئے بھی آمادہ نہ ہوئے بہرحال یہ لوگ میدان میں کود پڑے۔اور آئندہ کے واقعات بتائیں گے کہ انہوں نے مسلمانوں کے مقصد و موقف کو فائدہ پہنچایا۔یا اُن کی یہ سیاسی شورہ پُشتی سراسر اس تحریک کے لئے نقصان کا باعث ثابت ہوئی۔

سیالکوٹ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس

۱۲۔۱۳؍دسمبر ۱۹۳۱ء کو سیالکوٹ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس تھا۔اس میں شمولیت کے لئے محترم صدر کمیٹی ۱۱؍تاریخ کو بعد دوپہر گاڑی کے ذریعہ روانہ ہوئے (راقم الحروف کو بھی اس سفر میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا اور اس نے سب حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے) بٹالہ۔ویرکا اور ڈیرہ بابا نانک کے اسٹیشنوں پر لوگ بڑی کثرت سے خوش آمدید کہنے کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ہر اسٹیشن ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج اُٹھا تھا۔پلیٹ فارم لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے اور اسٹیشن کے باہر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

کشمیر ڈے کے موقع پر یہ بات واضح کردی گئی تھی۔کہ کشمیر کا سوال ہندو مسلم سوال نہیں۔اس لئے ہندوؤں۔سکھوں اور مسلمانوں کو مل کر کوشش کرنی چاہیے کہ کشمیریوں کو ان کے جائز حقوق مل جائیں۔اس کا اثر ہندو اور سکھ شرفاء پر بہت اچھا ہوا۔جس کا مظاہرہ انہوں نے نارووال کے اسٹیشن پر صدرِ محترم کے شاندار استقبال میں سرگرمی سے حصہ لے کر کیا۔صدرِ محترم کے قیام کا بندوبست ڈاک بنگلہ میں کیا گیا تھا۔آپ اسٹیشن سے جلوس کی صورت میں پیدل وہاں تشریف لے گئے۔راستہ پر دونوں طرف لوگ موجود تھے اور خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔چھتوں پر عورتیں اور بچے بیٹھے نعرہ ہائے مسرت نچھاور کر رہے تھے۔

دوسرے روز ہم سب نارووال سے صبح کی گاڑی پر سوار ہو کر سیالکوٹ پہنچے۔ پسرور اور چونڈہ کے ریلوے سٹیشنوں پر بڑی کثرت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ چونڈہ میں تو ہزاروں کا مجمع تھا۔ جب گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو اہالیان سیالکوٹ نے اپنے معزز محترم مہمان کا اُن کی شان کے مطابق استقبال کیا۔ پلیٹ فارم پر اور اسٹیشن کے باہر لوگوں کے جم غفیر کو کنٹرول کرنے کے لیے باوردی والنٹیرز بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اراکین کشمیر کمیٹی اور معززین شہر اور معززین ضلع نے آگے بڑھ کر صدر محترم کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں ہر مذہب وملت کے معززین اور مسلمانوں کے ہر فرقہ کے لوگ خوشی سے شریک ہوئے۔ پھر آپ موٹر پر سوار ہو کر جلوس کی صورت میں مع اپنے ہمراہیوں کے جناب آغا حیدر رئیس سیالکوٹ کے مکان پر (جہاں آپ کی اور آپ کے چند ساتھیوں کی رہائش کا انتظام تھا) پہنچے۔

صدرِ محترم کے تین لیکچر

بعد دوپہر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا پہلا اجلاس ہوا اور دوسرے روز دوبارہ اجلاس ہوا۔ اہم فیصلے ہوئے۔ درمیانی وقفوں میں آپ نے تین لیکچرز بھی دیئے۔ ایک مسجد کبوتراں والی میں جس میں ہزاروں کا مجمع تھا۔ اور آپ وہاں پیدل تشریف لے گئے تھے۔ ایک لیکچر عورتوں کے ایک اجتماع میں دیا اور ایک کھانے کی دعوت کے بعد میر عبدالسلام کے مکان پر معززینِ سیالکوٹ کی درخواست پر جو اس دعوت میں شریک تھے۔

سارے شہر میں صدرِ محترم کی آمد کا چرچا تھا۔ معززین اور اراکین کمیٹی نے آپ سے درخواست کی۔ کہ لوکل کشمیر کمیٹی نے جلسہ عام کا انتظام کیا ہے جس کے لئے قلعہ کا وسیع میدان تجویز کیا گیا ہے۔ پبلک کی خواہش ہے کہ آپ بھی تقریر فرمائیں آپ نے یہ دعوت قبول فرمائی

۔اوراس کا اعلان سارے شہر میں کر دیا گیا۔

اس پارٹی نے (جس کا ذکر اوپر آیا ہے) اس موقع کو غنیمت جانا۔ایک طرف ریاستی حکام کوخوش کرنے کے لئے جوصدرِ محترم کی آمد پر حالات کا جائزہ لینے کے لیے سیالکوٹ آئے ہوئے تھےاور دوسری طرف اپنا نام پیدا کرنے کے لیےاس قول کے مطابق کہ..... ؎

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

یہ فیصلہ کیا۔کہ اس جلسہ میں اپنے گرو کی نصیحت پر عمل کریں۔جس نے انہیں کا یہ سبق دیا تھا کہ

"......اپنی پگڑی پہلے ہی بغل میں دابے پھرتے ہیں اور دوسروں کی اُچھل جائے تو افسوس نہیں کرتے"۔(تاریخ احرار صفحہ 41)

ان معلمین اخلاق فاضلہ نے کرایہ پر چند "بھلے مانسوں" کی خدمات حاصل کیں ......اخراجات تو بہر حال ریاست کے کارندوں نے ادا کرنے ہی تھے......ان کو اس بات کی تربیت دی گئی۔کہ جب اسٹیج تیار ہو جائے فوراً سٹیج پر قبضہ کرلو اگر کوئی مزاحمت کرے تو ہاتھوں سے سیدھا کر دو۔اور جب فتحمند ہو جاؤ۔تو فوراً ہمیں اطلاع دو۔ہم پہنچ جائیں گے اور کشمیر کمیٹی کی بجائے "ہماری پارٹی" کا جلسہ ہوگا۔

لیکن...... جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے......ہوا یہ کہ جلسہ کا وقت نو بجے رات مقرر تھا ۔لیکن لوگ آٹھ بجے سے جوق در جوق جلسہ گاہ میں آنا شروع ہو گئے۔اور اسٹیج کے گرد بیٹھ گئے تھے۔دوسری طرف ہندو کانگرس کے نمک خوار لوگوں کے تیار کردہ سورمے اکل وشرب میں ایسے محو ہوئے کہ سٹیج پر قبضہ کا وقت نکل گیا۔اور یہ لوگ جلسہ گاہ میں اس وقت پہنچے۔جب اس جلسہ کا مقامی صدر صدارت سنبھال چکا تھا۔اور ایک حافظ صاحب تلاوت کلامِ پاک کر رہے تھے۔اُن کی بلا سے کہ خدا کا کلام پڑھا جا رہا ہے۔انہیں تو جلسہ خراب کرنے سے غرض تھی

چنانچہ ریاست کے ان نمک خواروں نے عین تلاوت کے دوران ہی میں ''ہاؤ ہو'' شروع کردی ...... یوں کہ......ان میں سے ایک بیٹھے ہوئے آدمیوں کے پاس جا کھڑا ہوتا۔ دوسرا اُس کے دھکا دیتا۔اور گرنے والا شور مچا دیتا پولیس موقع پر موجود تھی۔اُس نے ان شر پسندوں کو دھکیل کو مجمع سے پیچھے کر دیا۔

صدر محترم (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) ابھی جلسہ گاہ میں تشریف نہیں لائے تھے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہی جلسہ گاہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ کہ شہر کے چند شرفاء آئے اور عرض کی کہ کچھ فتنہ پرداز فساد پر آمادہ ہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ جلسہ گاہ میں تشریف نہ لے جائیں مبادا وہ بد باطن کوئی نقصان پہنچائیں ......لیکن آپ اس خطرہ کی ذرہ بھی پروا نہ کرتے ہوئے اسی وقت جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ اور آپ کے ہمراہی دو کاروں میں جائے رہائش سے روانہ ہوئے ابھی جلسہ گاہ سے ہم لوگ کچھ دور ہی تھے کہ چند مخلصین نے آ کر اطلاع دی کہ اب ان فسادیوں نے جلسہ گاہ پر پتھر برسانے شروع کر دیے ہیں۔ آپ پتھروں کی اس شدید بارش میں سٹیج پر پہنچے اور آتے ہی سارے مجمع کو ہدایت کی کہ

> ''......ہماری فتح اسی میں ہے کہ ہم ان شر پسند عناصر کی دہشت سے مرعوب نہ ہوں ۔اور نہ ہی مشتعل ہوں ۔تمام احباب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں ۔ بالکل نہ ہلیں۔اور جو شخص پتھروں سے زخمی ہو جائے۔اُسے مرہم پٹی کے لیے سٹیج کے پیچھے لے آئیں......''

پھر ڈاکٹروں اور ڈریسروں کو مخاطب کر کے تحریک کی ۔کہ وہ فوراً دوسری طرف جمع ہو جائیں اور اپنا کام شروع کر دیں ۔فرسٹ ایڈ کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ دوسری طرف لوکل کشمیر کمیٹی کے بعض معزز اراکین نے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر کو اطلاع دی۔اور وہ بھی اس ہنگامہ خیزی کے بچشم خود ملاحظہ کے لئے کار کے ذریعہ وہاں پہنچ گئے۔

صدرِ محترم کے سٹیج پر پہنچتے ہی اس ٹولی نے اپنی کمینگی اور شرارت کا انتہائی مظاہرہ کرنا اور بہت زور سے پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ میں اُس وقت آپ سے صرف تین فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ ہندوستان کے کرکٹ کے مشہور کھلاڑی سیّد عبدالسلام مرحوم آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جو پتھر آتا۔ کمال مستعدی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر نیچے پھینکتے جاتے۔

......ہر ممکن احتیاط کے باوجود تین پتھر کشمیریوں کے اس محسن کو بھی لگے۔ جس نے اپنی ابتدائی عمر ہی سے ان مظلوموں کی امداد شروع کر رکھی تھی......

یہ سلسلہ ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں ان ظالم اور سفاک فتنہ پرداز ہاتھوں سے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی زخمی ہوئے۔ مگر یہ نظارہ بھی دیکھنے کے لائق تھا۔ کہ جب پتھروں کو بارش پورے زور پر تھی۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے اُس وقت بھی نہیں ہلا۔ اور تمام لوگ صبر وسکون کے ساتھ پتھر کھاتے اور نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ پچیس تیس افراد شدید زخمی ہوئے۔ معمولی زخم تو سینکڑوں کو پہنچے۔ شدید زخمیوں کو موٹروں پر ہسپتال پہنچایا جا رہا تھا۔ کہ انہی لوگوں نے ایک موٹر پر پتھر برسا کر اُس کے شیشے بھی توڑ دیئے۔

نظم ونسق کو الٹی میٹم

اب ظلم کی حد ہو چکی تھی۔ انتہائی صبر وسکون کا نمونہ پیش کیا جا چکا تھا۔ ہزاروں کا مجمع نہایت جوش کی حالت میں تھا اور اگر ان کے محترم لیڈر کی طرف سے مسلسل اور متواتر صبر وسکون کے ساتھ (اپنی جگہ) پر بیٹھے رہنے کی ہدایت نہ ہوتی تو چند منٹوں میں ان کرائے کے شورہ پشتوں کو ایسا سبق دیتے کہ وہ آئندہ ایسی حرکات کے ارتکاب کی جرأت نہ کرتے

صدرِ محترم نے اپنے سیکرٹری مولانا عبدالرحیم دردؔ کو ڈپٹی کمشنر کے پاس بجھوایا یہ کہہ کر

کہ......اسے کہہ دیں کہ ''ہم ایک گھنٹے سے اس انتظار میں ہیں کہ آپ ان شرارتیوں کا انتظام کریں گے لیکن پولیس کوئی انتظام نہ کرسکی ۔اب اگر آئندہ پانچ منٹوں کے اندر اندر ان شر پسندوں کو مار بھگائیں تو بہتر ورنہ ہم خود ایسا انتظام کرنے پر مجبور ہوں گے ۔اور نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہوگی ......''اس پیغام کے پہنچتے ہی تمام مشینری تیزی سے حرکت میں آئی اس نے ان لوگوں کو منتشر ہونے کا حکم دیا۔ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر انہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو سختی کرنا پڑے گی۔ہم سمجھتے تھے کہ شاید یہ لوگ جو اس قدر جوش کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ فائرنگ یا لاٹھی چارج کے بغیر منتشر نہ ہوں گے لیکن ہماری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھا۔کہ جنگ کے بلند بانگ دعوٰی کرنے والے شجاعت وبسالت کے یہ مدعی ...... یہ حکم سنتے ہی دُم دبا کر ایسے بھاگے کہ مُڑ کر پیچھے دیکھنے کی جرأت بھی نہ ہوئی۔اور پانچ منٹ کیا دو تین منٹ کے بعد ہی کامل امن وسکون ہو گیا......

اس کے بعد میرزا بشیر الدین محمود احمد صدر آل انڈیا کشمیری کمیٹی نے ہزاروں لوگوں کے مجمع میں ایسی معرکۃ الآراء تقریر فرمائی ۔جس نے ہر دردمند دل کو متاثر کیا۔اور لوگ اس قدر لطف اندوز ہوئے کہ اپنی ساری تکلیف بھول گئے ...... یہ تقریر ایک گھنٹہ تک جاری رہی ۔جس میں فرد واحد بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا ...... یہ بلند پایہ تقریر اور شورہ پشتوں کے فساد کا پس منظر وپیش منظر اگلے دن کے اخبارات میں شائع ہوئے تو اہل درد کو اس بابرکت اجلاس میں شرکت سے محرومی کا بے حد قلق ہوا۔سب سے زیادہ محرومی اس بات کی تھی کہ وہ اس بااعتماد لیڈر کی تقریر سننے سے محروم رہے۔جو برستے پتھروں میں بھی آخر دم تک امن وتحمل کی تلقین کرتا رہا۔

آپ نے اس تقریر میں فرمایا:۔

''...... یہ پتھر جن لوگوں نے مارے ہیں ۔انہوں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ کشمیر کی طرف سے مارے ہیں ۔جس کے معنی یہ ہیں کہ...... ریاست نے علاقہ پر رعایا کو قبضہ دے دیا ہے

......سو اللہ کے فضل سے ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ مظلوم جو سینکڑوں سال سے ظلم وستم کا شکار ہو رہے ہیں۔ان کی آہیں اور سسکیاں آسمان پر جا پہنچی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ظالموں سے ظلم کی آخری اینٹیں اس لئے پھینکوائی ہیں تاکہ اس ملک پر اپنا فضل نازل کرے......''

فرمایا:۔

''......ہم ان ہاتھوں کی جنہوں نے پتھر برسائے۔ان زبانوں کو جنہوں نے اس کے لیے تحریک کی۔اور اس کنجی کو جو اس کا باعث ہوئی معاف کرتے ہیں۔کیونکہ جس مہم کا ہم نے بیڑا اٹھایا ہے۔اس کے مقابلہ میں یہ تکلیف جو ہمیں پہنچائی گئی۔بالکل معمولی ہے......''

تقریر کے بعد ڈپٹی کمشنر آپ کے پاس آیا اور معذرت کی۔سپرنٹنڈنٹ پولیس جائے رہائش تک آپ کے ساتھ گیا اور بار بار معذرت کرتا رہا۔

قیام گاہ پر پہنچتے ہی مختلف خیالات اور عقائد کے لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان فتنہ پردازوں کی حرکات پر نفرت کا اظہار کیا۔اور معذرت وندامت کا یہ سلسلہ رات کے ایک بجے تک جاری رہا۔

بعض لوگوں کو کسی زمانہ میں یہ زعم باطل رہا ہے۔کہ وہ بے قابو مجمع کو اپنی سحر بیانی سے مسحور کر سکتے ہیں۔مَیں اُن سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں کوئی اس طاقت کا مالک بھی تھا۔جس طاقت سے ان حالات میں ہزاروں کے مجمع کو صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مسحور کیا۔اور جس طرح باوجود طاقت رکھنے کے ہر شخص نے پتھر کھائے۔زخمی ہوئے (لیکن اپنے لیڈر کے حکم کی وجہ سے اپنی اپنی جگہ پر جمے رہے اور ایک انچ نہ سر کے)......کیا وہ بھی ایسا نمونہ دکھلا سکتا تھا۔

حملہ آوروں کی جرأت اور دلیری کا تو اس بات ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اب اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا۔تو دو منٹ کے اندر ہی میدان صاف تھا!

اور وہ کیوں ایسا نہ کرتے۔ جب کہ خود ان کے لیڈروں کو اعتراف ہے کہ:۔

''......اگر گدھا زور سے ہینگے تو دو کانوں اور گھروں سے پگڑیاں بغل میں دبا کر بھاگتے ہیں اور راستے میں پوچھتے آتے ہیں کہ میاں ماجھے کیا ہوا ...... بھیا گامے یہ کیا شور تھا۔ کہیں لاٹھی چلی ہے کیا ......؟1 مگر کسی کے زیادہ چوٹ نہیں آئی''؟

(1 تاریخ احرار ص ۴۸۔۴۷)

یہ بغل میں پگڑیاں دبا کر بھاگنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور انہیں اس بات پر فخر ہے کہ وہ پگڑیاں ہر وقت بغل میں دابے پھرتے ہیں۔

حسب پروگرام ۱۴ ستمبر کو سیالکوٹ سے بذریعہ کار صدرِ محترم مع اپنے رفقاء وزیر آباد پہنچے۔ اور وہاں سے ہم سب گاڑی کے ذریعہ واپس آئے۔ وزیر آباد سے جموں اور کشمیر کے بعض لیڈر قاضی گوہر رحمٰن، چودھری غلام عباس اور مولوی عبدالرحیم ایم اے بھی شریک سفر ہوئے اور قادیان (پہنچ کر) آئندہ پروگرام سے متعلق مشورہ اور ہدایات لینے کے بعد واپس ہوئے۔ قاضی گوہر رحمٰن چونکہ کچھ علیل ہوگئے تھے۔ اس لئے کچھ دن مزید ٹھہرنے کے بعد جموں واپس آگئے۔

حکومت کے بے رحم ہاتھوں نے پھر سے
مسلماں کے سینہ پہ گولی چلادی
وہ سینہ تھی جس میں امانت خدا کی
وہی خاک میں وحشیوں نے ملادی
(سقراط کاشمیری)

مہمانانِ خاص

اگست ۱۹۳۱ء کے آخر میں سرینگر میں ایک اہم واقعہ پیش آیا۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی کے نتیجہ میں ریاست پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا۔ایجی ٹیشن دن بہ دن زور پکڑ رہی تھی ۔ریاست کے ہندو وزیر اعظم بعض بیرونی مسلمانوں سے گہرے تعلقات رکھتے تھے وہ ایسے لوگوں کو ریاست کا مہمان بنا کر بلوا رہے تھے ۔جنہیں آلۂ کار بنا کر ایجی ٹیشن کو ختم کرا سکیں ۔ایک صاحب جو نوابؔ اور سرؔ کے خطابوں سے نوازے جا چکے تھے 1۔ (1نواب سر مہر شاہ) وزیر اعظم ہری کشن کول کے گہرے دوست تھے۔انہوں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔اور سرینگر پہنچ کر انہوں نے مسلمان نمائندوں کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر کے ریاست سے ایک صلح نامہ پر دستخط کروالیے ۔یہ صلح نامہ گو عارضی تھا تاہم مسلمانوں کے لئے مفید نہ تھا۔جب اس کی اطلاع صدر محترم کشمیر کمیٹی کو ہوئی تو انہوں نے اس پر مفصل تبصرہ کیا۔جو اخبارات میں شائع ہوا۔اس کے علاوہ اُسے ہزاروں کی تعداد میں علیحدہ چھپوا کر کشمیر

کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا گیا......اس تبصرہ کے آخر پر آپ نے مسلمانانِ کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

> ''ہمیں گرے ہوئے دودھ پر بیٹھ کر رونے کی ضرورت نہیں ہمارا فرض یہ ہے کہ موجودہ حالت سے جس قدر فائدہ اُٹھا سکیں اُٹھائیں اور اس کے ضرر سے جس قدر بچ سکیں، بچیں ۔بہ ہر حال یہ معاہدہ مسلمانوں کے نمائندوں نے کیا ہے ۔اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی پوری طرح اتباع کریں ۔کیونکہ مسلمان دھوکے باز نہیں ہوتا ۔اور جو قوم اپنے لیڈروں کی خود تذلیل کرتی ہے وہ کبھی عزت نہیں پاتی''

ایک اور یادداشت بھجوائیں

پھر لکھا کہ......''دستخط کرنے والے نمائندگان ریاست کو ایک دوسری یادداشت یہ بھجوادیں کہ چونکہ عارضی صلح کا وقت کوئی مقرر نہیں ۔اور یہ اصول کے خلاف ہے ۔اس فروگذاشت کا علاج ہونا چاہیے ۔پس ہم لوگ یہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک ماہ تک اس کی معیاد ہوگی۔اگر ایک ماہ کے اندر مسلمانوں کے حقوق کے متعلق ریاست نے کوئی فیصلہ کر دیا یا کم ازکم جس طرح انگریز حکومت نے ہندوستانیوں کے حقوق کے متعلق ایک اصولی اعلان کر دیا ہے ۔کوئی قابلِ تسلی اعلان کر دیا۔تب تو اس عارضی صلح نامہ کا زمانہ لمبا کر دیا جائے گا۔یا اسے مستقل صلح کی صورت میں بدل دیا جائے گا۔لیکن اگر ایک ماہ میں ریاست نے رعایا کو ابتدائی انسانی حقوق نہ دیئے یا ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا تو یہ صلح ختم سمجھی جائے گی اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ آزاد ہوں گے''۔

اس تبصرہ کا سارے کشمیر میں خاطر خواہ اثر ہوا۔چنانچہ ۶ ستمبر کو سری نگر سے (آمدہ)

جوتاراخبارات میں شائع ہوااُس میں یہ مذکورتھا کہ

''محترم مرزا بشیرالدین محموداحمد صاحب نے عارضی صلح کی شرائط پر جوتبصرہ فرمایا ہے۔اسے یہاں کی پبلک نے بہت پسند کیا ہے...... مطالبات تیار ہیں۔مگرانہیں ابھی تک پیش اس لیے نہیں کیا جائیگا کہ جموںؔ میں حالات کی نزاکت کے باعث نمائندگان نہیں آسکے۔وہاں کی اکثریت اس صلح کو ناپسند کرتی ہے''

ریاست کے مہمانانِ خاص

اس بروقت اقدام سے مسلمانانِ کشمیرایک بہت بڑی الجھن سے معاہدہ توڑے بغیر نکل گئے۔اور ریاست اوراس کے حامی اپنی چال میں بری طرح ناکام ہوئے۔

ریاست کے ''مہمانانِ خاص'' کا کچھ پہلے ذکر آچکا ہے......وزیراعظم کشمیرراجہ ہری کشن کولؔ ہرگز پسند نہ کرتے تھے کہ باہر سے کوئی ایسا لیڈر آئے جسے وہ اپنا آلۂ کار نہ بنا سکیں ۔یہی وجہ تھی کہ جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ہندوستان کے مسلّمہ لیڈروں کا وفد بھجوانا چاہا تو اسے اجازت نہ دی گئی۔جس پارٹی کا اوپر ذکر آچکا ہے۔اُس نے بھی اپنے چندآدمیوں کا وفد سری نگر بھجوایا۔جموںؔ پہنچتے ہی انہیں سرکاری حکام نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔سری نگر پہنچنے پر سرکاری ہاؤس بوٹ میں ٹھہرایا۔سرکاری مطبخ والوں نے اُن کی حیثیت سے بہت بڑھ چڑھ کراُن کے خوردونوش کا انتظام کیا اورانہیں ہرطرح سے خوش رکھنے کے سامان مہیا کئے۔لیکن یہ سب باتیں عوام کو ناپسند تھیں ۔وہ ایسے لوگوں کی کاروائیاں دیکھ چکے تھے جو اس سے پہلے آکر سرکاری مہمان ہوئے تھے۔نتیجہ یہ ہوا کہ پبلک میں سے کسی نے اُن کو منہ نہ لگایا۔ان سرکاری مہمانوں نے حکومت کا مہمان بننے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ

''......اگر سرکاری خزانہ اخراجات کی ذمّہ داری اُٹھائے تو ہمارے سر سے سب سے بڑا بوجھ اُتر تا تھا۔احرار کی راہ میں مالیات ہی سدِّ سکندری ہے ......''1 (تاریخ احرار ص ۴۶)

ساری قوم کی نمائندگی کا دعویٰ......اور

غیر ارادی طور پر بھی دل محسوس کئے بغیر نہیں رہ پاتا کہ وہ لوگ جنہیں یہ زعم باطل تھا کہ وہ ساری قوم کے نمائندے ہیں۔کیا ان لوگوں کے لیے قوم اتنا بھی نہ کر سکی۔کہ ان کے کھانے اور رہائش کے اخراجات جو ان دنوں پچاس روپے فی کس ماہوار سے ہرگز زیادہ نہ تھے۔ادا کر دیتی اور پھر اُس وفد نے سرکار کا مہمان اس حال میں بننا ضروری سمجھا کہ (بقول اُن کے لیڈر کے) جب وہ سری نگر پہنچے تو لوگ انہیں ''شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے تھے''۔اور اُن کے متعلق خیال کرتے تھے کہ ''بس آئے ہیں ریاستی خزانے سے جیبیں بھر کو لوٹ جائیں گے''۔2 (تاریخ احرار ص ۴۵) بھلا ریاست کے مسلمانوں کو شک کیوں نہ ہوتا آخر وہ پنڈت جیون لال مٹّو سے بھی تو واقف تھے جو ان کا میزبان تھا۔

کچھ دن اور گزر گئے۔رفتہ رفتہ ریاست کو بھی ان لوگوں کی قدر و قیمت معلوم ہوگئی۔مہمان نوازی میں فرق آنے لگا۔آخر کشمیر سے واپس لوٹنا پڑا۔اُنہیں تسلیم ہے کہ......''ہم کشمیر سے ناکام لَوٹ آئے۔''3 (تاریخ احرار ص ۵۴)......البتہ آتی دفعہ اپنے میز بانوں مہاراجہ (ہری سنگھ) اور وزیر اعظم (ہری کشن کول) سے ملاقات کا شرف ضرور حاصل کرلیا۔ان کے میز بانوں نے ان کو دوبارہ کشمیر بلایا۔اور شیخ محمد عبداللہ کو رام کرنے کا فرض اُن کے سپرد ہوا۔لیکن کشمیریوں کے اس ذہین لیڈر کو اپنا ہم خیال بنانے میں اُن کو سراسر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہیہات یہی لوگ بزعم خویش ''احرار'' ہونے کے مدعی تھے۔

مسلمانوں کا کُشت وخُون

۲۱ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ اسلامیہ سکول کے لیے چندہ جمع کر رہے تھے۔ کہ پولیس نے انہیں گرفتار کرلیا۔ مسلمانوں نے ۲۲ ستمبر کو احتجاجی پُرامن جلوس نکالا پولیس نے تشدد کیا ......گھوڑ سواروں نے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندا۔ لاٹھی چارج ہوا۔ گولی چلی۔ خون بہا......

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بھیجے ہوئے وکیل نے اپنی آنکھوں دیکھے حالات اور شہید ہونے والوں کا خون سے رنگا ہوا کپڑا اور خون سے کاغذ پر یہ الفاظ لکھ کر بھجوائے۔

"مقتول مسلمانوں کا خُون صفحہِ کاغذ پر مظلومیت کی آواز بلند کر رہا ہے" [1]

([1] راقم الحروف نے بھی یہ کپڑا اور خون سے لکھا ہوا کاغذ دیکھا تھا)

یہ وکیل چودھری عصمت اللہ خاں ایڈووکیٹ تھے جو صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے حکم سے اپنا سارا کام چھوڑ کر مسلمانانِ کشمیر کی مدد کے لیے وہاں پہنچ گئے تھے۔

۲۳ ستمبر کو اسلام آباد میں سرؔی نگر سے بھی زیادہ کشت وخون ہوا۔ پچیس مسلمان گولیوں سے مارے گئے۔ اور ڈیڑھ سو کے قریب زخمی ہوئے۔

بقول سقراط کاشمیری ؎

حکومت کے بے رحم ہاتھوں نے پھر سے
مسلماں کے سینے پہ گولی چلادی
وہ سینہ تھی جس میں امانت خدا کی
وہی خاک میں وحشیوں نے ملادی

شوپیاں میں بھی خون ریزی ہوئی۔ اور قصبہ ملٹری کے ہاتھ میں دیا گیا۔ ۲۴ ستمبر کو ساری ریاست میں برہما آرڈی نینس کی طرز کا آرڈی نینس جاری کر دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں

ملٹری نے وہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت ہمیشہ ان پر ماتم کرتی رہے گی۔

ہندوستان اور انگلستان میں احتجاج

آل انڈیا کشمیر کمیٹی واقعات پر ہندوستان اور انگلستان میں ہر جگہ احتجاج کیا اور قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا اور فسادات کی تحقیقات کے لئے غیر جانب دار کمشن مقرر کرنے پر زور دیا۔ وائسرائے کو توجہ دلائی جن کی طرف سے صدرِ محترم کو تار کے ذریعہ اطلاع ملی کہ وہ ریاست سے حالات دریافت کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ضرور مناسب کاروائی کی جائے گی ......لندنؔ کے اخبارات میں بھی ان درد انگیز واقعات کے متعلق مضامین شائع ہوئے ۔ چودھری محمد ظفر اللہ خان (جو ان دنوں گول میز کانفرنس میں شمولیت کی غرض سے لندن میں مقیم تھے) وزیر ہند سے ملے اور انہیں آگاہ کرنے کے بعد مظلومین کے مطالبات مہاراجہ سے منوانے کی تحریک کی۔

......ان سب باتوں کے نتیجہ میں ۵/ اکتوبر کو مہاراجہ نے اپنی سالگرہ کے موقع پر قیدیوں کی عام رہائی کا اعلان کر دیا۔

آرڈیننس واپس لے گیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا۔ کہ اگر میری رعایا کا کوئی طبقہ کوئی جائز درخواست کرے گا تو میں اس پر ہمدردانہ غور کروں گا۔

یعنی مطالبات باقاعدہ پیش کرنے کی تحریک کر دی۔

شیخ محمد عبداللہ کا پیغام

شیخ محمد عبداللہ نے اس گرفتاری کے موقع پر اپنی قوم اور ہمدردان کے نام جو پیغام دیا اس کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں:۔

’’......میرا یہ پیغام پنجابؔ اور ہندوستان کے میرے تمام مسلمان بھائیوںؔ

”ہمارے بھائیوں کے ذریعے سے“ ہندوستان اور پنجاب میں جو پراپیگنڈہ کر رہی ہے۔اور جو گمراہ کن خبریں ہمارے خلاف آج تک شائع کرائی گئی ہیں ان سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔ہم ابھی تک مظلوم ہیں۔اور ہمیں نشانۂ ظلم وستم بنایا جارہا ہے۔۱۳/ جولائی سے آج تک ہمیں ایک منٹ بھی حکومت نے چین سے نہیں بیٹھنے دیا ”ہمارے چند بھائیوں“ اور ”ایک مسلم اخبار“ نے بجائے ہماری حمایت کرنے کے اُلٹا حکومت کشمیر سے مل کر ہمیں بدنام کرنا اور ہم سے حمایت کرنے والوں کی مخالفت کرنا اپنا نصب العین بنالیا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے ساتھ ہمدردی رکھنے والا کوئی نہیں۔ہمیں اس بات کا رنج نہیں ہے۔کیونکہ ہر قوم میں چند قوم فروش بھی ہوتے آئے ہیں اور ابتدائے آفرینش سے آج تک اسلام میں منافقین کی ایک جماعت ضرور پائی جاتی ہے۔“

امام مسجد لندن کی مساعی

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر کی ہدایات کے ماتحت خاں صاحب مولانا فرزند علی (امام لندن مسجد) جو کوششیں انگلستان میں کر رہے تھے وہ بہت ہی قابل قدر تھیں۔آپ نے ہز ہائی نس سر آغا خاں، سر میاں محمد شفیع، ڈاکٹر سر محمد اقبال، چودھری محمد ظفر اللہ خاں اور مولانا شفیع داؤدی کو (جو ان دنوں لندن میں تھے) تحریک کی۔کہ وہ فرداً فرداً وزیر ہند سے ملیں۔اور انہیں کشمیر کے متعلق پُر زور توجہ دلائیں۔چنانچہ ان سب لیڈروں نے وزیر ہند سے مل کر اس امر پر زور دیا۔چودھری محمد ظفر اللہ خاں نے تو اس سلسلہ میں کئی بار وزیر ہند سے ملاقات کی۔

مولا غلام رسول مہرؔ ان دنوں انگلستان گئے ہوئے تھے ۔وہ اپنے مکتوب میں جو روزنامہ ''انقلاب'' میں شائع ہوا۔رقمطراز ہیں:۔

''......کشمیری مسلمانوں کے تعلق میں برطانوی جرائد کا رویہ پہلے کی نسبت بہتر ہے ۔اوراس میں بلا شائبہ ریب مولوی فرزند علی صاحب امام مسجد لندن کا بڑا حصہ ہے ۔جو شروع سے لیکر کشمیر کے تعلق میں اور دوسرے اسلامی مسائل کے تعلق میں مسلسل جدوجہد فرماتے رہے ہیں ......اخبارات میں جو خبریں شائع ہوتی رہیں ان کے علاوہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی طرف سے متعدد تار موصول ہوئے جن کی کاپیاں ایک ایک منڈوب کے پاس بھیجی جاتی ہیں......''

انگلستان کے علاوہ صدر محترم نے صوفی مطیع الرحمٰن ایم اے کو امریکہ میں بذریعہ تار ہدایات بھجوائیں ۔اورانہوں نے بھی اس طرز پر وہاں کام شروع کر دیا۔ جو بہت مؤثر ثابت ہوا۔

جموّںؔ کا ایک ننھا لیڈر

میں جموّں کے لیڈروں اور کارکنان کا اوپر ذکر کیا ہے۔ناانصافی ہوگی اگر میں جموں کے ننھے لیڈر کا ذکر نہ کروں ۔ایک بچے (غازی محمد اسماعیل شہید) نے اپنے ہم عمر بچوں کو منظّم کر کے ایک انجمن بنائی جس کا نام ''اطفال اسلام'' رکھا۔ یہ انجمن پولیس کے لیے ہمیشہ سر دردی کا باعث بنی رہی۔ بلکہ بعض اوقات پولیس نے اُن اطفال پر سختی بھی کی۔لیکن یہ روز بروز زیادہ مضبوط اور منظّم ہوتے چلے گئے۔

......شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے بعد مفتی جلال الدین ڈکٹیٹر اوّل ،بخشی غلام محمد

ڈکٹیٹر دوم، غلام قادر ڈکٹیٹر سوم کی گرفتاری پر اس انجمن نے بھی ایک عظیم الشان احتجاجی جلسہ کیا غازی محمد اسمٰعیل شہید صدر مجلس اطفال اسلام نے ڈیڑھ ہزار بچوں کے سامنے تقریر کی۔ یہ جلسہ ایک مسجد میں کیا گیا تھا۔ جس میں کس بالغ شخص کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ ریزولیوشن پاس کر کے حکومت اور پریس کو بھجوائے۔ الغرض ہر موقع پر یہ انجمن جلوس نکالتی اور جلسے کرتی رہی۔

باقاعدہ مطالبات کا وقت

شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اکتوبر ۱۹۳۱ء کے شروع میں عمل میں آئی۔ اب مسلمانوں کی طرف سے مہاراجہ کی خدمت میں باقاعدہ مطالبات پیش کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ جموں اور کشمیر کے نمائندگان صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمت میں حاضر ہوکر مشورہ کے بعد مطالبات کا ایک مسودہ تیار کر چکے تھے۔ اور جیسا کہ شیخ محمد عبداللہ کے اس پیغام سے ظاہر ہے جو انہوں نے اپنی گرفتاری کے وقت قوم کے نام دیا تھا۔ مسلمانانِ کشمیر اپنے دوستوں اور دشمنوں کو بھی پہچان چکے تھے۔ انہوں نے صدرِ محترم کی خدمت میں درخواست کی...... کہ

''......آپ اپنے ذمہ دار نمائندگان کو کشمیر میں بھجوائیں۔ تاکہ وہ مطالبات کو آخری شکل دے کر مہاراجہ کے سامنے پیش کر سکیں......''۔

صدرِ محترم نے اُن کی اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ مولانا عبد الرحیم دردؔ ایم۔اے۔ سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور مولانا یعقوب خاں ایڈیٹر ''لائٹ'' دو نائبین کو لے کر وہاں پہنچ جائیں۔ [1]

([1] راقم الحروف ان دو نائبین میں سے ایک تھا اور دوسرے نائب مولوی عصمت اللہ صاحب بہلول پوری (ڈویژنل کونسلر سرگودھا ڈویژن) تھے)

''......۱۳/اکتوبر کو یہی صاحب جامع مسجد گئے۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں وہاں سے یہ کہہ کر نکل جانے کو کہا کہ ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ وُہ مجبوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور پھر کشمیر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ گئے ......''

تاریخی میموریل

چار آدمیوں کا یہ قافلہ لاہور سے بذریعہ ٹرین سیالکوٹ پہنچا۔ روانگی کی اطلاع مصلحتاً کسی کو نہ دی گئی۔ ہم اسٹیشن ہی سے کار سری نگر کے لیے کرایہ پر لیکر اُسی وقت روانہ ہو گئے۔ جموں کی چیکنگ پوسٹ پر پہنچے۔ تو کسی طرح جموں والوں کو یہ پتہ چل گیا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا وفد سری نگر جارہا ہے۔ نمائندگان جموں پہلے ہی سری نگر پہنچ چکے تھے۔ دوسرے کارکنان آنا شروع ہو گئے۔ اور مجبور کیا کہ رات وہاں ٹھہریں لیکن محترم دردؔ صاحب نے معذرت کا اظہار کیا۔ آخر ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ کہ ڈاک بنگلہ پر چل کر شام کی چائے پی لیں۔ مولانا یعقوب خاں صاحب کے بعض شاگردوں کو پتہ چلا تو ملنے کو بھاگے چلے آئے۔

جس جس کو پتہ چلتا گیا۔ ڈاک بنگلہ کی طرف دوڑتا چلا آیا۔ چونکہ اب ہجوم ہو چلا تھا۔ اس لیے ہم وہاں سے سری نگر کے لیے روانہ ہوئے۔ رات ڈاک بنگلہ اودھم پور میں گزاری۔ ریاست کی طرف سے زائرین کے آرام کے لیے جابجا ڈاک بنگلے اور ریسٹ ہاؤس سڑک پر

موجود تھے۔دوسرے روز دوپہر ہم سری نگر کی چیکنگ پوسٹ پر پہنچے۔تو ریاست کا ایک سیکرٹری کا رلیکر موجود تھا۔مولانا عبدالرحیم درؔد کے متعلق دریافت کر کے اُن سے ملا۔اور درخواست کی کہ

......آپ لوگوں کی رہائش کا انتظام ریاست کے بڑے گیسٹ ہاؤس میں ہے اور میں کار لے کر آپ کو لینے کے لیے آیا ہوں۔وزیر اعظم نے مجھے بھجوایا ہے......

مولانا درؔد نے جواب دیا۔کہ ہم تو اُن کے مہمان ہیں۔جنہوں نے ہمیں بلوایا ہے۔اس نے بہتیرزور مارا۔لیکن محترم درؔد صاحب کو نہ ماننا تھا نہ مانے اور ہم چیکنگ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی کرایہ والی کار ہی سے امیؔرا کدل پہنچے۔جہاں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء استقبال کے لیے موجود تھے۔سب بہت خوشی سے ملے۔اُن کے حوصلے بلند ہو گئے۔امیؔر کدل میں ایک چوبارہ پر ہماری رہائش کا انتظام تھا۔وہاں ہمیں اُتارا گیا۔نمازوں اور ناشتہ کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔شیخ صاحب نے والنٹیئرز مقرر کر رکھے تھے کہ صرف ضروری لوگ ہی آ کر ملاقات کریں۔اور ہجوم نہ ہو۔دوسرے روز صبح سویرے درؔد صاحب مرحوم مجھے ساتھ لیکر بظاہر سیر کے لیے بند کی طرف گئے۔دو تین ہاؤس بوٹ دیکھے ایک ہاؤس بوٹ نہایت موزوں جگہ (آبی گزر) پر کھڑا تھا پسند آ گیا۔اس کا ماحول صاف ستھرا ہونے کے علاوہ ڈاک خانہ اور تار گھر میں یہاں سے بالکل قریب تھے۔اور شہر بھی زیادہ دور نہ تھا۔کرایہ وغیرہ طے کر کے ہم جائے رہائش پر پہنچے۔شیخ محمد عبداللہ بعض دوسرے نمائندگان وہاں موجود تھے۔مولانا درؔد نے اُن کو بتا دیا کہ ہم نے چونکہ یہاں ٹھہرنا ہے۔کافی دن لگ جائیں گے۔اس لیے میں نے ہاؤس بوٹ کرایہ پر لے لیا ہے۔نمائندگان نے اصرار کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔لیکن مولانا درؔد کے سمجھانے پر مان گئے۔اور ہم وہاں سے ''ہاؤس

بوٹ‘‘ میں اُٹھ آئے۔

تاریخی ٹائپ رائٹر اور تاریخی میموریل

میں نے آتے ہی اپنے کمرہ میں دفتر لگالیا۔ ہم دفتر کا تمام ضروری سامان اور ٹائپ رائٹر وغیرہ ساتھ لے گئے تھے۔ یہ وہ تاریخی ٹائپ رائٹر تھا۔ جس نے کشمیریوں کی امداد میں لاکھوں لفظ ٹائپ کئے۔ حتّٰی کہ اُن کا وہ تاریخی میموریل بھی اسی پر ٹائپ ہوا۔ جو مہاراجہ کو پیش کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں کشمیریوں کو ان کے ابتدائی انسان حقوق ملنے شروع ہوئے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا دفتر پورے زور سے حرکت میں آ گیا۔ یہ ہاؤس بوٹ ریاست اور معاندین کے لیے ہوّا بلکہ بارودخانہ تھا۔ اور مظلوم مسلمانوں کے لیے رحمت وشفقت کا نشان۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے لمبے اور گہرے مطالعہ اور نمائندگانِ کشمیر کے مشورہ سے مطالبات کا جو مسودہ انگریزی زبان میں تیار کیا تھا۔ وہ ان کے سپرد اس غرض سے کر دیا گیا۔ کہ اس پر پُورے گیارہ نمائندے پھر غور کریں۔ اور اگر کسی جگہ ترمیم کی ضرورت سمجھیں تو کر لیں۔

جس مخالف پارٹی کا ذکر اُوپر آ رہا ہے۔ اس کے لیڈر بھی سری نگر میں مقیم تھے نمائندگان کشمیر نے ان کے ایک نمائندہ اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری مولانا دردؔ کو مدعو کیا کہ وہ دونوں اس بارہ میں نمائندگان کو خطاب کریں۔ خواجہ سعدالدین شالؔ کے مکان واقع محلّہ خان یار میں اجلاس ہوا۔ ہم لوگ بھی وہاں گئے۔ ہر دو کی تقاریر سننے کے بعد نمائندگان کشمیر نے فیصلہ کیا کہ......آل انڈیا کشمیر کمیٹی والا مسودہ ہی درست ہے......اس لیے اس میں اگر کسی جگہ معمولی ترمیم ضروری ہو تو کر لی جائے۔ کئی گھنٹہ کے غور وفکر کے بعد نمائندگانِ کشمیر نے اس میں بعض معمولی ترامیم کیں۔ جن کی زبان کی تصحیح کا فرض مولانا دردؔ اور یعقوب خاں

صاحب نے ادا کیا۔ جب اس مسودہ پر سب نمائندگان کو شرح صدر ہو گیا۔ تو راقم الحروف نے وہیں اسے ٹائپ کیا۔ اور رات گئے یہ کام ختم ہوا۔ دوسرے دن پھر شالؔ صاحب کے اسی قلعہ نما مکان میں میٹنگ ہوئی۔ مولانا یعقوب خاںؔ بھی موجود تھے۔ دردؔ صاحب مرحوم نے فرمایا کہ آج آپ نے یہ مطالبات مہاراجہ کو بھجوانے ہیں۔ اور کل جا کر اس کے سامنے خود پیش کرنے ہیں۔ اس لیے اس پر پھر غور کر لیں۔ تا کہ اگر اب بھی کسی کمی بیشی کی ضرورت ہو تو کی جا سکے۔ پھر غور ہوتا رہا۔ چند الفاظ کی کمی بیشی ہوئی اور اس کے بعد میں نے اس مسودہ کو آخری شکل میں ٹائپ کر دیا اور اس ٹائپ شدہ میموریل کی ایک (ایڈوانس) کاپی اُسی روز اور دوسری کاپی 19-اکتوبر 1931ء کو حسبِ پروگرام نمائندگان نے خود مہاراجہ کے سامنے جا کر پیش کی۔ اس کے ساتھ ہی کشمیری پنڈتوںؔ ہندوؤںؔ سکھوںؔ اور ہندو راجپوتوں نے بھی اپنے اپنے میموریل پیش کئے۔

جمہور مسلمانانِ کشمیر کا رویہ

انہی دنوں کی چند باتیں قابل ذکر ہیں۔ جن سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے معاندین کے متعلق جمہور مسلمانانِ کشمیر کے رویہّ کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۱/اکتوبر کو خانقاہ معلّی میں انجمن اسلامیہ کا جلسہ تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ پنجاب کے روزنامہ زمیندار کے مالک مولوی ظفر علی سرکاری موٹر کار پر اس جلسہ میں پہنچے اور تقریر کرنے کی کوشش کی۔ انجمن اسلامیہ کے سیکرٹری نے ان کو تحریراً یہ تاکید کر دی کہ وہ تقریر میں کوئی قابل اعتراض بات نہ کہیں جب انہوں نے تقریر شروع کی۔ ہر طرف سے ''شیم شیم'' اور ''لعنت'' کی آوازیں آنے لگیں۔ اور خواجہ احمد اللہ بٹما لو نے جو خواجہ غلام محمد صادق کے خسر اور خواجہ غلام محی الدین کرہ کے والد تھے۔ اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور کہا کہ اسے یہاں سے فوراً نکال دو۔ ورنہ میں اپنی جوتی سے اس کو

ذلیل کر کے نکالوں گا۔اس پر مولوی عبداللہ وکیل نے کھڑے ہوکر پبلک سے دریافت کیا کہ جولوگ اس شخص کی تقریر سے ناراض ہیں اور خواجہ احمداللہ کی تائید میں ہیں۔ ہاتھ کھڑے کریں سب نے ہاتھ کھڑے کر دیئے اوراس ذلّت کے بعد یہ صاحب واپس لوٹے ان کے اسٹیج سے ہٹتے ہی ’’آل انڈیا کشمیر کمیٹی زندہ باد‘‘ کے نعرے بلند ہونے شروع ہوگئے۔

۱۳/اکتوبر کو یہی صاحب جامع مسجد میں گئے لیکن مسلمانوں نے انہیں یہ کہہ کر وہاں سے بھی نکل جانے کو کہا کہ ہمیں آپ کی راہنمائی کی ضرورت نہیں آپ ہمارے نمائندہ نہیں وہ مجبوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور پھر کشمیر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ گئے۔

ہمارے کشمیر پہنچنے کے چند روز بعد آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے دوسرے ممبر بھی سری نگر پہنچنا شروع ہوگئے۔ پہلے مولانا اسمٰعیل غزنوی اور مولانا مظہرالدین (ایڈیٹر الامان دہلی) آئے ۔اور اُن کے کچھ دن بعد مولانا سید حبیب (ایڈیٹر سیاست) اور پھر مولانا سید میرک شاہ صاحب تشریف لائے۔ باقی اراکین تو تھوڑا تھوڑا عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس چلے جاتے رہے ۔لیکن صدرِ محترم کی ہدایت کے ماتحت مولانا اسمٰعیل غزنوی اور مولانا سید میرک شاہ صاحب سرّی نگر ہی میں رہے۔ مولانا دردؔ صاحب تو پہلے ہی یہاں موجود تھے۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ہردلعزیزی کے ثبوت کے لیے اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ ہر جلسہ جو مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے ہوتا (اور جلسے آئے دن ہوتے رہتے تھے) اس کی صدارت کمیٹی ہی کے کسی نہ کسی رکن کے سپرد کی جاتی تھی گو دوسرے اراکین کو بھی تقریریں کرنے کی درخواست کی جاتی تھی۔

مسلم اخبارات اور اکابرین کا اعلان

صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے انتہائی کوشش کی کہ سب مسلمان مل کر کام کریں

۔لیکن پھر بھی احرار اور ان کے چند لگے بندھے یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر کی بہ ہر حال مخالفت کرنی ہے چاہے اس کے نتیجہ میں مظلومین کشمیر کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔

اب انہوں نے غلط اور بے بنیاد افواہیں پھیلا کر مسلمانوں میں فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر مناقشت پیدا کرنی شروع کر دی جسے نہ صرف مسلم اکابر بلکہ تمام مسلم جرائد نے بھی قابل مذمت گردانا چنانچہ اس جھوٹ کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے تمام قابلِ ذکر مسلم اخبارات کے کارپردازوں اور مسلم اکابرین نے مندرجہ ذیل اعلان کیا (جو اخبارات میں شائع ہونے کے علاوہ پوسٹر اور ہینڈ بلوں کی صورت میں بھی تقسیم ہوا)۔اس میں وہ لکھتے ہیں:۔

''......بعض مضبوط قرائن سے یہ اندیشہ پیدا ہو رہا ہے کہ حکامِ ریاست کشمیر مسلمانوں کی قوت کو توڑنے کے لیے یہ حربہ استعمال کرنے کے درپے ہیں کہ اُن کے اندر فرقہ وارانہ سوال پیدا کریں اور ایک ایسے مسئلہ کو جو بحیثیت قوم امت مسلمہ کے مفاد سے تعلق رکھتا ہے فرقہ وارانہ رنگ دے کر کمزور کرنے کی کوشش کی جائے اور مسلمانوں کے باہمی فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر ان کے اتحادِ عمل کو نقصان پہنچایا جائے۔اس لئے ہم جُملہ (ان) صاحبان کو جو اس وقت کشمیر میں اس مسئلہ کی بست وکشاد کے سلسلہ میں مصروف عمل ہیں متنبّہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس قسم کی کوئی صورت حالات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔تو اسلامی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری شدّت کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے۔ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اب تک مختلف قومی تحریکات میں جب کبھی مسلمانوں نے متفقہ اور متحد طور پر ہم آہنگ ہو کر پوری طاقت کے ساتھ کسی مہم پر ہاتھ ڈالا ہے تو اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ہمیشہ فتح ونصرت نے اُن کا خیر مقدم کیا ہے مسئلہ کشمیر میں اتحاد ہی کامیابی کی کنجی ہے۔مسئلہ کشمیر ایک مہتم بالشان اسلامی مسئلہ ہے ۔کسی قسم کے فرقہ وارانہ خیالات کی وجہ سے اس کو کسی قسم کا ضعف پہنچانا اسلام کے ساتھ غدّاری کے مترادف ہے ۔اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ ریاست ہمارے اندر اس قسم کی کمزوری پیدا کرنے میں ناکام ہوگی ۔اور اس کی طرف سے اس آخری حربہ کے بالمقابل بھی مسلمان اپنی اسلامی صلاحیت کا ثبوت دیں گے۔‘‘

یہ اعلان جن اکابر کی طرف سے تھا۔اُن میں انگریزی روزنامہ ’’مسلم آؤٹ لُک‘‘ اور ’’ایسٹرن ٹائمز‘‘ اور روزنامہ ’’سیاست‘‘ اور ’’انقلاب‘‘ کے مالک اور ایڈیٹروں کے علاوہ پبلک کے منتخب نمائندے بھی شامل تھے۔

روزنامہ ’’انقلاب‘‘ کا اداریہ

روزنامہ ’’انقلاب‘‘ نے اپنے ایک اداریہ میں یہ لکھتے ہوئے کہ:

’’......بعض افتراق پسند طبائع نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے خلاف آغاز کار ہی سے جو زہریلا پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا اس سے اکثر جُہّال متاثر ہو گئے اور بعض مقامات پر اس کمیٹی کے کارکنوں کے لئے نہایت صبر آزما حالات پیدا کر دیئے گئے۔لیکن اس کے باوجود کمیٹی انتہائی صبر وشکیب ۔ثبات واستقلال اور بے نفسی کے ساتھ کشمیری مسلمانوں کی خدمات میں مصروف رہی......‘‘

آگے چل کر ان بے بنیاد اعتراضات کے مدلّل جواب دیئے ہیں۔جو کشمیر کمیٹی کے دشمنوں کی

طرف سے کئے جاتے تھے مثلاً یہ کہ:

”......جب کشمیر کمیٹی کے خلاف یہ اعتراض ہوا کہ اُس کے صدر (میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) نے تحریکِ کشمیر کے سلسلے میں احمدیت کی تبلیغ کا حکم اپنے مریدوں کو دے رکھا ہے۔تو صاحبِ موصوف نے اعلان کر دیا...... کہ یہ غلط ہے۔اور جو احمدی اس تحریک کو اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے استعمال کرے گا وہ بدنیتی کا مرتکب سمجھا جائے گا۔اور میں اُس پر ناراض ہوں گا......۔“

تمام اعتراضات کا جواب دینے کے بعد یہ تحریر کیا کہ......”کشمیر کمیٹی نے اتحاد بین المسلمین کے لیے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔“1

(1۔ راقم الحروف کو خود ابتدائے تحریک سے ہی کشمیر کمیٹی میں کام کرنے کی سعادت حاصل ہے اور میں حق الیقین کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ یہ الزام سراسر غلط اور محض لوگوں کو گمراہ کرنے اور کشمیر کمیٹی سے متنفر کرنے کے لئے کیا گیا تھا اگر اس میں رتی کے برابر بھی صداقت ہوتی تو اس کا اظہار کوئی نہ کوئی کشمیری لیڈر بھی ضرور کرتا۔لیکن وہ تو صدرِ محترم کو رات دن شکریہ کے خطوط لکھتے رہتے تھے تاریخ کا ایک بہت اہم حصّہ ہیں اور اپنے وقت پر انشاءاللہ العزیز ضرور شائع ہوں گے۔(ظ۔ا))

شاندار خدمات کا اعتراف

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی شاندار اور بے لوث خدمت کو ہر طبقہ کے لوگوں اور اخبارات نے سراہا اور اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ان آراء ہی کے لیے ایک علیٰحدہ کتاب کی ضرورت

ہے تاہم یہاں کچھ نہ کچھ درج کیا جارہا ہے۔

چودھری غلام عباس لکھتے ہیں:۔

''......آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی معرفت ہماری شکایات سمندر پار کے ممالک میں بھی زبان زد خاص وعام ہوگئیں ۔اس نزاکتِ حال کے پیش نظر حکومت کشمیر کے لیے ہماری شکایات کو ٹالنا اور بزور طاقت عمومی محرکات کو بلافکر نتائج کچلتے چلے جانا مشکل ہوگیا۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پیہم اصرار کے باعث حکومت ہند کا معاملاتِ کشمیر میں دخل انداز ہونا ناگزیز ہوگیا۔'' 2؎ (کش مکش ص۱۱۲۔۱۱۱)

''نومبر 1931ء کے آخری دنوں میں حکومت کشمیر کو مجبوراً مسلمانانِ ریاست کی شکایات اور مطالبات کی تحقیقات کے لیے ایک آزاد کمیشن کا اعلان کرنا پڑا۔یقین غالب ہے کہ اس کمیشن کے تقرر میں حکومت ہند کو بھی زبردست دخل تھا......'' 1؎ (کش مکش ص۱۱۱)

کشمیر کے قابل احترام مذہبی لیڈر میر واعظ احمد اللہ ہمدانی نے محترم صدر کی خدمت میں ایک مکتوب بھجوایا۔جو اخبارات میں بھی شائع ہوا۔اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

الحمدللہ رب العالمین ۔والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ واصحابہ اجمعین

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

1- اخبار زمیندار کے ایک قریبی پرچہ میں مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے میرے ہمعصر مولوی محمد یوسف صاحب کی طرف سے منسوب شدہ ایک اعلان شائع ہوا ہے۔جس میں آپ کو مطعون کیا گیا اور درخواست کی

گئی ہے کہ آپ کشمیری مسلمانوں کی امداد سے علیٰحدہ ہو جائیں ۔مہاراجہ بہادر تو عنایات کے لیے تیار ہیں ۔مگر بیرونی مداخلت نے کام خراب کر دیا ۔وغیرہ وغیرہ

2- میں قادیانیت اور احمدیت سے اتنا ہی دُور ہوں کہ جتنے علماء اہلسنت والجماعت ہوتے ہیں ۔مگر میں اپنے ملک کا دشمن نہیں ہوں ۔کہ میں کشمیر کے بُرے اور بھلے پر غور نہ کروں ۔اور جب کہ ہندوستان میں بڑے بڑے مقتدر علماء ۔اہل ہنود و دیگر مذاہب کے لوگوں سے مل کر اپنا سیاسی لائحہ عمل چلا رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آپ اور آپ کی جماعت سے مل کر متحدہ محاذ نہ بنائیں اور اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں کہ اس وقت کا تفرقہ ہماری تباہی و بربادی کا سبب ہوگا۔اور ہمیں لڑانے کی ساری چالیں حکومت کا سنہری ہاتھ کر رہا ہے۔

3- حکومت کشمیر کو نادم کرنے کے لیے جہاں کشمیریوں کی متحدہ قربانیوں نے کام دیا ہے ۔وہاں بیرون ریاست کے ابنائے اسلام کے احتجاج اور مطالبہ کا بھی اسی قدر حصہ ہے۔

4- کشمیر کمیٹی اور جناب کی انتھک جدوجہد ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے جس کی ہر وقت کی امداد ۔اور قیمتی مشوروں نے مشکلات کے حل کرنے میں آسانیاں پیدا کیں ۔

آپ کا فرستادہ وفد ہمارے مشوروں ۔کاموں اور اجتماعات میں پوری دلچسپی سے حصہ لے کر اپنے فرائض کی انجام دہی کر رہا ہے۔جس کے لیے

ہم سب ممنون ہیں۔

آپ ان باتوں سے جو مضمون زیر تردید شائع ہوئی ہیں۔امید ہے کہ بددل نہ ہوں گے کیونکہ سیاسی جنگوں میں ایسی کھیلیں کھیلی جاتی ہیں ۔مجھے یقین ہے کہ وہ چٹھی پنجاب کے مشہور لیڈر۔مولوی ظفرعلی خاں کے قلم کی مرہونِ منت ہے۔اوران کے ہی دماغ کا اختراع ہے۔جس پر زمیندار نے اپنی روایات کے مطابق ''کشمیر کے مسلمانوں کا پیغام'' کی سرخی کا اضافہ کرلیا ہے۔اگر مضمون زیر تردید بقول زمیندار قرار واقعی مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب ہے۔تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا انہوں نے وہ رقم جو آپ نے بطور امداد نقدی ارسال کی تھی۔مضمون کی صداقت کے سلسلہ میں واپس کی تھی۔اگر نہیں تو اس قسم کے مضامین میرے نزدیک محض بے ہودہ ہیں۔اس لیے میں اس خط کو اس حقیقت کے اعلان پر ختم کرتا ہوں۔کہ ہر کشمیری آپ کا ممنون ہے۔اور کشمیر میں اس وقت کوئی آپس کی فرقہ وارانہ لڑائی پیدا نہیں کی جاسکتی۔المرقوم

۵/نومبر ۳۱ء

احمداللہ میر واعظ ہمدانی۔عفی عنہ

مشہور مذہبی لیڈر خواجہ حسن نظامی اپنے روزنامہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر، سیکرٹری اور اراکین کی مساعی جمیلہ کا ذکر کرنے کے بعد رقم فرماتے ہیں:

''......آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری اور اراکین کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر مسلمانوں کو باہمی تفریق سے بچانے کی

کوشش کی ورنہ بعض بعض مسلمان ریاست کی حکمتِ عملی کا شکار ہو گئے تھے
۔اورانھوں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدراور سیکرٹری کی نسبت یہ لکھنااور
کہنا شروع کر دیا تھا۔کہ وہ صحیح عقیدہ کے مسلمان نہیں ہیں ۔اس واسطے
مسلمان ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتے ۔مگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدراور
سیکرٹری اوراراکین نے نہایت عقل مندی اورصبر وضبط سے کام لیا......''

جب نمائندگان کشمیر کو یہ اطلاع ملی کہ چند خودغرض لوگ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے خلاف اخبارات میں جھوٹا پراپیگنڈہ کرنے لگے ہیں تو اُن کی طرف سے جو تار اخبارات میں شائع ہوا ۔اس میں شر پسند لوگوں کو بے نقاب کر کے یہ لکھا:۔

''......ہم نمائندگان کشمیر دلی شکریہ کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمات
کا اعتراف کرتے ہیں ۔اوراس کے معزز ومکرم صدر کے غایت درجہ ممنون
ومشکور ہیں ۔نمائندگانِ جموں وکشمیر نے ایک خاص اجلاس میں آل انڈیا
کشمیر کمیٹی کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا اس کے خلاف جو پراپیگنڈہ کیا
جارہاہے وہ قطعاً بے بنیاداورتحریک کے مخالفین کا تراشیدہ ہے۔......''

مفتی جلال الدین ایم ۔اے جو شیخ عبداللہ کی پہلی گرفتاری کے بعد کشمیر ایجی ٹیشن کے پہلے ڈکٹیٹراور مسلم نمائندگان کشمیر کے جائنٹ سیکرٹری تھے لکھتے ہیں:

''......آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ہمیں ہر طرح کی امداد پہنچائی ۔نیز تمام قسم
کے مفید کارآمد مشوروں سے ہماری ہمت بندھائی اور رہبری بھی کی اور ہم
بصد فخر اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ تمام قوم تہ دل سے آل انڈیا کشمیر
کمیٹی کے صدر کی شکر گزار ہے جنھوں نے تحریک کشمیر میں گہری دلچسپی اور
بدرجہ غایت سرگرمی کا اظہار کیا علاوہ ازیں صدر موصوف کے متبعین نے بھی

بالواسطہ یا بلاواسطہ احمدی خیالات کی تبلیغ نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ فرقہ وارانہ نظریہ کو نظرانداز کرتے دیکھے گئے......''

تفصیل کیوں؟

میں نے اس حصہ کو ذرا تفصیل سے اس لیے لکھ دیا ہے کہ وہ نوجوان جن کو پرانا ریکارڈ میسر نہیں بعض اوقات اُدھورا قصہ سن کر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہیں مکمل تفاصیل سے اچھی طرح پتہ چل جائے گا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر کو کن حالات میں کام کرنا پڑا اور وہ کس طرح اس کشتی کو نہایت کامیابی کے ساتھ تمام چٹانوں سے بچاتے ہوئے منزل مقصود کی طرف لے گئے اور یہی وجہ تھی کہ جمہور مسلمانوں کے دلوں میں اُن کا اس قدر احترام تھا۔

''......اس وقت جب اہالیانِ کشمیر اپنے مطالبات پیش کر کے انکی منظوری کے منتظر تھے۔ان لوگوں نے جو کانگرس سے (وقتی طور پر) روٹھ کر علیٰحدہ ہو گئے تھے۔مسلمانانِ کشمیر کی مؤثر تحریک کو عین وقت پر سبوتاژ کرنے کے لیے جمہور مسلمانوں اور کشمیری نمائندوں کی رائے کے خلاف سِول نافرمانی کی تحریک چلانے اور ریاست میں جتھے بھجوانے کا اعلان کر دیا......''

سبوتاژ

مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے مطالبات کا جو میموریل مہاراجہ کے سامنے ۱۹/اکتوبر کو پیش ہوا۔مہاراجہ نے اسکا مختصر الفاظ میں جواب دیا اور مفصّل احکام بعد میں جاری کرنے کا وعدہ کیا۔اپنے جواب میں یہ بھی ذکر کیا۔کہ تازہ فسادات کی تحقیق کے لیے مسٹر جسٹس دلال کی سرکردگی میں کمیشن مقرر کر دیا گیا ہے۔

صدرِ محترم (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) نے اس کی اطلاع ملتے ہی اس جواب پر تبصرہ لکھا اور اس دلال کمیشن کو ناقابلِ قبول قرار دیا۔پھر ۲۴/اکتوبر کو لاہور میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ہنگامی اجلاس بلا کر اس معاملہ کو کمیٹی میں پیش کیا۔جس نے باقاعدہ قراردادوں کے ذریعہ آپ کے تبصرہ کی تائید و تصدیق کی اور آپ کے نقطہ نگاہ کے ساتھ کلی اتفاق کیا۔ہم لوگ اِن دنوں سری نگر میں تھے مسلم نمائندگان نے بھی کمیشن پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔اور تمام اخبارات کو اس مضمون کے تار بھجوائے۔اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں اس کی جگہ مڈلٹن کمیشن مقرر کرنا پڑا

ـ

کشمیر کے معاملہ میں شروع ہی سے ایک بزرگ صدرِ محترم کے ہمیشہ دستِ راست بنے رہے اور انہوں نے مظلوم کشمیریوں کی امداد کے لیے رات دن کام کیا لیکن کبھی پبلک میں سامنے نہیں آئے ۔ یہ بزرگ صدرِ محترم کے دوسرے بھائی صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (ایم۔اے) تھے۔صدرِ محترم انہیں عموماً اپنے ساتھ رکھتے یا جب کبھی وہ سفر میں ساتھ نہ جاتے ۔تو مرکز میں انہیں امورِ کشمیر کا نگران اعلیٰ مقرر فرما کر جاتے۔مولانا درؔد تو سرؔی نگر میں تھے اس لیے قائمقام سیکرٹری کی خدمت مولانا عبدالمغنی خاں صاحب کے سپرد تھی۔

مہاراجہ کی طرف سے حسبِ وعدہ تفصیلی اعلان میں تاخیر ہو رہی تھی۔صدرِ محترم نے مہاراؔجہ کو تار کے ذریعہ توجہ دلائی ۔کہ ریاست میں قیامِ امن کے لیے ضروری ہے کہ بہت جلد مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ اور ابتدائی حقوق کے متعلق اعلان کیا جائے اس تار کی تائید میں سری نگر خانقاہ معلّٰی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ہزارہا مسلمان شریک ہوئے۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ایک رکن جلسہ کے صدر تھے۔شیخ محمد عبداللہ نے اس جلسہ میں پُر جوش تقریر کی اور اس مطالبہ کی تائید کی۔بخشی غلام محمد بھی ان دنوں سرگرم کارکن تھے۔گو ابھی لیڈروں میں شمار نہ ہوتے تھے۔انہوں نے بصد اصرار جلسہ کی روئداد والے تار پر دستخط کیے۔

پتھر مسجد واگزار

اسی دوران میں ریاست کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ پتھر مسجد واگزار کی جاتی ہے۔

ریاست آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ’’ہاؤس بوٹ‘‘ ہی کو نمائندگان اور مسلمانانِ کشمیر کا مرکز خیال کرتی تھی ۔ہم سب کی چوبیس گھنٹے نگرانی ہوتی تھی ۔میں صبح کی نماز کے بعد اپنے

ہاؤس بوٹ سے اوپر بند پر گیا۔تو عین اس وقت ایک سب انسپکٹر نے بجلی کے پول پر ایک نوٹس لگانا چاہا۔مگر اس طریق سے کہ میں اُسے دیکھ لوں ۔میں نے وہ نوٹس اُس سے یہ کہہ کر لے لیا ۔کہ میں اس کی نقل ٹائپ کر کے واپس کر دوں گا۔محترم دردؔ صاحب کو جا کر دکھایا پھر اس کی چند کاپیاں ٹائپ کیں۔اور نوٹس سب انسپکٹر کو واپس کر دیا۔جس نے اُسے چسپاں کر دیا۔

صدرِ محترم نے مہاراجہ کو جو تار دیا تھا اس کی تائید جلسہ عام میں تو ہو گئی تھی۔نمائندگان کی طرف سے ایک اور میموریل ان کی درخواست اور مشورہ کے بعد محترم دردؔ صاحب نے تیار کیا۔یہ میموریل بھی تاریخ کشمیر میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔اس میں ۱۹/اکتوبر کے مطالبات کو جلد پورا کرنے اور پتھر مسجد جو واگزار ہوئی تھی اس کے علاوہ دوسرے مذہبی مقامات کو واگزار کرنے پر زور دیا گیا تھا۔میر واعظ (احمد اللہ صاحب ہمدانی) ان دنوں اسلام آباد میں تھے ......راقم الحروف وہ میموریل اُن کے پاس لے گیا۔انہیں پڑھ کر اور ترجمہ کر کے سنایا انہوں نے بھی بڑی خوشی سے اُس پر دستخط کر دیے۔

۱۱/نومبر کو مہاراجہ کی طرف سے مطالبات کے جواب میں مفصل اعلان ہوا۔ مڈلٹن کمشن (گو اس کا ذکر اعلان میں نہ تھا) اور گلینسی کمیشن مقرر کر دیئے گئے۔پہلا کمیشن فسادات کی وجہ اور ذمہ داری کی تحقیق اور دوسرا مطالبات پر غور کرنے کے لیے...... گلینسی کمیشن میں موجود دو مسلمان لیے گئے ۔وہ نمائندگان میں سے تھے۔کشمیر کے صوبہ سے خواجہ غلام احمد عشائی اور جموں کے صوبہ سے چودھری غلام عباس تھے۔غیر مسلموں کی طرف سے مشہور صحافی تاریخ دان پنڈت پریم ناتھ بزاز بھی اس کمیشن کے ایک رکن تھے۔ان کے علاوہ جموں کا ایک ہندو تھا۔

گیارہ والا اعلان

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے صدر کی ہدایات کے ماتحت ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت کام کیا تھا۔مسلمانانِ جموں وکشمیر کے مطالبات ایسے رنگ میں تیار کئے گئے تھے۔جنہیں کوئی حقیقت پسند ماننے سے انکار نہ کرسکتا تھا۔پھر بڑی وضاحت سے اُن کی اہمیت اور مقبولیت دنیا کے ہر حصہ (خصوصاً ہندوستان۔انگلستان اور امریکہ) میں ثابت کی۔اور مہاراجہ کو ہر ممکن ذریعہ سے مطالبات کو منظور کرنے پر آمادہ کیا۔اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانانِ کشمیر کو متحد رکھا اور دشمنوں کی ہر چال کو ناکام بنادیا۔ان تمام شاندار مساعی کا نتیجہ مہاراجہ کا ۱۱رنومبر ۱۹۳۱ء والا وہ تسلی بخش اعلان ہے۔جس میں ایسے مطالبات جو فوری منظوری کے قابل تھے ان کے لیے فوری انتظام کردیا اور جن کے متعلق غور وخوض کی ضرورت تھی۔اُن پر ایک کمیشن کے ذریعہ جلد غور کر کے فیصلہ کرنے کا حکم نافذ کیا۔محترم دردؔ صاحب کا تیار کردہ درمیانی میموریل بروقت پہنچا اور بہت مفید ثابت ہوا۔چنانچہ مساجد کے متعلق اس میں جو شکایت کی گئی تھی۔اس کا ازالہ اس اعلان میں کردیا گیا تھا۔

مسلمانانِ ریاست کو جنگ آزادی کا پہلا پھل شاہ جہان کے وقت کی وسیع وعریض اور شاندار مسجد (جو پتھر مسجد کے نام سے موسوم ہے) کی واگزاری کے رنگ میں ملا تھا۔۲۹ر نومبر ۱۹۳۱ء کو اس رسم افتتاح ادا کی گئی۔اس موقع پر پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں کا مجمع تھا اور کشمیر کی تاریخ میں اس سے بڑا اجتماع کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اراکین اور کارکنان کو اعزازی مہمان کے طور پر خاص طور سے مدعو کر کے سٹیج پر بٹھایا گیا۔خواجہ سعد الدین شالؔ کی صدارت میں جلسہ ہوا۔مولوی عبداللہ وکیل۔شیخ محمد عبداللہ۔مولانا سید میرک شاہ۔میاں احمد یار اور پیر حسام الدین نے تقاریر کیں۔

شاندار خدمات کا اعتراف

راقم الحروف اس جلسہ میں شروع سے آخر تک موجود رہا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ''اللہ اکبر''......''اسلام زندہ باد'' اور ''صدر کشمیر کمیٹی زندہ باد'' کے نعرے بلند ہوتے تھے ۔اور حاضرین خوشی سے اچھلتے تھے ۔اسی جلسہ میں جو تین ریزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوئے ۔ان میں سب سے پہلا آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اُس کے محترم صدر کے شکریہ پر مشتمل تھا۔ایک قرارداد میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ کہ یہ مسجد ہر فرقہ کے مسلمانوں کے لیے کھلی رہے گی اور اس میں سب کو نماز ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔

......نیز اس مسجد میں کوئی ایسی تقریر نہیں کی جائے گی جس سے کسی فرقہ کے جذبات مجروح ہوں ۔کیونکہ یہ مسجد تمام فرقوں کے مسلمانوں کی متحدہ کوشش سے واگزار ہوئی ہے......

جلسہ سے فراغت کے بعد ہم لوگ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد جب رات گئے اپنے ہاؤس بوٹ پر پہنچے تو ہمارا ہاؤس بوٹ پھولوں ۔ہاروں اور بجلی کے قمقموں سے روشن تھا اور گھاٹ پر بھی چراغاں تھا۔ یہ سب کام رضا کاروں نے خود بخود کیا تھا۔ان میں بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام قادر ڈکٹیٹر، خواجہ غلام محمد صادق اور خواجہ غلام محی الدین کرّہ پیش پیش تھے ۔اور یہ سب دوسرے رضا کاروں کے ہمراہ موجود تھے۔ ہمارے ہاؤس بوٹ پر پہنچتے ہی ان لوگوں نے پھر خوشی سے نعرے لگائے۔

صوفی نیاز

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ریاستی مسلمانوں کی امداد کے لیے جو آزمودہ کارکن کشمیر میں بھجوائے ۔ان میں صوفی عبد القدیر نیاز (بی ۔اے) کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔وہ

انگلستان سے واپس آ چکے تھے۔واللہ اعلم ریاستی حکام صوفی صاحب سے کیوں گھبراتے تھے ۔ان کو بغیر کسی الزام یا قانون کے ریاست کے داخلہ سے روک لیا۔لیکن صوفی صاحب تو یہ عزم صمیم لے کر گھر سے روانہ ہوئے تھے۔کہ مظلومین کی امداد کا جو مشن ان کے سپرد ہوا ہے وہ اسے ضرور پورا کریں گے۔چنانچہ تمام رکاوٹوں کے باوجود سری نگر پہنچ گئے۔راقم الحروف بچپن ہی سے صوفی صاحب کو جانتا ہے۔جب وہ وارد ہوئے تو مجھ سے صرف ایک گز کے فاصلہ پر تھے لیکن میں انہیں پہچان نہ سکا۔صوفی صاحب کئی ماہ سری نگر میں کام کرتے رہے۔

شیخ بشیر احمد سری نگر میں

مڈلٹن کمیشن اور گلینسی کمیشن کے لیے شہادتوں کی تیاری اور سنگین مقدمات کی پیروی کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کے قانون دان کی خدمات کی ضرورت تھی۔شوپیاں کیس ساری وادی میں بہت اہمیت حاصل کر چکا تھا ۔شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ اپنے ضلع سے لاہور ہائی کورٹ میں پہنچ کر ترقی کی منازل بڑی سرعت سے طے کر رہے تھے لیکن صدرِ محترم کے اشارہ پر سب کام بند کر کے سری نگر پہنچ گئے ۔اور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔دونوں کمیشنوں کی تیاری اور مقدمات کی پیروی کے کام میں بڑی عرق ریزی کی۔جس کے نتائج بھی شاندار برآمد ہوئے......شوپیاں کیس کو جس میں کئی سرکردہ مسلمان قتل کے الزامات میں ماخوذ تھے۔اس قابلیت سے چلایا کہ

... صرف چند دن کی کارروائی کے بعد محترم شیخ صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر جج نے اس کیس کے ایک اہم ملزم کو رہا کرنے کا حکم دیا۔

جس پر اسلامیانِ کشمیر کے لیڈر شیخ محمد عبداللہ نے شیخ صاحب اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو شکریہ کے تار دیئے۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اُن کا ذکر تو بعد میں آئے گا۔ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے مناسب سمجھا کہ وہ صدرِ محترم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر تمام مسلمانانِ کشمیر کی طرف سے شکریہ ادا کریں۔ چنانچہ وہ دسمبر ۱۹۳۱ء کے آخری ہفتہ میں اس غرض سے قادیان تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالرحیم دردؔ۔ شیخ بشیر احمد اور مولانا غزنوی پنجاب جا رہے تھے۔ شیرِ کشمیر ان کے ہمراہ گئے۔

راقم الحروف اور چودھری عصمت اللہ خاں وکیل اِن صاحبان کے جانے کے بعد سری نگر میں ہی تھے کہ خواجہ غلام محمد صادق اور اُن کے نسبتی بھائی غلام محی الدین کرّہ نے مجھ سے خواہش کی کہ وہ بھی قادیان جا کر صدرِ محترم سے ملاقات اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں ۔اور اصرار کیا کہ میں اُن کے ساتھ چلوں ......راقم الحروف نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا دفتر چودھری عصمت اللہ خاں صاحب وکیل کے سپرد کیا اور ۲۴ ر دسمبر کو سری نگر سے روانہ ہو کر ۲۶ ر دسمبر کی صبح کو ہم تینوں صدر محترم کے حضور پہنچ گئے۔

کانگرسی مسلمانوں کی سول نافرمانی

اُس وقت جب اہالیان کشمیر اپنے مطالبات پیش کر کے اُن کی منظوری کے منتظر تھے ۔ان لوگوں نے جو کانگرس سے وقتی طور پر رُوٹھ کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ مسلمانانِ کشمیر کی مؤثر تحریک کو عین وقت پر سبوتاژ کرنے کے لیے جمہور مسلمانوں اور کشمیری نمائندوں کی رائے کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانے اور ریاست میں جتھے بھجوانے کا اعلان کر دیا۔ ان میں سے بعض کو یہ زعمِ باطل تھا کہ وہ اِس طرح مسلمانوں کے گاندھی اور نہرو بن جائیں گے۔ لیکن

کاٹھ کی ہنڈیا کب تک کام دے سکتی! (ان لوگوں کے متعلق کشمیر کے مسلمہ لیڈر شیخ محمد عبداللہ کی رائے پہلے آچکی ہے) دوسرے لیڈر چودھری غلام عباس احرار کے لیڈروں کے متعلق لکھتے ہیں کہ

> ''......جماعت احرار کے بزرگوں اور لیڈروں سے جموں اور کشمیر کے مسلمانوں کو شدید اختلافات تھے ۔یہ تحریک انہوں نے ہماری شدید مخالفت کے باوجود ایسے حالات میں شروع کی۔ جو اسلامیانِ ریاست کی اس وقت کی سیاسی فضا کے لیے سازگار نہ تھی۔کمیشن کے فیصلہ کی طرف ہندوستان اور ریاست کے مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں ۔اور ہر معقول آدمی اس وقت کسی غیر آئینی کارروائی کو مفادِ ملت کے خلاف ایک تخریبی حرکت تصور کرتا تھا''۔1(کش مکش ص ۱۱۷)

اپنی موت مرگئی

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی سے سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں جوش و ہیجان تھا۔ایسے وقت میں ناسمجھ اور جوشیلے طبقہ کو اشتعال دلا کر ان کے جوش کا استحصال کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔لوگ جتھوں میں جانے لگے۔لیکن چند ہی دنوں کے بعد اُن کو حقیقتِ حال کا پتہ چل گیا اور معافیاں مانگ مانگ کر واپس بھی آنے لگ گئے۔جیل سے باہر آنے والوں کی واپسی کا یہ ردعمل ہوا کہ آئندہ کے لیے قربانی کے بکرے ملنے ختم ہوگئے اور یہ تحریک بہت جلد اپنی موت آپ مرگئی۔

بے شک اس تحریک کے ایک بڑے لیڈر نے اپنے ان والنٹیئرز کی شان میں یہ قصیدہ صدفی صد ٹھیک ہی کہا ہے کہ......وہ

''......وہ نشے سے صبر نہیں کرسکتا۔قوم کی عزت وشان بیچ کر معافی مانگ کر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر کا راستہ لیتا ہے پھر کیا نشے کے عادی افراد کے بل بوتے پر قومی جنگ جیتی جاسکتی ہے؟''۔1(تاریخ احرار ص ۸۷)

مزید والنٹیئر نہ ملنے اور ایجی ٹیشن ختم ہونے کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

''...... یہ میرے گمان میں بھی نہ تھا۔کہ مجاہد روزوں کے بہانے کھسک جائیں گے۔ہمارے دلوں میں مذہب نے کیسی بُری صورت اختیار کرلی ہے۔جہاد قومی عبادتوں اور رسمی روزوں پر قربان کیا جانے لگا ہے۔غرض جو نہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا۔رمضان میں عام مسلمانوں کی خاموشی میدان سے باقاعدہ پسپائی نہ تھی۔بلکہ ہتھیار اُٹھانے سے کانوں پر ہاتھ دھرنا تھا۔ان حالات میں دفتر نے اعلان کردیا کہ عید کے بعد سول نافرمانی کا پروگرام زور شور سے جاری کیا جائے گا۔حالانکہ اب کسی ''زور شور'' کی امید باقی نہ تھی۔اب ہمارے پاس بہت تھوڑے والنٹیر رہ گئے تھے۔وہ بھی پتنگ کی طرف اداس اور اکیلے اکیلے سڑک کے حاشیوں پر پھرتے تھے......''۔1(تاریخ احرار صفحہ ۷۴)

رضا کاروں کے بعد عورتیں

جب ان لوگوں کو ہر طرف سے ناکامی ہوئی تو عورتوں کو آگے کیا۔لیکن یہاں بھی سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔چنانچہ اس شکست کا رونا اسی طرح رو دیا گیا:۔

''......اب عالی حوصلہ عورتیں کہاں سے آئیں گی۔کہ اس سرد بازاری اور سست رفتاری میں خود قُربان ہوکر مَردوں کی غیرت کو للکاریں۔جب مَردوں کا مذہب میدانِ محاربہ کو چھوڑ کر رمضان کے روزوں اور نمازوں کے لیے معتکف ہوجانا ہو تو حالاتِ زمانہ سے ناواقف رکھی ہوئی عورتیں

تعلیم اسلامی سے بے خبر بیچاریاں کیا پہاڑ ڈھائیں ......''(تاریخ احرار صفحہ ۴۷)

اِن عورتوں نے جو کام کیا اور اس کا جو حشر ہوا۔وہ یہ تھا:۔

''مختلف بیانات کے ذریعے مسلمانوں کے سرد سینوں میں ایمان کی بجھی چنگاریوں کو ہوا دینا شروع کی ۔سلگتی کو بھڑکایا جاسکتا ہے مگر اوس پڑے ایندھن کی جلایا نہیں جاسکتا......''(تاریخ احرار صفحہ ۴۷)

نتائج و علاج

اس ایجی ٹیشن سے متاثر ہوکر علاقہ میرپور کے ایسے لوگوں نے (جن میں جوش تو تھا لیکن ہوش سے عاری تھے) اپنے لیڈروں اور بہی خواہوں سے مشورہ کئے بغیر انفرادی طور پر عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک شروع کردی۔ریاستی حُکام کو بہانہ مل گیا۔بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔انہوں نے اُن پر وہ ظلم ڈھائے۔کہ سری نگر۔شوپیاں۔سوپور اور جموں کے مظالم بھی ماند پڑ گئے اور اس علاقہ کے مظلوم انگریزی مملکت کی طرف بھاگنا شروع ہوگئے۔

صدرِ محترم کشمیر کمیٹی نے اپنے نمائندہ خصوصی سید زین العابدین ولی اللہ شاہ کو موقع پر پہنچ کر صورت حال صورت معلوم کرنے اور اصلاح احوال کی کوشش کے لیے جموں بھجوایا۔اس سے پہلے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے فسادات جموں کے متعلق مسٹر جیکینز (اسپیشل برٹش آفیسر) سے خط وکتابت بھی ہوچکی تھی۔جس وقت شاہ صاحب جموں پہنچے تو ینگ مینز ایسوسی ایشن اور جمہور مسلمان ریاستی حکام کا جانب دارانہ رویہ دیکھ کر فسادات کی تحقیق میں عدم تعاون کرنے پر مصر تھے۔محترم شاہ صاحب نے مسٹر لاتھر (انسپکٹر جنرل پولیس) سے ملاقات کرکے مسلمانوں کی شکایات کو دور کرنے کا تقاضا کیا۔انہوں نے یقین دلایا کہ مقدمات کی

تحقیق وتفتیش عدل وانصاف سے ہوگی۔اس پر ایسوسی ایشن کے اراکین نے تعاون کرنا منظور کرلیا۔شاہ صاحب کی کوشش سے ان شرائط پر فریقین میں سمجھوتہ ہوا کہ

اول:۔ ایسے مسلمان مقامی پولیس افسروں کے ذریعہ تحقیق ہوگی جن کو مسلم پبلک قابل اعتماد سمجھے۔

دوم:۔ ان کی مدد کے لیے باہر سے مسلمان پنشنز آفیسر بلائے جائیں گے۔

سوم:۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن کے دو نمائندے تفتیش کے وقت موجود رہیں گے۔

اس سمجھوتہ کی اطلاع سپیشل برٹش آفیسر کو بھی کردی گئی اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ، قاضی گوہر رحمٰن ڈکٹیٹر جموں کی معیت میں صدرِ محترم کشمیر کمیٹی کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور تمام حالات گوش گذار کیئے۔

’’......ان وکلاء نے اپنے کاروبار کی پروانہ کرتے ہوئے نہایت اخلاص سے اپنی خدمات آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سپرد کی تھیں اور رات دن کام کیا تھا۔ ان کی محنت اور قربانی کے نہایت شاندار نتائج نکلے اور بیسیوں بے گناہ بری قرار دیئے گئے......‘‘

وکلاء کا ایثار

صوبہ کشمیر میں جو وکلاء صدر کشمیر کمیٹی کی ہدایت کے ماتحت تشریف لے گئے تھے ان کا کچھ ذکر پہلے آچکا ہے۔ جموں میں بھی وکلاء کی ضرورت تھی چنانچہ چودھری عزیز احمد باجوہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی پریکٹس بند کر کے اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کر دیا۔ دیگر کاموں کے لیے بھی کارکنوں کی ضرورت تھی۔ چودھری صاحب کے بڑے بھائی چودھری محمد عظیم باجوہ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور دونوں بھائی اپنے ایک خادم کو ساتھ لیکر جموں پہنچ گئے اور کام شروع کر دیا۔

ان کے جموں پہنچنے کے چند روز بعد میر محمد بخش ایڈووکیٹ (گوجرانوالہ) نے بھی دو ماہ کے لیے اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا۔ انہیں بھی جموں بھجوا دیا گیا۔

ان دنوں اگر ریاست سے باہر کا کوئی وکیل کسی مقدمہ میں پیش ہوتا۔ تو اسے ہر مقدمہ میں ایک بڑی رقم بطورِ فیس کورٹ داخل کرنا پڑتی۔ صدرِ محترم نے چودھری اسد اللہ خاں بیرسٹر ایٹ لاء لاہور کو جموں بھجوایا کہ وہ ہائی کورٹ سے اس بات کی منظوری لیں کہ آل انڈیا

کشمیر کمیٹی کے تحت کام کرنے والے وکلاء کو فسادات کے مقدمات میں ملزمان کی طرف سے بغیر اُجرت پیروی کرنے کی اجازت ہو۔ چودھری صاحب نے صدرِ محترم سے ہدایت ملتے ہی جموں وکشمیر کے چیف جسٹس سر بار جو دلال کو انٹرویو کے لیے تار دیا۔ ان کا جواب بذریعہ تار آ گیا کہ چودھری صاحب تشریف لا سکتے ہیں۔ چنانچہ چودھری اسد اللہ خاں وہاں پہنچے اور چیف جسٹس نے ان کی درخواست کو منظور کرلیا۔ سر دلال الہٰ آباد ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج تھے اور انصاف پسند تھے۔ ان دنوں جب کہ ہائی کورٹ سری نگر میں تھا۔ اُن کی عدالت میں شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ کئی بار پیش ہو چکے تھے۔ اور شیخ صاحب کا اُن پر بڑا اچھا اثر تھا۔

مخلصانہ ایثار اور خدمات

وکلاء کی خدمات کے یہ واقعات ۱۹۳۱ء کے آخر کے ہیں۔ ان وکلاء اور دوسرے وکلاء کا ذکر جنہوں نے بڑی قربانی کر کے اپنے کشمیری بھائیوں کی امداد کے لیے اپنے آپ کو صدرِ کشمیر کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔ آئندہ بھی آئے گا۔ ان لوگوں نے اپنے کاروبار کی پروا نہ کرتے ہوئے نہایت اخلاص سے اپنی خدمات آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سپرد کی تھیں۔ اور رات دن کام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی محنت اور قربانی کے نہایت شاندار نتائج نکلے۔ اور بیسیوں بے گناہ بَری قرار دیئے گئے۔

ان قابل احترام وکلاء کی قربانی کا اس ایک مثال ہی سے پتہ چل جائے گا۔ کہ ایک وکیل دوست کو جب صدرِ محترم کشمیر کمیٹی نے یہ حکم دیا کہ فوراً کشمیر چلے جائیں۔ تو انہوں نے اس بات کا بھی انتظار نہ کیا۔ کہ وہ سفر کے لیے اور رہائش اور خوراک کے لیے نقدی کا انتظام کرلیں۔ گھر میں جو نقدی موجود تھی وہی لے لی اور احتیاطاً اپنی بیوی کا کچھ زیور لے لیا اور سیدھے جموں پہنچ گئے۔ کئی دنوں کے بعد جب ان کے دوسرے وکیل بھائی جموں پہنچے تو نقدی

ختم ہو چکی تھی۔انہوں نے آنے والے دوست کو بتائے بغیر ایک زیور نکالا۔کہ اُسے فروخت کر کے روپیہ حاصل کر لیں نووارد دوست کو پتہ چل گیا۔انہوں نے مذاقاً کہا کہ مجھے آپ کی چوری کا پتہ چل گیا ہے۔مگر اس کی ضرورت نہیں رہی۔

صدرِ محترم نے مجھے کچھ رقم دی ہے۔اور فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کے کھانے کا خرچ ہمارے ذمہ ہے۔

پہلے جانے والوں نے جو خرچ کیا ہو وہ بھی اس میں سے ادا کر دیں اور آئندہ بھی جو خرچ ہو۔لیتے رہیں۔یہ وکلاء جو کھانا کھاتے تھے وہ اتنا سادہ ہوتا تھا کہ جیسا معمولی غریب لوگ کھاتے ہیں۔لیکن ان مخلصین نے کبھی بھول کر بھی شکایت نہ کی کہ وہ مفت کام کرتے ہیں اور ان کو کھانا بھی اچھا نہیں ملتا۔(راقم الحروف کو بھی جب جموں جانا پڑتا تو وہ اپنے وکیل بھائیوں کے سادہ اور روکھے سوکھے دسترخوان میں شریک ہوتا۔ظ۔ا)

میر محمد بخش نے اپنے ایک دوست مولوی غلام مصطفیٰ بیرسٹر (گوجرانوالہ) کو بھی اس خدمت کے لیے تیار کر لیا تھا۔ان کو بھی جموں بلوالیا اور وہ بھی شریکِ کار ہو گئے۔دفتری کام سنبھالنے کے لیے صدرِ محترم نے لیفٹینینٹ محمد اسحاق کو ان وکلاء کے پاس جموں بھجوایا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء کے پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف ایک مقدمہ پیش ہو چکا تھا۔اس مقدمہ کی پیروی کے لیے ایک بیرسٹر سیالکوٹ سے آئے ہوئے تھے۔

جو اپنے آپ کو ایک پارٹی کا نمائندہ کہتے تھے۔لیکن پیروی مقدمہ کے لیے ساٹھ روپے یومیہ اور روزانہ سیالکوٹ سے جموں اور واپسی کا سیکنڈ کلاس کا کرایہ چارج کرتے تھے۔

(ان دنوں یہ فیس چوٹی کے وکلاء کی فیس سے بھی زیادہ تھی۔ظ۔ا)

کمیٹی کے وکلاء نے چونکہ مفت پیروی کرنا تھی ۔اس لیے جب ملزمان کو یقین ہو گیا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے بیرسٹر صاحب کو فارغ کر دیا اور مالی بوجھ سے رہائی حاصل کر لی۔

سال کے آخر میں مڈلٹن کمیشن اور گلینسی کمیشن بھی ریاست کے سرمائی دارالخلافہ جموں میں آ گئے تھے ۔اس لیے وکلاء کے لیے مقدمات کی پیروی کے علاوہ ان ہر دو کمیشنوں کے متعلق سارا کام تھا ۔وکلاء کے پہنچنے پر کام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ۔تمام مقدمات کی پیروی میر محمد بخش کے سپرد ہوئی اور کمیشنوں کے لیے شہادت کی تدوین وترتیب چودھری عزیز احمد باجوہ، مولوی غلام مصطفیٰ بیرسٹر اور چودھری محمد عظیم باجوہ کے سپرد کی گئی ٹائپ اور دفتر کا کام لفٹیننٹ محمد اسحاق کے ذمہ لگایا گیا اسی طرح یہ دونوں کام پورے نظم اور کوشش سے شروع ہو گئے ۔

حکام کی طرف سے مشکلات

ریاستی حکام کی طرف سے قدم قدم پر کارکناں کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی تھیں ۔فسادات جموں کی تحقیق کے لیے کشمیر کمیٹی کی کوشش سے جو ٹربیونل مقرر ہوا اس کے ارکان دو سیشن جج تھے ۔ان میں سے ایک ہندو اور ایک مسلم تھا ۔اب عدالت میں یہ سوال پیدا ہو گیا کہ میر محمد بخش پلیڈر ہیں اور غیر ریاستی پلیڈر ریاستی عدالتوں میں بطور وکیل پیش ہی نہیں ہو سکتا ۔میر صاحب نے ساری رات ریاستی قانون کا مطالعہ کیا اور پیروی مقدمات کے لیے یہ راہ نکالی کہ

ریاستی قانون کے ماتحت کسی ملزم کا مختار خاص مقدمہ کی پیروی کر سکتا ہے ۔

چنانچہ میر صاحب نے جیل سے تمام ملزمان کے خاص مختار نامے حاصل کر کے عدالت میں پیش کر دیئے ۔عدالت نے اعتراض کیا کہ:

جب غیر ریاستی پلیڈر پیش نہیں ہوسکتا۔تو غیر ریاستی مختار خاص کس طرح پیش ہوسکتا ہے۔

میر صاحب کا موقف یہ تھا کہ پلیڈر کے لیے بے شک شرط ہے لیکن مختارِ خاص کے لیے یہ شرط ریاستی قانون میں نہیں رکھی گئی ۔عدالت کوئی فیصلہ نہ کرسکی۔ ہائی کورٹ سے استصواب کیا گیا۔

ہائی کورٹ نے میرؔ صاحب کے موقف کی تائید کی اور اس طرح یہ روک بھی ہمیشہ کے لیے دور ہوگئی۔

کہاں ہے کمیٹی

انہی دنوں ایک لطیفہ بھی ہوا وہ بیرسٹر صاحب جو سیالکوٹ سے مقدمہ کی پیروی کے لیے فیس وصول کر کے آیا کرتے تھے۔انہوں نے کسی اخبار میں یہ نوٹ شائع کروایا کہ

......کشمیریوں کے مقدمات کی پیروی مَیں کر رہا ہوں ۔کہاں ہے کشمیر کمیٹی جو یہ دعویٰ کرتی ہے۔کہ ہمارے وکلاء ریاست میں کام کر رہے ہیں۔

حالانکہ واقعہ یہ تھا۔کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء اس وقت بھی پوری سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔اتفاق کی بات ہے کہ اس نوٹ کے شائع ہونے کے دوسرے ہی دن مسلم اکابرین نے کمیٹی کے وکلاء کو کھانے پر مدعو کیا اور درخواست کی کہ گو آپ پہلے ہی ہم پر احسان کر رہے ہیں۔اگر اجازت دیں تو جو وکیل ہم نے نے بھاری فیس دے کر مقرر کیا ہوا ہے ۔اب اُسے فارغ کر دیا جائے۔کشمیر کمیٹی نے وکلاء نے جواب دیا۔کہ ہم تو خدمت کے لیے ہی آئے ہیں۔ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔چنانچہ اس کے دوسرے روز ہی بیرسٹر صاحب فارغ کر دیئے گئے اور یوں وہ اپنی غلط ڈینگ کی بہت جلد سزا پا گئے۔

مقدمات

ٹربیونل کے سامنے دو بڑے مقدمات پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔ایک مسلمانوں کے خلاف جس میں سترہ ملزم نہایت سنگین مقدمات میں ماخوذ تھے۔اور دوسرا چند ہندوؤں کے خلاف تھا۔مسلمانوں کے مقدمہ کی پیروی میر محمد بخش کررہے تھے۔اور ہندوؤں کے مقدمہ کی پیروی سیالکوٹ کے چوٹی کے وکیل لالہ امرداس کررہے تھے۔چند دنوں کے بعد ہی لالہ امر داس جو متعصب انسان نہ تھے۔میر محمد بخش اور چودھری عزیز احمد باجوہ سے بے حد متاثر ہو گئے۔وہ چھ ماہ جموّں میں مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔لیکن میؔر صاحب کا بیان ہے کہ اس سارے عرصہ میں ایک دفعہ بھی انہیں یا مسلمانوں کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔میر محمد بخش اور لالہ امرداس نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ مقدمات ابھی کافی عرصہ جاری رہیں گے۔ملزمان جیلوں میں سڑ رہے ہیں اس لیے کیوں نہ ہم علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے ملزموں کی طرف سے یہ درخواستیں دے دیں کہ ہر دو مقدمات کے ملزمان کا اپنے بچاؤ کے لیے اس بات پر انحصار ہے کہ وہ خود حفاظتی میں لڑے ہیں۔اس لیے انہوں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا اور بالآخر اگر کسی فریق کو حفاظتِ خود کا حق دیا گیا تو وہ فریق بلاوجہ دورانِ مقدمہ جیل میں رہے گا اور مقدمات کے جلد فیصلہ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔اس لیے تمام ملزمان کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔ہر دو وکلاء نے یہ درخواستیں دے دیں جو منظور ہو گئیں اور ملزم رہا کر دیئے گئے۔

کشمیر کمیٹی کا احسان

جنوری ۳۲ء میں ایک دن راقم الحروف میر محمد بخش کے ساتھ جموں میں اُن کی جائے رہائش کی طرف جارہا تھا کہ سامنے سے ایک وجیہہ خوش پوش شخص (جس کی عمر ستر سال سے

زائد ہوگی) آئے اور میرؔ صاحب کے پاؤں کو پکڑ لیا اور کہنے لگے...... ’’میر صاحب مَیں آپ کا اور صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا شکریہ کبھی ادا نہیں کر سکتا ۔ نہ اُن کے احسان کو بھول سکتا ہوں ۔ آپ نے مجھے جیل سے کھینچ کر باہر نکال لیا ہے۔‘‘

......میرؔ صاحب نے بتایا کہ ان پر قتل ۔ آتش زنی ۔ بلوہ اور لوٹ مار کے مقدمات تھے ۔ اب میں نے ان کی ضمانت کروائی ہے۔

دیگر وکلاء

جموں میں جب کسی اہم معاملہ اور خاص قانونی نقطہ پر بحث کی ضرورت پیش آئی تو چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹر بھی بلوائے جاتے تھے...... کہ انہوں نے بھی اپنے آپ کو صدر محترم کشمیر کمیٹی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وقف کیا ہوا تھا۔ اسی طرح شیخ محمد احمد ایڈووکیٹ کپورتھلہ ، قاضی عبد الحمید وکیل امرتسر ، چودھری یوسف خاں وکیل گورداسپور بھی جن کا ذکر آگے آئے گا۔

مولانا شمسؔ

مولانا جلال الدین شمسؔ جن کے آباؤ اجداد کسی زمانہ میں کشمیر سے پنجاب آئے تھے ۔ کئی سال ہندوستان سے باہر بلاد عربیہ میں رہنے کے بعد دسمبر ۱۹۳۱ء میں واپس آئے ۔ تو صدرِ محترم کشمیر کمیٹی نے اُن کی واپسی کے دوسرے دن ہی اُن کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا نائب سیکرٹری مقرر کر کے ان کے سپرد خصوصی پراپیگنڈہ کا کام کر دیا۔ جب کوئی شخص سالہا سال کے بعد اپنے عزیز و اقارب کے پاس آتا ہے تو لازماً اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اُن سے ملاقاتیں کرے ۔ کچھ دن آرام کرے اپنے اہل وعیال کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت بیٹھے ۔ اپنے دوستوں سے ملے لیکن جناب صدر کو اللہ تعالیٰ ایسے کارکن دیتا رہا جو قومی کاموں کو ذاتی مفاد پر

ہمیشہ مقدم کرتے۔ چنانچہ شمسؔ صاحب محترم نے بھی اس موقعہ پر نہایت اخلاص اور قربانی کا مظاہرہ کیا اور اپنی آمد کے بعد دوسرے ہی دن سے پوری تندہی سے کام کرنا شروع کردیا۔

’’......ہم نے سوچا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی شخصیت ہے اگر وہ اس تحریک کی قیادت منظور کر لے تو دیانتدار کارکن بھی مہیا کر لے گی ۔سرمایہ بھی جمع کر لے گی ۔وکلاء وغیرہ بھی وہ خود دے گی ۔اخبارات میں ولایت میں اور یہاں بھی وہ پراپیگنڈہ کا اہتمام کرلیگی اور وائسرائے اور اس کے سیکرٹریوں سے بھی مل لے گی......‘‘

بدعہدی

سری نگر۔شوپیاں اور جموں وغیرہ میں ریاستی فوج اور پولیس نے ۱۹۳۱ء میں وہاں کے باشندگان کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا تھا اُس کی یاد ابھی لوگوں کے دلوں سے محو نہ ہو پائی تھی ۔جن مستورات کے خاوند شہید کر دیے گئے ۔بچے یتیم ہوئے ۔وُہ بوڑھے والدین جو اپنے جوان لڑکوں سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھے۔وہ سب کے سب ابھی خون کے آنسو رو رہے تھے کہ ۱۹۳۲ء کا آغاز میرپور، راجوری، ریاسی،کوٹلی وغیرہ میں نہایت بہیمانہ اور المناک حادثات سے ہوا۔

سمجھوتے کی تعمیل سے گریز

جموں کے باشندگان کی طرف سے صدرِ کشمیر کمیٹی کو یہ شکایات موصول ہونا شروع ہو گئیں کہ مسٹر لاتھر کے ساتھ جو سمجھوتہ ہوا تھا اس کی تعمیل نہیں ہو رہی ۔فسادیوں کے خلاف بعض مقدمات کی ضمنیاں تیار ہو چکی تھیں ۔لیکن چالان عدالت میں پیش کرنے سے روک دیئے

گئے اور باہر سے بھی حسبِ وعدہ افسران نہیں بلائے گئے۔

دوسری طرف میر پور میں عدم ادائیگی مالیہ کا بہانہ بنا کر زمینداروں کو گولیوں اور برچھیوں کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس علاقہ میں اس قدر مالیہ لگا دیا گیا تھا جس کی ادائیگی کاشت کاروں کی طاقت سے باہر تھی اور زمیندار (جن میں ہندو زمیندار بھی شامل تھے) ریاست سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ موجودہ مالیہ نا قابلِ برداشت ہے۔ اسے کم کر کے ملحقہ انگریزی علاقہ کے اضلاع، جہلم، راولپنڈی وغیرہ کے برابر کر دیا جائے۔

انسپکٹر جنرل پولیس، گورنر جموں اور وزیر وزارات نے 128 فوجی جوان، 50 سوار 45 پولیس مین لیکر عدم ادائے مالیہ کے سلسلہ میں ایک دن میر پور پر چھاپہ مارا۔ عورتوں کے زیورات تک اُتار لیے اور گھر کے دیگر ساز و سامان کے علاوہ تمام مویشی بھی قرق کر لیے۔ جب یہ حکام جانے لگے تو زمیندار نے رسیدات مانگیں جو نہ دی گئیں۔

اس پر نہتے لوگ جانوروں کے آگے لیٹ گئے۔ لاٹھی چارج اور فائرنگ کا حکم ہوا اور خُوب کشت و خون ہوا۔

اس کے بعد ریاسی، راجوری اور کوٹلی وغیرہ مقامات پر بھی یہی حشر برپا ہوا۔

شیخ محمد عبداللہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے ملاقات کرنے اور آئندہ پروگرام کے متعلق غور و فکر اور مشورہ کے بعد واپس سری نگر پہنچ گئے۔ میر پور کے مظالم کے خبریں جموں اور کشمیر میں برابر پہنچ رہی تھیں۔ سری نگر میں برف باری ہو رہی تھی اس کے باوجود ایک عظیم الشان احتجاجی جلسہ ہوا۔ جموں میں ریاستی حکام نے اسے ہندو مسلم سوال بنا دیا۔ سمجھ دار ہندو تو اس جنگِ آزادی میں مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن (اُن کے) جاہل عوام ریاستی حکام کے ہاتھوں کھیل رہے تھے۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن کی طرف سے صدر کشمیر کمیٹی کی خدمت میں

بہت تشویش اور گھبراہٹ کے تار آئے۔

صدر کمیٹی نے فوراً سید زین العابدین ولی اللہ شاہ کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے جموں بھجوایا۔ مسٹر لاتھر وہاں موجود نہ تھے۔ شاہ صاحب مولوی یعقوب علی نمائندہ جموں کو ساتھ لیکر میر پور پہنچے۔ وہاں کے حالات معلوم کئے۔ مالیہ وصول کرنے کا نہایت شرمناک طریق اختیار کیا گیا تھا۔ رات کے آخری حصہ میں گاؤں پر چھاپا مارا جاتا۔ گھروں میں داخل ہوکر برتن، زیورات، مویشی جو کچھ ہاتھ آتا۔ پولیس ساتھ لے جاتی۔ حالات اس قسم کے تھے کہ اس بارہ میں مزید قدم اُٹھانے سے پہلے صدرِ محترم کو اصل حالات سے باخبر کرنا اور ہدایات حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب واپس صدر آل انڈیا کمیٹی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

طبی وفود کی رروانگی

مجروحین کی طبی امداد کے لیے جناب صدر نے دو طبی وفد (ایک میجر ڈاکٹر محمد شاہ نواز کی سرکردگی میں اور دوسرا ڈاکٹر قاضی محمد منیر کی سرکردگی میں) ریاست میں بھجوادیئے۔ ان طبی وفود نے ہر قسم کی مشکلات اور روکوں کے باوجود نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں۔

اصلاح احوال کے لیے وفد

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مولانا عبد الرحیم دردؔ۔ سید زین العابدین اور مولانا اسمٰعیل غزنوی پر مشتمل ایک وفد جموں بھجوایا تا کہ حکام سے ملکر اصلاح احوال کی کوشش کریں۔ راقم الحروف کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا کارکن ہونے کی حیثیت سے مولانا دردؔ کے ساتھ بھجوایا گیا۔ جموںؔ پہنچ کر اس وفد نے پورے زور سے کام شروع کردیا۔ وزیر اعظم

سے ملاقاتیں ہوئیں۔ پبلک کے نمائندوں کے مشورہ سے ایک ایسا طریق کار سوچا جارہا تھا

جس کے نتیجہ میں مطالبات کے لیے معقول جدو جہد بھی جاری رہے اور کوئی ایسا امر پیدا نہ ہو جو اشتعال پیدا کرنے والا ہو۔عین اس وقت جب امن کی بحالی کے لیے یہ کوشش ہو رہی تھی ۔محترم صدر کمیٹی کا تار جموں میں مولانا دردؔ کو موصول ہوا کہ

"......مفتی ضیاالدین کو کشمیر بدر کیا جارہا ہے"۔

یہ تار وزیر اعظم کو دکھایا گیا اور وفد نے ان پر یہ بات واضح کر دی کہ ایسے وقت میں جب کہ کشمیر کی فضا میں سکون ہے اور میر پور کے حالات کو پُر امن بنانے کے لیے سعی جاری ہے ۔یہ اقدام غیر دانش مندانہ ہے ۔وزیر اعظم نے وفد کے ممبروں کے ساتھ یہ وعدہ کیا ۔کہ جلاوطنی کے احکام واپس لے لیے جائیں گے۔مولانا دردؔ نے غزنوی صاحب کو پھر پرائم منسٹر کے پرسنل اسسٹنٹ جیون لال مٹو کے پاس بھیجا کہ پرائم منسٹر کے وعدہ کی تعمیل ہو جائے۔ غزنوی صاحب ساری رات اس جدو جہد میں بھاگ دوڑ کرتے رہے۔تین بجے ڈاک بنگلہ پر جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔واپس آئے اور بتایا اور ان کو مٹوؔ صاحب نے یقین دلایا ہے کہ احکام واپس لے لیے گئے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ

پرائم منسٹر نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے مفتی ضیاء الدین کو ریاست بدر کر دیا ہے۔

انگریزی افواج کی آمد

۱۹۳۱ء کے آخر میں جموںؔ میں جب حالات مخدوش ہو گئے تھے ۔تو انگریزی حکومت نے وہاں انگریزی علاقہ کی افواج کو نظم وضبط قائم کرنے کے لیے بھجوایا تھا۔جس سے ریاستی حکام بے دست وپا ہو گئے تھے ۔اور جب تک انگریزی افواج حدودِ ریاست میں مقیم رہیں مسلمان گولیوں کی مشق سے محفوظ رہے لیکن جونہی مہاراجہ کے زور دینے پر ان کو واپس بلا لیا گیا ۔پھر پہلے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ۔اور میرؔ پور وغیرہ کے واقعات شروع ہو گئے اور ایک دفعہ پھر

تشدد اور گرفتاریوں کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری

مفتی ضیاء الدین کو ریاست سے نکالنے کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا ۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی کوشش سے اب کئی نوجوان کام کے لیے تیار ہو چکے تھے چنانچہ محمد یوسف خاں صاحب بی ۔اے (جو بعد میں ایل ایل بی ہو کر وکیل بنے)اور مفتی جلال الدین ایم ۔اے کام چلاتے رہے اور صدر کمیٹی کو حالات کی اطلاع دے کر ہدایات حاصل کرتے رہے ۔صوفی عبدالقدیر نیاز سری نگر میں تھے ۔ان کے نہایت دانش مندانہ مشوروں کی وجہ سے وادی کشمیر میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔لیکن ریاست کے نادان حکام نے

......محترم صوفی صاحب کو حکم دے دیا ۔کہ چوبیس گھنٹے کے اندر حدودِ ریاست سے نکل جائیں......

صوفیؔ صاحب نے تحریری حکم کے بغیر نکلنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حکومت کو تحریری حکم دینا پڑا۔

وزیر اعظم کی بد عہدی کے بعد مولانا دردؔ اور غزنویؔ صاحب جموں ہی رہے اور سید زین العابدینؔ کو میر پورؔ بھجوا دیا گیا۔ہم لوگ جموں سے ۳۱/جنوری کو واپس ہوئے ۔ابھی ہم جموں میں ہی تھے کہ ۲۹/جنوری ۳۲ء کو مسلم نمائندگان جموں کا وفد جس میں مولانا یعقوبؔ علی ،چودھری غلام عباس، شیخ محمد امین ،اور سید محمد امین شاہ شامل تھے ۔مہاراجہ سے ملا ۔ایم یعقوب علی نے بڑی وضاحت سے مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ مہاراجہ کے سامنے پیش کیا مہاراجہ نے وفد کو یہ دھمکی دی کہ اب مسلمان نرمی کے مستحق نہیں رہے۔

مہاراجہ نے اپنی دھمکی کو سچ کر دکھایا اور بارہؔ مولا اور سوپورؔ میں گولی چلا دی۔ جس میں

ایک عورت جو گھاٹ پر پانی لینے جارہی تھی گولی سے موت کے گھاٹ اُتار دی گئی اور متعدد لوگ زخمی ہوئے۔

احتجاجی تار

محترم صدر کمیٹی نے ایک طرف مہاراجہ کشمیر سے تار کے ذریعہ احتجاج کیا اور لکھا کہ اس وقت جو کاروائیاں ریاست میں ہورہی ہیں۔ان سے کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا۔دوسری طرف وائسرائے ہند کو ایک لمبا تفصیلی تار دیا جس میں لکھا کہ

''آپ کے یقین دلانے پر مجھے اطمینان ہو چلا تھا کہ کشمیریوں کی شکایات دور کر دی جائیں گی۔اور ریاست اپنی متشددانہ پالیسی ترک کر دے گی۔یہ اطمینان دلانے پر میں نے ریاست کے اندر اور باہر اس امر کے لیے پوری پوری کوشش کی۔کہ وہ لوگ پُر امن رہیں اور گلینسی اور مڈلٹن کمیشنوں نیز مسٹر جنکنز اور مسٹر لاتھر سے تعاون کریں۔لیکن ہماری مصالحانہ مساعی کے باوجود ریاستی حکام انتہائی تشدد میں مصروف رہے اور ان کے لیڈروں کو گرفتار اور ایک کو ریاست بدر کر دیا گیا ہے۔یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہوا ہے جب کہ میری ہدایت پر سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی جموں میں امن کی بحالی کے لیے کوشاں ہیں......''

اس تار کے آخر میں صدرِ محترم نے جو کچھ لکھا وہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا ۔آپ نے لکھا:۔

''......میں ایک بار پھر آپ سے اپیل کرتا ہوں۔کہ فوری مداخلت کر کے حالات کو بد سے بدتر صورت اختیار کرنے سے بچائیں۔اگر آپ کے لیے

اس میں مداخلت ممکن نہ ہوتو مہربانی فرما کر مجھے اطلاع کردیں تاکہ میں
مسلمانانِ کشمیر کو اطلاع دے سکوں کہ اب اُن کے لیے سوائے اس کے کوئی
چارہ نہیں کہ یا تو جدوجہد میں ہی اپنے آپ کو فنا کردیں اور یا دائمی غلامی پر
رضامندی ہوجائیں......''

سن رائیز

ہفت روزہ انگریزی اخبار ''سن رائیز'' نے کشمیریوں کے موقف کی تائید میں نہایت معرکتہ الاراء مضامین شائع کئے اس کے ایڈیٹر ملک غلام فرید (ایم۔اے) تھے۔ یہ وہ اخبار تھا۔جس کے مضامین دوسرے اخبارات بھی نقل کیا کرتے تھے۔اور لنڈن میں پارلیمنٹ کے ممبروں اور انڈیا آفس کے افسران تک یہ اخبار پہنچتا تھا۔اس اخبار کے ایڈیٹوریل عموماً محترم میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی ہی کے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔جسے ملک صاحب (ایسی اعلیٰ قابلیت کا اخبارنویس) عمدہ انگریزی میں ترجمہ کرکے شائع کرتا تھا۔

اقبال وفرید

ملک غلام فرید ایم۔اے کی ایک مرتبہ ڈاکٹر سرمحمد اقبال سے ملاقات ہوئی کشمیر کمیٹی کے صدر کے ذکر پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:۔

''......ملک صاحب سچی بات تو یہ ہے کہ جب کشمیر میں تحریکِ
آزادی شروع ہوئی اور ہم نے دیکھا کہ بچارے کشمیریوں کو مہاراجہ تباہ
کرکے رکھ دے گا۔تو مجھے اور دیگر مسلمان لیڈروں کو خیال پیدا ہوا کہ
کشمیریوں کی کیسے مدد کی جائے۔ہم نے سوچا اگر ہم نے جلسے وغیرہ کئے

۔اور کارکنوں اور سرمایہ کے لیے تحریک کی تو اول تو دیانت دار کارکن نہیں ملیں گے اور سرمایہ جمع نہیں ہوگا۔......اور جو سرمایہ جمع ہوگا وہ بے ایمان کارکن کھا جائیں گے اور اس دوران میں مہاراجہ تحریک کو کچل کر رکھ دے گا ۔کام فوراً شروع ہونا چاہیے۔ہم نے سوچا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی شخصیت ہے کہ اگر وہ اس تحریک کی قیادت منظور کر لے تو دیانتدار کارکن بھی مہیا کر لے گی سرمایہ بھی جمع کر لے گی وکلاء وغیرہ بھی وہ خود دے گی اخبارات میں ولایت میں اور یہاں بھی پراپیگنڈہ وہ خود کر لے گی ۔اور وائسرائے اور اس کے سیکرٹریوں سے ملاقات بھی خود کر لے گی وہ شخصیت مرزا محمود احمد ہیں......''

چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے فیئر ویو (FAIR VIEW) کوٹھی شملہ میں ۲۵ر جولائی ۱۹۳۱ء کو اپنی سکیم کو اس وقت عملی جامہ پہنایا۔جب کہ انہوں نے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا انتخاب کیا۔اور جس تقریب کا آنکھوں دیکھا حال پہلے آ چکا ہے۔

''اس ساری جدوجہد کا خاطر خواہ اثر ہوا۔مہاراجہ کو مجبور کر دیا گیا کہ سر ہری کشن کول کو وزارت عظمیٰ کے عہدہ سے علیحدہ کر دے چنانچہ ایک دن یہ حیران کن خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ کول صاحب خرابی صحت کی بنا پر مستعفی ہو گئے ہیں......''

تاریخی ملاقات

جموں وکشمیر کے نمائندگان نے جب نومبر ۱۹۳۱ء میں اپنے مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کر دیئے تو شیخ محمد عبداللہ راہنمائے کشمیر اور صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ملاقات ضروری تھی تا کہ بالمشافہ گفتگو کے بعد آئندہ کے لیے لائحہ عمل تجویز ہو سکے۔شیخ صاحب کا کشمیر سے باہر پنجاب وغیرہ جانا ان دنوں مناسب اور ممکن نہ تھا۔اس لیے تجویز ہوئی۔ کہ گڑھی حبیب اللہ میں یہ ملاقات ہو۔سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی ان دنوں سری نگر میں ہی تھے۔تاریخ مقررہ پر جناب صدر تکلیف فرما کر اور دور دراز کا سفر کر کے گڑھی حبیب اللہ تشریف لے گئے۔رات ڈاک بنگلہ میں قیام فرمایا۔سری نگر سے مولانا دردؔ۔مولانا اسمٰعیل غزنوی اور شیخ محمد عبداللہ بھی سحری کے وقت روانہ ہو کر صبح سویرے وہاں پہنچ گئے۔راقم الحروف ان دنوں سری نگر میں ہی تھا ۔کشمیر کمیٹی کے کارکنوں میں سے مولوی عصمت اللہ بہلول پوری ساتھ گئے۔

اس تاریخی ملاقات میں تمام معاملات کے متعلق جو اس وقت درپیش تھے۔ پوری

دلجمعی کے ساتھ مشورہ ہوا جس کے بعد یہ قافلہ واپس آ گیا۔

(اس سفر میں صدر محترم کا جو ذاتی عملہ ساتھ تھا۔ جنابِ صدر کے ان تمام سفروں میں جو کہ کشمیر کے سلسلہ میں آپ نے کئے آپ کے ساتھ رہا.....شیخ یوسف علی بی اے پرائیویٹ سیکرٹری ...... ڈاکٹر حشمت اللہ میڈیکل آفیسر اور خان یحییٰ خان آپ کے دفتر کے ہیڈ کلرک.....میاں نذیر احمد بھاگلپوری موٹر ڈرائیور اور خان میر خاں افغان۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان سب کے قلوب میں بھی ان کے آقا نے اپنے والی چنگاری ہی سلگا دی ہے۔ظ۔ا)

کون آیا۔کون گیا

ریاست کی طرف سے ہمارے ہاؤس بوٹ کی سخت نگرانی ہوتی تھی کہ کون آیا۔کون گیا۔لیکن اس سفر کا کسی کو پتہ نہ چلا۔غزنوی صاحب نے مجھے واپسی پر بتایا کہ جب ہم کشمیر کا بیریئر عبور کرنے لگے تو بہت سویرا تھا۔سخت سردی تھی۔سپاہی اُونگھ رہا تھا۔میں نے اُسے کہا کہ رجسٹر لاؤ میں خانہ پوری کر دیتا ہوں (کیونکہ ہر آنے جانے والے کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا) تم بیریئر کھول دو۔وہ ادھر گیا تو میں نے اس طرح نام لکھے عبد الرحیم۔عبد اللہ۔عصمت اللہ۔اسماعیل......اب اِن ناموں سے کوئی خاک بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ کون ہیں؟ کیونکہ وہاں جن لوگوں کی نگرانی ہو رہی تھی وہ دردؔ صاحب،غزنوی صاحب اور شیخ محمد عبداللہ کہلاتے تھے۔کئی دن کے بعد کی چیکنگ میں یہ انکشاف ہوا کہ باہر جانے والے کون تھے۔اس پر ڈیوٹی والے پولیس والوں کی شامت آ گئی۔لیکن یہ پھر بھی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ لوگ گئے کہاں تھے اور کیا کر کے واپس آئے ہیں۔انگریزی علاقہ میں بھی یہ ملاقات صیغۂ راز ہی میں رہی۔

مسلمانانِ کشمیراورڈوگرہ راج

کشمیر کی جنگِ آزادی کے سلسلہ میں ملک فضل حسین کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں ۔انہوں نے ایک محققانہ کتاب لکھی جس میں اہالیانِ کشمیر کی زبوں حالی اور تباہی و بربادی کی نشاندہی کر کے مخالفین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ معترضین کی اپنی تحریریں درج کر کے کیا گیا تھا۔ یہ کتاب جس کا نام ''مسلمانانِ کشمیراور ڈوگرہ راج'' تھا بہت مقبول ہوئی۔ کشمیر کے تمام لیڈروں نے اس کی تعریف میں نوٹ لکھے اور ضروری اقتباسات کا انگریزی ترجمہ کر کے گلینسی کمیشن کے سامنے بھی پیش کیا شیخ محمد عبداللہ نے اس کتاب کے متعلق لکھا:۔

> ''......قابل مصنف نے بہت محنت سے کام کیا ہے اور کشمیر کے مسلمانوں کی نسبت دردِ دل رکھنے والے تمام حضرات کو چاہیے کہ گھر گھر میں اس کتاب کو منگوائیں ۔اور اپنے اصل حالات اور دشمنوں کی چالوں سے واقف رہیں۔اگر وہ آئندہ دنیا میں ایک باوقار قوم کی مانند رہنا چاہتے ہیں ......''

شیخ محمد عبداللہ کے علاوہ جناب اللہ رکھا ساغؔر۔مولوی عبدالرحیم ایم۔اے، شیخ غلام قادر آف جموں، محمد یوسفؔ بی۔اے، مفتی جلال الدین ایم اے۔اور دوسرے کشمیری لیڈروں نے بھی اس کتاب پر ریویو لکھے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی ملک فضل حسین نے ''مسلمانانِ کشمیراور ہندومہا سبھائی'' کے نام سے شائع کیا۔ یہ کتاب بھی پہلی کی طرح بہت مقبول ہوئی۔

مہاراجہ سے ملاقات کا انتظام

جنوری ۳۲ء میں صدر کشمیر کمیٹی نے پہلے اپنے نمائندہ سید زین العابدین کو اکیلے اور

اس کے بعد مولانا عبدالرحیم دردؔ کی سرکردگی میں کمیٹی کے ایک وفد کو اس غرض سے جموں بھجوایا تھا کہ وہ سرہری کشن کولؔ (وزیراعظم) مسٹر جنکنز (سپیشل آفیسر) اور مسٹر گلینسیؔ سے ملاقاتیں کر کے ریاستی حکام کو اس بات پر آمادہ کریں۔ کہ وہ رعایا سے انصاف کریں۔ مسٹر جنکنزؔ سے سید زین العابدین کے علاوہ مولانا محمد الدین (سابق مسلم مشنری انگلستان وامریکہ) بھی مل چکے تھے جن سے وہ کافی متاثر تھے۔ مسٹر گلینسی کو مولانا دردؔ نے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ نمائندگانِ جموں کی مہاراجہ سے ملاقات کرادیں۔ مسٹر گلینسی نے اس کا انتظام کردیا۔ جس پر اُن سے وہ وفد مِلا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ باہمی مشورہ اس سے وفد کے ارکان نے فیصلہ کیا تھا کہ مولوی یعقوب علی مہاراجہ سے بات کریں اور ان پر یہ واضح کریں کہ ہم آپ کی وفادار رعایا ہیں۔

ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ عدل کیا جائے اور ہمارے جائز حقوق ہمیں دلائے جائیں۔

چودھری غلام عباس نے بھی مولوی صاحب کی تائید میں کہا لیکن مہاراجہ نے وفد کو سختی سے جواب دیا۔ کہ تم کسی نرمی کے مستحق نہیں ...... (اس ملاقات کی تفصیل آگے آئے گی)۔

بدعہدی اور گرفتاریاں

دوسری طرف وزیراعظم نے کشمیر کمیٹی کے وفد کو یہ یقین دلانے کے باوجود کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ...... بدعہدی کرتے ہوئے مفتی ضیاء الدین کو ریاست بدر کردیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے معزز کارکن صوفی عبدالقدیر نیاز بی۔اے کو ریاست سے حکماً نکال دیا۔ مولوی عبدؔالواحد (فاضل) کو مظفر آباد میں بلاوجہ گرفتار کرلیا۔ مولوی غلام محی الدین (بانڈی پوری) کے گھر کی تلاشی لیکر اُن کا سامان ضبط کرلیا۔

سر ہری کشن کی علیحدگی کا مطالبہ

یہ تمام واقعات چند دنوں کے اندر اندر پیش آئے اور میؔر پور کے علاقہ میں جو ظلم ہو رہا تھا وہ اس کے علاوہ تھا ان تمام امور کی ذمہ داری کلیۃً سر ہری کشن کول پر تھی۔ جب اصلاح کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو صدرِ کشمیر کمیٹی کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ کوشش کرتے کہ اسے وزارت عظمیٰ کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔

لندن پریس کی تائید

صدرِ محترم نے اپنے نمائندہ مقیم لندن خاں صاحب مولوی فرزند علی کو مفصل ہدایات بھجوائیں۔ انہوں نے لندن کے تمام با اثر اخبارات کو مسلمانانِ کشمیر کی حمایت میں آواز اُٹھانے پر آمادہ کر لیا۔ لندؔن کے متعدد باوقار جرائد مثلاً مارننگ پوسٹ۔ سنڈے ٹائمز۔ ڈیلی ٹیلیگراف وغیرہ نے مظلومین کشمیر کے متعلق ہمدردانہ مضامین شائع کئے۔ اور وزیر اعظم کی فوری برطرفی کا مطالبہ اور نظم و نسق میں اصلاحات کی پُر زور تائید کی۔

وائسرائے

جناب صدر نے وائسرائے کو تار کے ذریعہ توجہ دلائی۔ جس میں لکھا:۔

”......اب کہ حکومتِ کشمیر عدل و انصاف اور راست روی کی اس طرح توہین کر رہی ہے۔ اور حکومتِ برطانیہ بھی اس میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ آئندہ میں بھی ریاستی حکام کے اس متشدانہ اور جابرانہ رویہ کا (جن کا اظہار وہ اندرون و بیرون ریاست کر رہے ہیں)۔ شدت کے ساتھ مقابلہ کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ قادرِ مطلق خدا (جو تمام ریاستوں اور حکومتوں کا حاکمِ اعلیٰ ہے اور جو جانتا ہے کہ میں مہاراجہ کشمیر کے متعلق اپنے دل میں

کسی قسم کی کدورت رکھے بغیر محض اس کی پامال شدہ مخلوق کی خدمت کے لیے کام کررہاہوں)اس نیک مقصد میں میرا ضرور معاون ومددگار رہوگا۔‘‘

سرہری کشن کول کی علیحدگی

اس ساری جدوجہد کا خاطر خواہ اثر ہوا مہاراجہ کو مجبور کردیا گیا کہ وہ سرہری کشن کول کو وزارت عظمٰی کے عہدہ سے علیحدہ کردے چنانچہ ایک دن یہ حیران کن خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ کول صاحب خرابی صحت کی بنا پر مستعفی ہوگئے ہیں۔حالانکہ چندروز پہلے تک ان کا رویہ ایسا تھا کہ گویا وہ ساری عمر ہی اس عہدہ پر قائم رہیں گے۔

مخالف عناصر کی پردہ کشائی

عین اس وقت جب کہ کشمیر کے مظلومین کی ہر رنگ میں مدد ہورہی تھی کشمیریوں کے اس محسن کے خلاف چندلوگوں نے فتنہ برپا کرنے کی کوششیں پہلے سے بھی تیز کردیں۔جس پر کشمیریوں کے حقیقی بہی خواہ ایسے عناصر کی صحیح تصویر پبلک کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہوئے

۔

مشہور شاعر حضرتِ حسن نے فرمایا:۔

آج پیدا ہوئے ہیں کچھ احرار　　دشمنِ قوم آپ اپنی مثال
کام ان کا فساد وفتنہ وشر　　اور نظام ان کا لوٹ لینا مال
ان کے چکموں سے کوئی بچ نہ سکا　　دہلی ہو یا حصار یا کرنال
خشک ہوجائے ان کی برکت سے　　چراپونجی ہو یا کہ نینی تال
پڑھ کے تکبیر لُوٹ لیتے ہیں　　ورنہ کردیتے ہیں وہیں ہڑتال
حق کے دشمن ہیں جھوٹ کے حامی　　بارہا اُن کی ہو چکی پڑتال

سجادہ نشین جلال پور کی اپیل

جناب سید فضل شاہ سجادہ نشین جلالپور نے ایک اپیل شائع کی جس میں لکھا:

''اعتراض کیا گیا ہے کہ کمیشن کے سامنے قادیانی وکلاء پیش کئے جاتے ہیں ۔مگر یہ بھی خلیفہ صاحب قادیان کی مہربانی ہے جو مظلوموں کی امداد فرما کر وکلاء روانہ کرتے ہیں ۔میں پوچھتا ہوں ...... آپ نے آج تک کس قدر وکلاء جموں کشمیر روانہ کئے ہیں ...... میں ابھی تک اپنے حلقہ اثر کے دو ہزار آدمی جیلوں میں روانہ کر چکا ہوں مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح مظلوموں کی رہائی نہیں ہوسکتی ..... جناب صدر صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اپنے مظلوم بھائیوں کو ہر طرح سے امداد بہم پہنچائی ہے۔مگر آپ لوگ ہمیشہ ان کے خلاف مضمون تحریر کر کے فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں''

صدرِ محترم کے حضور وفد

فروری ۳۲ء کے تیسرے ہفتہ میں سری نگر، جموں، میر پور، راجوری، بھمبر وغیرہ کے نمائندوں کا ایک وفد صدر کشمیر کمیٹی سے ملاقات کے لیے آیا۔سب نے اپنے اپنے علاقہ کے حالات اور مشکلات پیش کیں اور اپنی ضروریات آپ کے سامنے رکھیں حسبِ سابق اُن کی ہر طرح دلجوئی کی گئی اور امداد کے ضروری انتظامات کئے گئے۔

وکلاء کا انتظام

میر پور کے علاقہ میں بڑی کثرت سے مقدمات چل پڑے تھے۔اس لیے ان مقدمات کی پیروی کے لیے قابل وکلاء کی ضرورت تھی۔جموں کے مقدمات کی پیروی میر محمد بخش (وکیل) اور وادی کے مقدمات کی پیروی شیخ بشیر احمد (ایڈووکیٹ) کر رہے تھے۔صدرِ

محترم نے لاہور سے چودھری اسداللہ خاں (بیرسٹر) کو میرپور بھجوایا۔ جموں میں مڈلٹن کمیشن اور گلینسی کمیشن کا کام قریباً ختم تھا۔ اس لیے وہاں سے چودھری عزیز احمد باجوہ (وکیل) کو اور سری نگر سے چودھری عصمت اللہ (وکیل) کو میرپور وغیرہ بھجوایا گیا۔ اس طرح ہر طرف قانونی امداد کا احسن طریق پر انتظام ہو گیا۔

سیاسی کارکن

وکلاء کے علاوہ دوسرے کارکنان کی بھی ضرورت تھی۔ اس لیے اپیل کی گئی کہ گریجویٹ اور مولوی فاضل اور اس سے کم تعلیم کے لوگ اپنے آپ کو آنریری خدمات کے لیے پیش کریں تا کہ ان کے سپرد خدمت کی جا سکے سینکڑوں لوگوں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کر دیا۔ میرپور کے علاقہ میں زیادہ کارکنوں کی ضرورت تھی۔ جموں سے چودھری محمد عظیم (باجوہ) میرپور جا چکے تھے۔ دوسرے کارکنوں کی ایک ٹیم مولانا ظہور الحسن کی سرکردگی میں بھجوائی گئی۔ مولانا بڑے جوشیلے کارکن ہیں وہاں خوب کام کیا ناصر میرپوری کا نام اخبارات میں کثرت سے آتا تھا۔ یہ ناصر میرپوری مولانا ظہور الحسن ہی تھے۔

تخفیف کا بہانہ

خلیفہ عبدالرحیم ریاست میں بڑے اہم ذمہ داری کے عہدوں پر نہایت قابلیت سے کام کر چکے تھے ان کی ملازمت کا ریکارڈ بھی بہت شاندار تھا۔ لیکن وزیراعظم کو کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ اس لیے ریاست کی مالی حالت کے پیشِ نظر تخفیف کا بہانہ بنا کر اُن کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ حالانکہ اس نام نہاد تخفیف کے سلسلہ میں جو تغیرات کیے گئے اُن میں کئی ہندو ملازمین کی تنخواہیں بڑھا دی گئی۔ یہ ذکر میں نے اس لیے کر دیا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ ریاست کس نہج پر چل رہی تھی۔ خلیفہ صاحب کو دوبارہ ملازمت پر لانے کے لیے کافی کوشش کرنا پڑی۔

چندہ کی اپیل

جنگ آزادی کی اس مہم پر ہزار ہا روپیہ خرچ ہو رہا تھا۔ کشمیر کمیٹی کے فنڈز اس کے لیے کسی طرح مکتفی نہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے صدر کمیٹی اپنی ذمہ داری پر قرض لے کر اس کاروبار کو چلا رہے تھے۔ فنڈز کو مضبوط کرنے کے لیے فیصلہ ہوا کہ چودھری فتح محمد سیالؔ (ایم۔اے سابق ایم ایل اے پنجاب) صدرِ محترم کے معتقدین کو اپیل کریں۔ کہ وہ اپنی آمد پر ایک پائی فی روپیہ کے حساب سے کشمیر کے لیے چندہ دیں۔ اس اپیل پر سب نے لبیک کہی۔ چندہ جات کی وصولی اور حساب کا کام چودھری برکت علی خاں کے سپرد ہوا جسے وہ کشمیر کمیٹی کے ٹوٹ جانے کے بعد بھی ''کشمیر ریلیف فنڈ'' کے فنانشل سیکرٹری کی حیثیت سے سرانجام دیتے رہے۔ اُن کی وفات پر کام راقم الحروف کے سپرد ہوا۔

’’......میرا جموں سے فارغ ہوکرآنا سخت مشکل ہے۔ اور نہ میں ڈاکٹر ہی ہوں کہ اُس کی مدد کرسکوں۔ ہاں دعا کرسکتا ہوں۔ وہ جموں میں بیٹھے ہوئے بھی کرتا رہوں گا......‘‘

اسیروں کی رستگاری

جموں کیس میں استغاثہ کا ایک گواہ رام چند انسپکٹر پولیس پیش ہوا۔ گواہ ہوشیار اور جہاندیدہ تھا۔ اور حقیقت کا اظہار نہیں کررہا تھا۔ میر محمد بخش اس مقدمہ کی پیروی کررہے تھے ۔انہوں نے لگاتار چار دن اس گواہ پر جرح کی چوتھے روز جب وہ جرح سے بہت زِچ ہوگیا تو لنچ کے وقفہ کے وقت میؔر صاحب سے کہنے لگا کہ وکیل بے جا جرح کرکے گواہوں کو تنگ کرتے ہیں ۔......میؔر صاحب نے جواب دیا کہ اگر گواہ صداقت سے کام لے تو وکیل کو جرح کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تجربہ کرکے دیکھ لیں آج ہی جرح ختم ہوجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اُسی دن جرح ختم ہوگئی۔ رات کو وہ میؔر صاحب کی جائے رہائش پر جہاں چودھری عزیز احمد باجوہ وکیل بھی موجود تھے۔ بہت پریشان نظر آتا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ سچ بولنے کا پھل اُسے مل گیا ہے اور اسے اس پاداش میں معطل کردیا گیا ہے۔ الزام یہ ہے کہ اُس نے جرح کے جواب میں ایسا بیان دیا ہے جس کے نتیجہ میں ملزم بے گناہ قرار دیئے جاسکتے ہیں ہر دو صاحبان نے اسے تسلی دی اور کہا کہ ہم یہاں ہر قسم کے تعصب سے بالا رہ کر مظلومین کی مدد کے لیے آئے ہیں اب آپ بھی مظلوم ہیں۔ ہم کل ہی انسپکٹر جنرل پولیس سے ملیں گے اور ازالہ کی

کوشش کریں گے۔ دوسرے روز یہ دونوں صاحبان انسپکٹر جنرل پولیس سے ملے۔ ان کو دیکھتے ہیں اس نے مذاقاً کہا LIAR آگئے ہیں LAWYER کی بجائے LIAR (جھوٹ بولنے والے کا لفظ استعمال کیا) اس پر انہوں نے جواب دیا کہ LIAR تو آپ ہیں جو سچ بولنے والوں کو سزائیں دیتے ہیں۔ پھر اُس انسپکٹر پولیس کا کیس عمدگی کے ساتھ پیش کیا۔ کہ اُس نے وعدہ کیا۔ کہ میں ابھی پولیس کی ضمنیاں اور گواہ کا بیان منگواتا ہوں۔ اگر میری تسلی ہوگئی تو آج ہی اُسے بحال کر دیا جائے گا۔ شام کو وہی انسپکٹر پھر ان وکلاء کے مکان پر آیا اور بڑی خوشی سے بیان کیا کہ آپ کی ملاقات کے معاً بعد آئی جی نے مطلوبہ کاغذات منگوائے اور مجھے بحال کر دیا۔ البتہ جموں سے تبدیل کر کے دوسری جگہ بھجوا دیا ہے۔ میرؔ صاحب نے کہا۔ یہ تو اور بھی اچھا ہوا کیونکہ

جموں کے حالات ایسے مخدوش تھے کہ کوئی افسر وہاں رہنا پسند نہ کرتا تھا۔

جموں والوں کی درخواست

میرؔ محمد بخش نے اپنے آپ کو دو ماہ کے لیے وقف کیا تھا۔ یہ عرصہ گزرنے پر انہوں نے صدرِ محترم کشمیر کمیٹی سے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ اس کا علم ملزمین کو بھی ہوگیا۔ انہوں ے بھی جناب صدر کو بذریعہ تار گزارش کی کہ میرؔ صاحب کو تا اختتامِ مقدمہ جموں ہی میں رہنے کا حکم دیا جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور میرؔ صاحب نے پورے چھ ماہ وہاں گزارے اور نہایت قابلیت سے یہ کام ختم کیا۔

میر محمد بخش کی بحث

جموں کے مشہور مقدمہ میں سترہ ملزم تھے جن پر قتلؔ، ڈاکہ، آتش زنی اور بلوہ وغیرہ کے مقدمات تھے۔ چھ ماہ بعد جب ساری کارروائی ختم ہوئی۔ تو میر محمد بخش نے بڑی قابلیت سے

بحث کی۔ پہلے دن چھ گھنٹے کی بحث کے نتیجہ میں دونوں جج صاحبان نے اس بات پر اتفاق کیا۔ کہ چار ملزموں کے خلاف الزام ثابت نہیں ہوئے۔ دوسرے دن کی بحث کے اختتام پر مزید چار کے متعلق اس رائے کا اظہار کیا۔ اب صرف چار ملزم باقی رہ گئے تھے اور بحث کا آخری دن تھا۔ عدالت کو مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ زائد وقت دینا پڑا۔ جج صاحبان نے میؔر صاحب کی قابلیت کی بہت تعریف کی اور شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے جس محنت اور دیانتداری سے اِس کیس کی پیروی کی ہے اس سے ان کو بھی بہت فائدہ پہنچا ہے اور عدل وانصاف کرنے میں اُن کو مدد ملی ہے۔ فیصلہ محفوظ رکھا گیا خیال تھا کہ تمام ملزم بری کردیئے جائیں گے۔

تیرہ ملزم بَری

کئی دِن گزر گئے۔ فیصلہ نہ سنایا گیا۔ ایک روز میر صاحب مسلم جج کے پاس گئے اور دیر کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ دونوں ججوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ تیرہ ملزم بے گناہ ہیں۔ اُن کو بَری کردیا جائے۔ باقی چار کے متعلق اس حصہ میں اتفاق ہے کہ قتل وغیرہ کے الزام ثابت نہیں۔ لیکن ہندو جج کو اس بات پر اصرار ہے کہ اگر ہم نے سب کو بَری کردیا تو ریاست کی بدنامی ہوگی۔ دنیا کہے گی کہ جھوٹے مقدمات کھڑے کیے گئے تھے اور ریاست کا لاکھوں روپیہ خرچ ہوگیا ہے۔ آخر یہ فیصلہ سنا دیا گیا۔ تیرہ ملزم بالکل بری اور چار کو بلوہ کرنے کے جرم میں چھ چھ ماہ قید کی سزا ہوئی اور اس طرح چار ہندوؤں کو بھی اس جرم میں چھ چھ ماہ قید کی سزا سُنا دی گئی۔

بقیہ چار کی رہائی

جن کو سزا ہوئی تھی۔ اُن کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔ چودھری اسد اللہ خاں بیرسٹر نے ہائی کورٹ میں اپیل کی پیروی کی۔ جہاں ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ

فریقین کو رہا کر دیا گیا اور اس طرح نہ صرف باقی مسلمانوں کو بھی رستگاری نصیب ہوئی اس بہت بڑے مقدمے کا انجام بھی بخیر ہوا۔ اور ریاست بھر میں کشمیر کمیٹی کے لیے تشکر و امتنان کی لہر دوڑ گئی۔

ملاقات میں بدمزگی

مولانا عبدالرحیم دردؔ نے مسٹر گلینسی سے ملکر یہ انتظام کروایا تھا کہ مہاراجہ مسلمانوں کے ایک وفد کو ملاقات کا موقع دے۔ اس کا مختصر ذکر پہلے آ چکا ہے اس تحریک آزادی میں پہلے دو مرتبہ مسلمانوں کے وفود کو مہاراجہ سے ملنے کا موقع ملا تھا اور انہوں نے اپنے مطالبات تحریراً پیش کر دیئے تھے۔ کسی خاص گفتگو کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیڈر بھی تجربہ کار اور پختہ نہ تھے۔ اس لیے محترم دردؔ صاحب نے احتیاطاً میر محمد بخش وکیل اور چودھری عزیز احمد باجوہ وکیل کو بھی وفد میں شامل کرا دیا۔ تا کہ اگر وفد کے ممبر کوئی غلطی کریں تو ازالہ ہو سکے۔ اتفاق کی بات ہے وہی ہوا۔ جس کا خطرہ تھا۔ جموں کے ایک نمائندہ نے ایک ایسی بات کہہ دی۔ جو ہر شریف آدمی کے نزدیک سخت قابلِ اعتراض سمجھی جائے گی۔ اسے سنتے ہی مہاراجہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا ۔ وزیراعظم کی حالت بھی غیر ہو گئی۔ کشمیر کمیٹی کے وکلاء نے نہایت عقلمندی سے بات کو ٹالا۔ اس وقت مصیبت تو ٹل گئی۔ لیکن نادانی کے ایک فقرہ نے ملاقات کی غرض کو پورا نہ ہونے دیا۔ وفد کے دوسرے ممبروں کا خیال تھا کہ اگر کشمیر کمیٹی کے وکلاء ساتھ نہ ہوتے تو آج ہم لوگ صحیح سلامت مہاراجہ کے محل سے باہر نہ آتے۔

چودھری اسداللہ خاں میر پور میں

میرؔ پور میں تحریک عدم ادائیگی مالیہ اور زمینداروں میں بے چینی کے خوف ناک نتائج پیدا ہوئے تھے۔ کشمیر کمیٹی متواتر اس کوشش میں رہی کہ شکایات کا ازالہ ہو۔ انہی کوششوں

کے نتیجہ میں ریاست نے اس علاقہ میں بندوبست کرنے کے لئے حکومتِ ہند سے ایک سینئر آئی سی۔ایس افسر مسٹر سالسبری کی خدمات حاصل کیں۔اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اعلیٰ قابلیت کا قانون دان مسٹر سالسبری کے ساتھ رہ کر انھیں رعایا کے نقطہ سے واقف کرے اور اُن کے حقوق کی پورے طور پر حفاظت کرے صدر کشمیر کمیٹی نے اس فرض کی انجام دہی کے لئے چودھری اسداللہ خاں بیرسٹر کو چُنا۔اور انھیں میر پور بھجوا دیا۔چودھری صاحب نے یہ کام بہت محنت سے سرانجام دیا۔اور اس علاقہ میں بہت مقبول ہوئے ریاست کے حکّام کو یہ بات اچھّی معلوم نہ ہوئی۔انھوں نے چودھری صاحب کو حکم دیا کہ چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر ریاست چھوڑ دیں۔چودھری صاحب نے جواب دیا۔کہ ''میرا جو قصور ہے مجھے بتایا جائے۔میں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا۔جو قانون کے خلاف ہو۔اس لیے مَیں ریاست سے باہر نہیں جاؤں گا۔ہاں حکام ریاست اگر زبردستی اٹھا کر مجھے ریاست سے باہر چھوڑ آئیں تو اور بات ہے یا پھر مجھ پر قانون کے ماتحت مقدمہ چلایا جائے اس نوٹس کا علم مسٹر سالسبری کو ہوا تو انھوں نے ریاستی حکّام سے گفتگو کر کے یہ نوٹس واپس کرادیا۔چودھری اسداللہ خاں کا مسٹر سالسبری نے پبلک اور پرائیویٹ طور پر کئی مرتبہ شکریہ ادا کیا۔کہ انھوں نے تعاون کر کے اُن کے لئے اس کام کو آسان بنا دیا ہے۔

چودھری عصمت اللہ کی خدمات

چودھری عصمت اللہ وکیل لائلپور جولائی ۱۹۳۱ء میں اس وقت جبکہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ابھی قیام بھی نہ ہوا تھا۔صدرِ محترم کی ہدایت پر سری نگر چلے گئے تھے۔جہاں سے وہ اکتوبر میں واپس آئے۔جامع مسجد کی فائرنگ کا سارا واقعہ اُن کے سامنے ہوا۔جب مڈلٹن کمیشن قائم ہوا تو ان کو دوبارہ سری نگر بلوالیا گیا۔کمیشن کے سامنے یہ بطور عینی شاہد پیش ہوئے۔اس کے بعد

مقدمات اور کمیشن کے لئے مواد اکٹھا کرنے میں شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ کی مدد کے لئے وہیں روک لیے گئے ۔ پہلے بھی آپ تین ماہ رَہ چکے تھے اس دفعہ بھی تین ماہ سے کچھ زائد عرصہ خدمات سرانجام دینے کے بعد فروری ۳۲ء میں واپس لائلپور آ گئے اور پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بھمبر کے کیسوں کی پیروی کے لئے وہاں بھجوایئے گئے ۔ جب نوشہرہ میں مقدمات کے لیے بنچ مقرر ہوا تو وہاں چلے گئے اور جب میر محمد بخش جموّں میں چھ ماہ کام کرنے کے لئے میرپور بھجوایا گیا۔ شیخ صاحب کی غیر حاضری میں یہی پورے طور پر ذمہ دار ہوتے تھے۔ ان کی کوشش سے سماوال مقدمہ قتل کے تمام ملزم بری ہوگئے ۔ چودھری عصمت اللہ صاحب یہ خدمات سرانجام دینے کے بعد دسمبر ۳۲ء میں واپس آ گئے ۔

پونچھ کے مخلص رہنما

کشمیر کے مختلف حصّوں میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسے مخلص کارکن موجود تھے جن کی خدمات اپنے لیڈروں سے کسی طرح کم نہیں ۔ لیڈر تو اُن کو بھول چکے لیکن تاریخ اُن کا نام کبھی نہیں بھول سکتی ۔ ایسے لوگوں میں پونچھ کے منشی دانش مند خاں تھے (جو ان دنوں ابھی وکیل نہ بنے تھے) انہوں نے سارے علاقہ کا دورہ کر کے باشندگانِ پونچھ کو منظّم کیا۔ یہ پونچھ کی قومی تحریک کے سرکردہ راہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ کوٹلی میں اُن کے بھائی ماسٹر امیر عالم بھی اسی طرح سرگرمی سے کام کررہے تھے ۔ جب پونچھ میں رعایا پر مظالم شروع ہوئے تو منشی دانشمند خاں اور انجمن اسلامیہ پونچھ کے صدر صوبیدار میجر محمد خاں نے صدرِ محترم کشمیر کمیٹی سے رابطہ پیدا کر کے امداد کی درخواست کی ۔ صدرِ محترم نے مالی مدد کے علاوہ مقدمات کی پیروی اور افسران سے رابطہ رکھنے کے لیے چودھری عزیز احمد باجوہ وکیل سیالکوٹ کو (جموں میں کام ختم کرنے پر میرپور بھجوائے گئے تھے) پونچھ بھجوایا۔ جہاں آخر جولائی ۳۲ء تک (قریباً نو ماہ)

خدمات سرانجام دینے کے بعد جب وہ پنجاب میں سول جج مقرر ہوئے تو انہیں مجبوراً پنجاب آنا پڑا۔اُن کی نیک یاد آج تک پرانے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

قاضی عبدالحمید وکیل

قاضی عبدالحمید وکیل امرتسر نے شروع مئی ۳۲ء میں اپنے آپ کو وقف کیا۔اور اسی وقت اُن کو راجوری پہنچنے کی ہدایت ہوئی ۔چنانچہ قاضی صاحب فوری طور پر راجوری پہنچ گئے اور مقدمات کی پیروی شروع کر دی ۔چودھری عزیز احمد جب پونچھ سے واپس پنجاب چلے گئے تو قاضی صاحب کو پونچھ بھجوا دیا گیا۔

پونچھ میں خاصی تعداد میں مقدمات چل رہے تھے۔کچھ مقدمات وزیر کی عدالت میں تھے جسے ہائی کورٹ کا درجہ حاصل تھا۔اور بقیہ سیشن جج اور دوسرے مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں تھےاور سب نہایت سنگین نوعت کے تھے(قتل،آتش زنی،ڈاکہ اور بلوہ ہر قسم کے مقدمات تھے) قاضی صاحب نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔سب مقدمات کے نتائج اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملزمان کے حق میں برآمد ہوئے الا ماشاءاللہ۔تین ماہ راجوری وغیرہ میں اور پانچ ماہ پونچھ میں خدمات سرانجام دینے کے بعد آخر دسمبر ۳۲ء میں واپس امرتسر پہنچے۔

چودھری محمد عظیم باجوہ نے جموں میں اور پھر میرپور میں کام کیا۔جب پونچھ میں کام بڑھ گیا تو ان کو وہاں بھجوا دیا گیا تا کہ وہ پبلک کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں اور ہر مشکل کے موقع پر اُن کی امداد کر سکیں۔اس کام کے علاوہ چودھری محمد عظیم نے وکلاء کے ساتھ پورا تعاون کیا اور ہمیشہ اُن کے ممد و معاون رہے۔میرپور میں مولانا ظہور الحسن فاضل کام کرتے رہے۔

میر محمد بخش نوشہرہ میں

میر محمد بخش چھ ماہ جموں میں کام کرنے کے بعد نوشہرہ پہنچے۔یہ کیس بھی بہت اہم تھا

۔ چھ ماہ برابر جاری رہا۔اس کیس میں بھی جموں کیس والی کیفیت ہوئی۔ تمام ملزمان کو قتل،ڈاکہ اور آتش زدگی کے الزامات سے بری قرار دیا گیا اور ریاست کی عزت بچانے کے لیے چار لیڈروں کو بلوہ کے جرم میں سو سو روپیہ جرمانہ کیا گیا اور تین چار کو معمولی سزا ہوئی ۔فیصلہ سننے کے لیے ہزاروں لوگ جمع تھے۔انہوں نے اس فیصلہ پر بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرے بلند کئے اور کشمیر کمیٹی کے وکلاء کا شکریہ ادا کیا۔ ہائی کورٹ میں اپیل کا کام پھر چودھری اسد اللہ خاں بیرسٹر لاہور کے سپرد ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان اپیلوں میں کامیابی دیتا رہا۔

وکلاء کی خدمات کا ذکر پھر بھی آئے گا۔ان لوگوں نے بنی نوع انسان کی خدمت کسی دنیوی لالچ کے بغیر مسلسل جاری رکھی۔ایسی مثالیں آپ کو بہت کم ملیں گی۔ یہاں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وکلاء نے قربانیاں کر کے اور اپنے آپ کو سخت مصیبت میں ڈال کر نہایت اخلاص اور جانفشانی کا ثبوت دیا۔ان میں سے ہر ایک کی خدمت کا تذکرہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے ان میں سے کوئی مجھ ایسے کم مایہ کی معلومات اور تذکرے سے باہر تو رہ سکتا ہے لیکن وہ جو مظلوموں کا حامی ہے اور جس کا وعدہ ہے کہ اُس کا فضل ہر اس انسان کے ہمیشہ شامل حال رہے گا جو مظلوم کو ظلم کے شکنجے سے چھڑانے کے لیے اُٹھے مجھے یقین ہے اس کی نگاہ بندہ نواز سے کوئی ایسا مخلص ایثار پیشہ اوجھل نہیں رہ سکتا اور وہ ضرور اپنے نیک اعمال کی جزا پائے گا۔انہوں نے اہل کشمیر کی کشمیر کے کسی لیڈر سے کم خدمت نہیں کی۔اگر کشمیریوں کو ان وکلاء کی فیسیں ادا کرنا پڑتیں تو اُس وقت کے حساب سے دو لاکھ روپے سے بھی کہیں زائد رقم بنتی تھی۔

اخلاص کے شاندار نمونے

ان مخلصین کے اخلاص کے چند واقعات ملاحظہ ہوں ......میر محمد بخش جموں میں کام کررہے تھے۔ان کا لڑکا ٹائیفائیڈ سے سخت بیمار ہوگیا۔بخار اُترنہیں رہا تھا گھر سے تار آیا ......فوراً گوجرانوالہ پہنچئے۔اِدھر مقدمہ نازک مرحلہ پر تھا کئی لوگوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔دوسری طرف بچے کی زندگی خطرے میں تھی۔گھر والوں کو یہ جواب دیا:

''......میرا جموں سے فارغ ہوکر آنا مشکل ہے اور نہ میں ڈاکٹر ہی ہوں کہ اس کی مدد کرسکوں۔ہاں دعا کرسکتا ہوں وہ جموں میں بیٹھا ہوا بھی کرتا رہوں گا......''

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس کے جذبہ کو دیکھ کر اپنا فضل فرمایا۔اور بچہ صحت یاب ہوگیا۔شیخ بشیر احمد کشمیر سے اتفاقاً تھوڑے عرصہ کے لیے گوجرانوالہ گئے ہوئے تھے۔جب ان کو بچے کی بیماری کا علم ہوا تو آپ نے فوراً خاطر خواہ طبی انتظام کروادیا اور تھوڑے دنوں کے بعد بچے کا بخار اتر گیا۔

قاضی عبد الحمید راجوری میں کام کررہے تھے۔اُن کو حکم ہوا۔فوراً پونچھ پہنچ جائیں۔برسات کا موسم تھا۔کوئی سڑک نہ تھی۔قاضی صاحب یہ حکم ملتے ہی چل پڑے۔تھنہ کے راستے خطرناک پگڈنڈیوں پر سے گزر کر جانا تھا۔کئی ندی نالے درمیان میں آتے تھے۔دو ٹٹو کرایہ پر لیے۔ایک پر سامان لادا اور دوسرے پر خود سوار ہوئے۔ایک ندی پار کررہے تھے۔سخت بارش شروع ہوگئی۔پہاڑوں کے رہنے والے جانتے ہیں کہ بارش کے وقت پہاڑی نالوں اور دریاؤں کی کیا حالت ہوتی ہے۔ٹٹو کو(جس پر قاضی صاحب سوار تھے)مذاق سُوجھا۔قاضی صاحب کو پانی میں پھینکا۔اور اُن کے بوجھ سے بے نیاز ہوگیا۔جُوں تُوں کرکے قاضی

صاحب کنارہ پر پہنچے۔شام ہو چلی تھی۔کپڑے پانی سے شرابور۔فکر ہوئی رات کہاں گزاریں کوئی بستی دُور تک دکھائی نہ دیتی تھی۔ایک پہاڑی کی چوٹی پر جھونپڑی نظر آئی۔کوشش کر کے وہاں پہنچے۔ایک غریب کی کٹیا تھی۔ایک کوٹھا جس کے نصف حصہ میں گھر کے لوگوں کی رہائش تھی۔مالکِ مکان کو جب علم ہوا کہ یہ کشمیر کمیٹی کے وکیل ہیں تو خوشی سے پھولا نہ سمایا کھانے کے لیے جو گھر میں تھا سامنے لا رکھا اس کے ہاں صرف ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی تھی۔قاضی صاحب کے لیے خالی کر دی جس پر انہوں نے اپنا بستر لگایا۔مچھر اور جوئیں ساری رات تواضع کرتی رہیں۔اس لیے نیند کو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔صبح کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تمام کپڑوں میں جوئیں ہی جوئیں ہیں۔ایک عرصہ کے بعد کئی دن کی لگاتار کوشش سے اس مصیبت سے چھٹکارا ملا۔

ایک اور وکیل کا قصہ سن لیجئے ایک رات شدید بارش ہوئی۔جس کمرہ میں ان کی رہائش تھی پہلے اُس کی ایک دیوار گری پھر دوسری یہاں تک کہ جب صبح بارش تھمی۔تو کمرہ کی چھت درمیانی ستونوں پر کھڑی تھی۔خدا کا فضل ہوا۔چھت اپنی قائم رہی اور مظلومین کشمیر کے معاون محفوظ و مامون رہے۔

''......گلینسی کمیشن کی سفارشات پر مہاراجہ کے احکام کا ذکر میں نے تفصیل کے ساتھ اس لیے کیا ہے۔ تا کہ وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ آئینی طریق پر مقابلہ کرنے سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ انہیں معلوم ہو سکے کہ صحیح طریق یہی تھا کہ اس جدوجہد کو آئینی لائنوں پر چلا جائے اور یہ اسی کے خوشگوار نتائج ہیں......''

گلینسی کمیشن

باشندگانِ ریاست کی شکایات کی تحقیق اور ازالہ کی تجاویز پیش کرنے کے لیے مسٹر بی۔ جے گلینسی کی صدارت میں جو کمیشن مہاراجہ نے ۱۳/ نومبر ۱۹۳۱ء کو مقرر کیا تھا۔ اُس نے نومبر کے آخری حصہ میں سری نگر میں باقاعدہ کام شروع کر دیا تھا۔ متعصب ہندوؤں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی اس وقت جو حق تلفی ہو رہی ہے۔ اس کا ازالہ ہونے پر بہرحال اُن کو بہت کچھ چھوڑنا پڑے گا۔ اور اگر مسلمانوں کو اُن کی آبادی کے لحاظ سے حقوق مل گئے تو یہ بات ہندوؤں کے مفاد کے خلاف ہوگی۔ اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ ہندو اراکین کمیشن سے دستبردار ہو جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ کمیشن ناکام ہو جاتا۔ اور مسلمانوں کو کچھ نہ ملتا یہ چال پورے طور پر کامیاب نہ ہوئی۔ جموں کے ہندوؤں کے نمائندہ مسٹر لوک ناتھ شرما نے تو دسمبر کے شروع ہی میں کمیشن سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن مسٹر پریم ناتھ بزاز کا خیال تھا کہ اگر ریاستی باشندوں کو حقوق ملے مثلاً پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی وغیرہ وغیرہ۔

تو اس سے ہندو بھی ویسا ہی فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ جیسا کہ مسلمان باقی اگر مسلمانوں کی حق تلفی ہو رہی ہے تو ہر انصاف پسند کا فرض ہے۔ کہ وہ اس کے ازالہ کی کوشش میں ممد ومعاون ہو۔ چنانچہ انہوں نے استعفاء پیش کرنے سے انکار کر دیا اور آخر وقت تک کام کرتے رہے۔

کشمیر کی آبادی

کمیشن کے سامنے جو اعداد و شمار پیش ہوئے ان سے مسلمانوں کی حق تلفیوں کی اچھی طرح سے وضاحت ہوگئی۔ جموں، کشمیر، لداخ اور گلگت کی مجموعی آبادی حسبِ ذیل تھی۔

مسلم	2402000 نفوس
ہندو	700300 نفوس
سکھ	39000 نفوس
بُدھ	3900 نفوس
کل آبادی	3180300

اس کے مقابلہ میں ملازمین محکمہ تعلیم کی تعداد ملاحظہ ہو۔

	مسلمان	غیر مسلم
گزٹیڈ آفیسر	4	23
انسپکٹر	3	11
پروفیسر	4	29
ڈیمانسٹریٹر	1	7
ہیڈ ماسٹر ہائی سکول	1	14

ہیڈ ماسٹر مڈل سکول	3	46
ٹیچر	718	1483

صرف محکمہ تعلیم میں ہی مسلمان کم پرسی کی حالت میں نہ تھے۔ بلکہ دیگر محکمہ جات میں بھی آبادی کی نسبت سے اُن کا تناسب حیران انگیز طور پر کم تھا مثال کے طور پر چند محکموں کے اعداد وشمار ذیل میں دیئے جا رہے ہیں ادنیٰ ملازمین جن کے لیے کوئی تعلیمی قابلیت درکار نہ تھی اس میں بھی ان کی تعداد بہت کم تھی۔

شعبہ انتظامیہ

	مسلم	غیر مسلم
تعمیرات عامہ	54	183
الیکٹریکل مکینکل	3	47
ٹیلیگراف ٹیلیفون	7	72
کسٹم نائب کالدار	14	195
گرداور پٹواری	40	216

کلریکل سٹاف

	مسلم	غیر مسلم
فنانس	29	368
تعمیراتِ عامہ	3	194

عدلیہ	21	162

ادنیٰ ملازمین

تعمیرات عامہ	23	120
کسٹم	108	314
پریس وسٹیشنری ڈپو	5	66

یہی حالت بقیہ ملازمتوں میں تھی۔

مولانا دردؔ کی مساعی

گلینسی کمیشن نے جس وقت کام شروع کیا۔مولانا عبدالرحیم دردؔ سریؔ نگر میں ہی تھے ۔اُن کا دستور یہ تھا۔کہ روزانہ شام کو مسلم نمائندوں سے سارے دن کی کارروائی کے حالات سنتے ......اور اہم مشورے دیتے ۔دوسرا اہم کام شہادتیں اور مواد مہیا کرنے کا تھا...... جسے پوری ذمہ داری کے ساتھ شیخ بشیر احمد (ایڈووکیٹ) سرانجام دے رہے تھے۔

کمیشن کا ریکارڈ

ایک روز ایک نمائندہ کمیشن سے مولانا دردؔ نے فرمایا کہ وہ کمیشن کے اسی طرح رکن ہیں ۔جیسے مسٹر گلینسی اگر مسٹر گلینسی کو یہ حق حاصل ہے ۔کہ وہ کاروائی کی تمام فائل اپنے ساتھ گھر پر لے جائیں ۔مسٹر مڈلٹن اور ریاست کے دوسرے حکام سے مشورہ کریں تو یہ حق آپ کو بھی حاصل ہے۔اس لیے آپ آج مکمل فائل ہمارے پاس لائیں تا کہ ہم ملاحظہ کے بعد آپ کو مزید مشورے دے سکیں۔ ہفتہ کی شام کو وہ فائل لے آئے اور راقم الحروف سے بیان کیا کہ وہ یہ فائل مسٹر گلینسیؔ کے علم کے بغیر اُس کے اردلی سے اس شرط پر لے کر آئے ہیں کہ پیر کے

روز دفتر کھلنے سے پہلے وہ اسے واپس کر دیں گے۔راقم الحروف نے اسی وقت اُسے ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ساری رات کام کرتا رہا۔دوسرا دن (جو اتفاقاً اتوار کا دن تھا) کام کیا۔اگلی رات نصف شب کے قریب میں ساری فائل کی چار نقلیں ٹائپ کر چکا تھا۔جو بعد میں بہت مفید ثابت ہوئیں کیونکہ مِسل میں جو نقائص رہ گئے تھے اس ریکارڈ سے ہمیں ان کا علم ہو گیا۔ اور مسلم نمائندگان کو ضروری مواد مہیا کر کے اُن کے ہاتھ مضبوط کر دیے گئے۔اس ۲۴ گھنٹے کے عرصہ میں آرام اور نمازوں کا وقت غالباً چار گھنٹے سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا نیند سے بچنے کے لیے کھانے سے پرہیز کیا۔ اور صرف قہوہ استعمال کیا۔اب میں خود حیران ہوتا ہوں کہ ان دنوں اتنا کام کرنے پر بھی خاص کوفت کیوں محسوس نہ ہوتی تھی۔

گلینسی کمیشن وسط جنوری ۳۲ء تک سری نگر میں رہا۔اس کے بعد جموں آ گیا جہاں ۲۲/مارچ ۳۲ء کو کمیشن نے مہاراجہ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کر دی تینوں غیر سرکاری ارکان نے رپورٹ کے ساتھ اپنے اختلافی نوٹ شائع کئے۔ایک پریم ناتھ بزاز کی طرف سے تھا۔دوسرا خواجہ غلام احمد عشائی اور چودھری غلام عباس کی طرف سے مشترکہ تھا اور تیسرا صرف چودھری غلام عباس کی طرف سے جو انہیں ایک ہمدردِ کشمیر نے تیار کر کے دیا تھا۔

مہاراجہ کے احکام

اس رپورٹ پر مہاراجہ نے ۱۰/اپریل ۳۲ء کو احکام جاری کئے۔اس وقت مسٹر ای۔جے۔ڈی کالوِن وزیر اعظم مقرر ہو چکے تھے۔مہاراجہ نے کمیشن کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے اُن پر حتی الامکان جلد سے جلد عمل کرنے کی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت کر دی۔اس طرح آئینی جدوجہد کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مخلصانہ مساعی کے نتیجہ میں اہالیانِ ریاست کو جو جو حقوق ملے اُن کا مختصر ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔کیونکہ یہ

نعمت بڑی جدو جہد اور قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی تھی۔

مذہبی آزادی

مذہبی مشکلات کا دُور کرنے کے لیے جو احکام صادر کئے گئے، اُن میں اذان سے روکنے کو اور اسی طرح مذہب تبدیل کرنے یا تبدیلی مذہب کا ارادہ ظاہر کرنے پر لوگوں کو خوفزدہ کرنے کو جرم قرار دیا گیا تھا اور ایسے مجرموں کے لیے سخت سزائیں دینے اور اُن کی گوشمالی کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ توہینِ مذہب کرنے والوں کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ ہائی کورٹ اپنی ماتحت عدالتوں کو یہ ہدایات جاری کرے کہ ان تمام مقدمات میں سے جن میں توہینِ مذہب کے ارتکاب کا ثبوت مہیا ہو جائے۔ مجرمین کو ایسی سزائیں دی جائیں جن سے مجرمین کو یقین ہو جائے کہ انہوں نے کس قدر سنگین جرم کا ارتکاب کیا جائے۔

مقدس مقامات

مقدس عمارات کی واپسی کے متعلق کچھ احکام پہلے مہاراجہ کی طرف سے جاری ہو چکے تھے۔ بقیہ کے متعلق کمیشن نے جو سفارشات کی تھیں۔ اُن کے متعلق مہاراجہ نے حکم دیا کہ ان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ زیارت مدنی صاحب۔ میدان عیدگاہ (سری نگر) خانقاہ شاہ درہ (جموں) خانقاہ صوفی شاہ (جموں) وغیرہ کا انتظام مسلمانوں کے سپرد کیے جانے کے احکام جاری کئے گئے مسجد شاہ ہمدان اور مندر مہا کالی کے متعلق بھی احکام دیئے اور یہ بھی قرار دیا کہ کہ جن جائیدادوں کی حق داروں کو واپسی ہوگی۔ اُس کے لیے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔

یہ بھی ہدایت دی گئی کہ مسجدیں، دہڑے اور گرجا وغیرہ بنانے کے لیے درخواست آئے تو اس پر بہت ہمدردی سے غور کیا جائے۔

تعلیم کی ترقی

تعلیم کے متعلق کمیشن کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے مہاراجہ نے ابتدائی تعلیم کی توسیع اور عربی کے معلموں کی تعداد بڑھانے اور صنعتی تعلیم کے اجراء کے متعلق احکام دیئے۔اور مڈل اور ہائی سکولوں میں اضافہ کرنے کی ہدایت کی۔اسی طرح یہ بھی حکم دیا کہ کالجوں میں سائنس کی جماعتوں میں داخلہ کے وقت جانب داری سے کام نہ لیا جائے اور تمام اقوام کے جائز تحفظ کا انتظام کیا جائے۔ نیز حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو مسلمان اساتذہ اور انسپکٹران اور ایک خاص مسلم انسپکٹر مقرر کیا جائے جو صوبائی انسپکٹروں سے علیحدہ اپنے فرائض سرانجام دے اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے جدوجہد کرے۔

ملازمتیں

ملازمین کے متعلق مہاراجہ نے کمیشن کی سفارش کے مطابق معیار تعلیم کم کرنے اور ہر نئی آسامی کے خالی ہونے پر بذریعہ اعلان درخواستیں طلب کر کے اُسے پُر کرنے اور مختلف اقوام کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ کمیشن کی سفارش کے مطابق ہر سال ایک نقشہ شائع ہوا کرے جس میں یہ بتایا جایا کرے کہ مختلف ادارہ جات میں مختلف اقوام کے ملازمین کی تعداد کیا ہے۔

مالیہ اراضی

مالیہ اراضی کے متعلق یہ احکام جاری کئے کہ مالکانہ کی وصولی بند کر دی جائے۔نذرانہ کی رقم کے متعلق فوراً غور ہو کہ اس میں کیا تبدیلی ضروری ہے۔اس طرح جو زمینیں ریاست کی ملکیت میں ہیں لیکن قبضہ کے حقوق عوام کو حاصل ہیں۔ان سب کے مالکانہ حقوق قابض

لوگوں کو دے دیئے جائیں۔کاہچرائی کا ٹیکس سات تحصیلوں یعنی جموںؔ،سانبہؔ،اکھنورؔ،کٹھوعہؔ،جمیر گڑھؔ،میر پورؔاور بھمبر میں منسوخ کر دیا۔اور دیگر علاقوں کے متعلق وزیر مال سے رپورٹ طلب کی گئی۔اسی طرح دھاروں کا ٹیکس بھی معاف کر دیا گیا قصاب جو جانور حدود میونسپل کمیٹی میں ذبح کرنے کے لیے لاتے تھے اُن سے کاہچرائی کا محصول لیا جاتا تھا۔اُسے بھی بند کر دیا۔اخروٹؔ وغیرہ کے درختوں کو کاٹنے کے متعلق جو پابندیاں تھیں اُن کو دور کیا گیا۔کواپر یٹو قرضہ جات کے نظام کو وسعت اور ترقی دینے کے متعلق احکام جاری ہوئے۔ریاستی پریس ایکٹ جو بہت سخت اور نا قابلِ برداشت تھا۔اُسے جلد تبدیل کرنے اور برطانوی ہند کے قانون مطابع کے مطابق کر دینے کا بھی مہاراجہ نے حکم دیا۔

ان احکام کے علاوہ (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) مہاراجہ نے کئی دیگر اُمور کے متعلق بھی احکام دیئے۔مثلاً رشوتؔ ستانی،کارسرکارؔ،جنگلاتؔ اور رکھیںؔ،کسٹمؔ،مذہبیؔ فریضہ کی بجا آوری۔جانوروں کے ذبح کرنے پر ٹیکس کی معافی وغیرہ وغیرہ ان سب اُمور کی متعلق احکام جاری کیے۔

آئینی جنگ کیوں؟

گلینسی کمیشن کی سفارشات پر مہاراجہ کے احکام کا ذکر میں نے کچھ تفصیل سے اس لیے کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ریاست کا مقابلہ آئینی طور پر کیا گیا تو کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔اُن کو معلوم ہو جائے کہ صحیح طریق یہی تھا کہ جدوجہد کو آئینی لائینوں پر چلایا جائے اور یہ اس کے خوش گوار نتائج ہیں۔لیکن جدوجہد آئینی ہوتی یا غیر آئینی۔انہیں اس سے کیا سروکار۔غرض اپنے حلوے مانڈے کا اہتمام تھا جو چند ہفتے جس طرح بھی میسر آتا رہا حاصل کرتے

رہے۔ جب فضا خشک ہوگئی تو سیاست کے رِمتے فقیر کمبل جھاڑ کر چلتے بنے۔

اہالیانِ ریاست نے بھی قربانیاں دیں اور بیرونی ہمدردوں نے بھی کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا۔ اگر مہاراجہ پر حکومتِ ہند اور حکومتِ برطانیہ کا دباؤ نہ پڑتا تو اتنی قربانیوں کے باوجود کشمیری کچھ نہ کر سکتے۔ سب کوششوں اور قربانیوں کے یکجا ہو جانے سے اچھے نتائج پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالرحیم دردؔ۔ صوفی عبدالقدیر نیاز اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نمائندوں نے مسٹر گلینسی سے بار بار ملاقاتیں کیں اور ان پر مطالبات کی منظوری کی سفارش کرنے پر زور دیا اور جن معاملات میں انہیں شرح صدر نہ ہوتا تھا۔ کوشش کی کہ وہ ان کے ہم خیال ہو جائیں۔

گلینسی کمیشن کی رپورٹ آزادی کشمیر کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے بلا شک وشبہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی۔ کہ رعایا کی شکایات حقیقت پر مبنی تھیں اور انہوں نے بلاوجہ چیخ وپکار نہ شروع کر رکھی تھی۔ اور یہ کہ انکا ازالہ نہایت ضروری تھا۔ یہی مؤقف آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ابتداء سے اختیار کر رکھا تھا۔ اور نمائندگانِ ریاست بھی اس کے ساتھ متفق تھے۔

کانفرنس برائے آئینی اصلاحات

گلینسی کمیشن کے علاوہ مہاراجہ نے ریاست میں آئینی اصلاحات کے اجراء کے سوال پر بحث اور سفارشات کے لیے ایک کانفرنس مقرر کی۔ جس کا صدر مسٹر گلینسی کو مقرر کیا۔ ان کے علاوہ اس کے چودہ ارکان تھے۔ کمیشن کے تینوں ممبر بھی اس کے رکن تھے۔ کئی ارکان نے عدم تعاون کیا۔ ان کو کمیشن کی ہیئت ترکیبی پر اعتراض تھا۔ اس کے باوجود کارروائی جاری رہی اور اپریل ۳۲ء کے آخر پر کانفرنس نے اپنی سفارشات مہاراجہ کے سامنے پیش کر دیں۔

آئین ساز اسمبلی

کانفرنس نے سفارش کی کہ جہاں تک جلد ممکن ہو ریاست میں ایک لیجسلیٹو اسمبلی قائم کردی جائے۔اس اسمبلی کو اختیار ہو کہ قوانین وضع کرے۔جن کی آخری منظوری مہاراجہ سے لینی ہوگی۔ریاست کا میزانیہ بھی اسمبلی میں پیش ہوا کرے۔اسمبلی کے استصواب کے بغیر کوئی نیا ٹیکس عاید نہ کیا جائے۔اسمبلی میں تقریر کی پوری آزادی ہو۔نیز اسمبلی کی ہیئت ترکیبی کے متعلق سفارشات کی گئیں۔اسی طرح ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلیٹوں کے متعلق بھی سفارشات کیں۔

فرنچائز کمیٹی

مہاراجہ نے ۲۸ رمئی ۳۲ء کو اس رپورٹ پر احکام صادر کئے ......اور سر برجور د لال ۔مسٹر ایل ڈبلیو جارڈین اور مسٹر رام ناتھ شرما پر مشتمل ایک فرنچائز کمیٹی مقرر کردی۔

S. M. ABDULLAH
M.Sc. (Alig)

SRINAGAR ________ 19

مکرم و معظم جناب حضرت میاں صاحب

السلام علیکم۔ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

سب سے پہلے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ اُس بے لوث اور بے غرضانہ کوشش اور جد و جہد کے لئے جو آپ نے کشمیر کے درماندہ مسلمانوں کے لئے کی۔ پھر آپ نے جس استقلال اور محنت کے ساتھ مسئلۂ کشمیر کو لیا اور میری غیر موجودگی میں جس قابلیت کے ساتھ ہمارے ملک کے سیاسی احساس کو قائم اور زندہ رکھا۔ مجھے امید رکھنی چاہئیے کہ آپ نے جس ارادہ اور عزم کے ساتھ مسلمانانِ کشمیر کے حقوق کے حصول کے لئے جد و جہد فرمائی ہے آئندہ بھی اسے زیادہ کوشش اور توجہ سے جاری رکھینگے۔ اور اسوقت تک اپنی مفید کوششوں کو بند نہ کرینگے جب تک کہ ہمارے تمام مطالبات صحیح معنوں میں ہمیں حاصل نہ ہوجائیں۔!

میں اسوقت مناسب خیال کرتا ہوں کہ مختصر طور پر وہ حالات عرض کروں جو میری اور دیگر کارکنوں کی گرفتاری کا باعث ہوئے۔ گزشتہ موسم سرما میں جب گلینسی کمیشن کا کام جاری تھا تو میں پوری طرح اسکے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اسکے کام میں لگا ہوا تھا اور مسلمانوں کی مختلف شکایات پیش کر رہا تھا۔ ملک کی فضا بالکل صاف اور پر امن تھی اور کسی قسم کی بدامنی کا خیال تک نہ تھا کہ اچانک بلا وجہ آرڈیننس کا نفاذ صوبۂ کشمیر میں کر دیا گیا اور ساتھ ہی مفتی ضیاء الدین صاحب کو یہاں سے جلاوطنی کا حکم دیا گیا۔ اسطرح باوجود اسکے کہ حکومت نے اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ لیکن پھر بھی میں نے مکمل امن رکھنا پسند کیا میری گرفتاری ایک تو حکومت کی زبردستی تھی اور کسی حد تک میرے اپنے بعض کارکنوں کی کمزوری۔ میں اسوقت حکومت کی پالیسی کے متعلق بھی کچھ عرض کرونگا۔

115

صدائے حق نہیں دبتی کبھی غوغائے باطل سے
سپاہِ کفر کی گرچہ نظر آئے فراوانی
طاؔہر

مڈلٹن رپورٹ

فروری ۳۲ء کے اواخر میں ایک خبر رساں ایجنسی نے اخبارات میں مڈلٹن رپورٹ کا خلاصہ شائع کروایا۔ جس سے مسلمانوں میں سخت مایوسی پھیل گئی۔ ایسوسی ایٹڈ پریس جس نے اس کی اشاعت کا انتظام کرایا تھا۔ ریاست کے زیر اثر تھی۔ اس سے کسی خیر کی توقع بھی نہ ہوسکتی تھی۔ صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو گو یقین تھا کہ بد دیانتی سے کام لیا گیا ہے تاہم آپ نے فوراً دہلی میں کمیٹی کا اجلاس بلایا۔ ۲/ مارچ ۳۲ء کو ''سوس ہوٹل'' (SWISS HOTLE) میں میٹنگ ہوئی۔ جس میں غور و فکر کے بعد کئی قراردادیں منظور ہوئیں۔ ایک قرارداد یہ تھی۔

> ''...... مڈلٹن رپورٹ کے اس اقتباس سے جو ایسوسی ایٹڈ پریس نے شائع کیا ہے۔ پایا جاتا ہے کہ ڈوگرہ مظالم کے متعلق رپورٹ غیر منصفانہ اور اس شہادت کے خلاف ہے جو کمیشن کے روبرو پیش کی گئی۔ رپورٹ میں ڈوگرہ مظالم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جس نے مسلمانوں کے زخموں پر

نمک پاشی کا کام کیا ہے ۔اور ڈوگروں کو مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے کی جرأت دلائی ہے ۔ رپورٹ کا ملخص جو اخبارات میں شائع ہوا ہے ۔اس سے ایسے لوگوں کا اعتماد بھی متزلزل ہوگیا ہے ۔جو برطانوی حکومت کے ہاتھ سے انصاف وعدل کی امید لگائے بیٹھے تھے......''

اسی اثناء میں کمیٹی کے مطالبہ پر ریاست کی طرف سے رپورٹ کی ایک نقل صدرِ کمیٹی کو مہیا کردی گئی ۔آپ نے ۵؍مارچ کو دہلی میں پھر اجلاس بلایا جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ چودھری محمد ظفر اللہ خاں کی سرگردگی میں ایک سب کمیٹی رپورٹ کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد کمیٹی میں اپنے تاثرات پیش کرے ۔

رپورٹ پر تبصرہ

اُسی روز جناب صدر صاحب نے ایک بیان اخبارات میں اشاعت کی غرض سے دیا ۔جس میں فرمایا:۔

''......اب مجھے اس کی ایک کاپی ملی ہے ۔جس کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اخبارات میں جو اس کا خلاصہ شائع ہوا ہے ۔وہ سخت گمراہ کن اور اصل حالات کے خلاف ہے ۔''

پھر فرمایا:۔

''......رپورٹ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایسوسی ایٹڈ پریس نے اس کا جو خلاصہ شائع کیا ہے ۔ وہ مسٹر مڈلٹن کے ساتھ صریح ناانصافی ہے ۔اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ پورا پورا انصاف بھی نہیں کیا گیا ۔لیکن یہ امر واضح رہے کہ رپورٹ ایسی بُری نہیں ۔جیسا کہ خلاصہ سے

معلوم ہوتی تھی۔اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ اس میں من حیث القوم مسلمانوں کی تحقیر کی گئی ہے۔خلاصہ فی الواقعہ گمراہ کن تھا اور کوئی لفظ یہاں سے اور کوئی وہاں سے لے کر جوڑ دیا گیا تھا......‘‘

ذمہ داری ریاستی حکام پر

رپورٹ کے مکمل متن سے ثابت ہو گیا ہے کہ

صدائے حق نہیں دبتی کبھی غوغائے باطل سے
سپاہِ کفر کی گرچہ نظر آئے فراوانی

مسٹر مڈلٹن نے ریاست کے سول اور ملٹری افسروں کے افسوسناک رویہ کا ذکر اپنی رپورٹ میں اس طرح کیا ہے:۔

’’اگر حکام ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کرتے۔اور مضبوطی سے صورت حالات کا مقابلہ کرتے تو معاملہ قابو سے باہر نہ ہو جاتا۔‘‘ہر ایک حاکم ذمہ داری کو اپنے اوپر لینے سے کتراتا رہا اور عین مشکل کے وقت ہر افسر اپنے سے بڑے افسر کے پاس جا کر آرڈر لینے کی کوشش کرتا رہا۔‘‘

’’اس معاملہ سے صاف ظاہر ہے کہ ان حکام کو اپنی ذمہ داری کا پوری طرح احساس نہ تھا۔اور نہ انہیں اپنے فیصلوں پر اعتماد تھا۔‘‘

ریاستی فوج کی جانبداری

ریاستی فوج کے متعلق مسٹر مڈلٹن نے تحریر کیا کہ جموں میں قتل و غارت ہوئی تو:

’’......فساد کے وقت فوج فوراً موقع پر پہنچ گئی جس نے مسلمانوں کو تو منتشر کر دیا۔اور ہندوؤں کو کھلے بندوں چھوڑ دیا گیا۔جنہوں

نے جتھے بنا کر اِکا دُکا مسلمانوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کی دکانوں کو فوج کی موجودگی میں لوٹنا شروع کر دیا۔ ہندو مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ لیکن فوجی سپاہی پاس کھڑے دیکھتے رہے۔ اگرچہ بعد میں فوج کو شہر کے مختلف حصوں میں متعین کر دیا گیا۔ لیکن ہندوؤں کی چیرہ دستیاں کئی دنوں تک بدستور جاری رہیں۔''

محکمہ پولیس میں اندھیر گردی

پولیس جو ملک میں امن قائم رکھنے۔ بدامنی کو روکنے اور رعایا کے ہر فرد کی جان۔ مال اور عزّت و آبرُو کے تحفظ کے لیے مقرر کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق مسٹر مڈلٹن کے یہ الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ اپنی رپورٹ میں تجویز کرتے ہیں:۔

''......محکمہ پولیس کی حالت بہت افسوس ناک ہے۔ ضرورت ہے کہ اس محکمہ کو نئے سرے سے باقاعدہ منظّم کیا جائے......''

اپنی رپورٹ میں مسٹر مڈلٹن نے تسلیم کیا کہ......''مسلمانوں کو واقعی شکایات تھیں ''......اور لکھا کہ......''اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ رعایا کی تکلیفوں کو پوری طرح تحقیقات اور ان کے ازالہ کی کوشش کی جائے......'' گویا گلینسی کمیشن کی ضرورت و اہمیت کو بھی واضح الفاظ میں تسلیم کر لیا۔

ملاپ کو بھی ماننا پڑا

مسٹر مڈلٹن کی رپورٹ کا یہ اثر ہوا کہ ملاپ ایسا متعصب اخبار بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ:

''......اگر جموں کے افسران اور حکّام وقت پر تدارک کر لیتے تو جموں میں کوئی خرابی ہی پیدا نہ ہوتی۔ جموں کے معززین جموں کے وکلاء اور جموں کے باخبر لوگ لمحہ لمحہ کی اطلاع حکّام کو دیتے رہے اور حکّام یہ کہہ کر ٹال

دیتے رہے کہ سب ٹھیک ہے۔ وکلاء نے حلفی بیان تک حکاّم کے سامنے دیئے۔لیکن پھر بھی آنے والے خطرہ کو روکنے کے لیے کوئی تدبیر نہ کی گئی۔ مڈلٹن رپورٹ میں ان حکاّم اور افسران کو بجاطور پر ملزم گردانا گیا ہے ......۔'' (ملاپ ۲۰/مارچ ۳۲ء)

ریاست کی نئی چال

باشندگان ریاست کی نظر میں مڈلٹن اور گلینسی کمیشنوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پھر شہداء کے کنبوں کے گزارہ کا انتظام کرنا لازم تھا۔اوراپنے مطالبات کومنوانے کے لیے انتہائی جدوجہد کی ضرورت تھی۔ایسے وقتوں میں ریاستی حکاّم نے نمائندگان جموں وکشمیر میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی۔ایسی کوششیں وہ پہلے بھی ریاست سے باہر ہندوستان میں کرنے کے بعد ناکام ہو چکے تھےلیکن ریاست میں انھیں ایک حد تک کامیابی ہوگئی۔اوربعض نمائندگان نے فرقہ وارانہ سوال کو ہوا دینے کی کوشش شروع کردی۔ یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ اگراس کا انسداد فوری نہ کیا جاتا۔تو سب قربانیاں اور مظلومین کا خون ضائع جاتا۔اس لیےاس کا انسداد سمجھ دار لوگوں نے اس طرح کیا۔کہ ایک جلسہ عام سری نگر میں دسمبر ۳۱ء کے آخر میں کیا۔اس میں ہر فرقہ کے لوگوں کو مدعو کیا گیا۔تا کہ اجلاس کونمائندہ حیثیت حاصل ہو جائے۔

نمائندہ جلسہ

اس جلسہ میں جو کشمیر کے مشہور مذہبی لیڈر میر واعظ مولانا احمداللہ ہمدانی کی صدارت میں ہوا۔خواجہ غلام نبی گلکار مرزا محمد افضل بیگ۔مفتی ضیاء الدین ضیاؔ۔مسٹرمحمد یوسف۔مفتی جلال الدین ایم۔اے۔پیرمقبول شاہ۔پیرمحی الدین۔خواجہ غلام محی الدین کرّہ۔مسٹر غلام مرتضٰی۔ایم۔ایس۔سی۔مسٹرثناء اللہ۔مسٹرمحمد امین اورمسٹر غلام بنی خان سب کے سب قابل

ذکر لوگوں نے اس میں شمولیت کی۔اور تین نمائندگان یعنی سید حسین شاہ جلالی۔خواجہ غلام احمد عشائی ایم۔اے اور چودھری غلام عباس نے جو شاملِ اجلاس نہ ہو سکے۔خطوط کے ذریعہ شمولیت کی۔ان کے خطوط جلسہ میں پڑھ کر سُنا دیے گئے۔

شیخ محمد عبداللہ کی پُرسوز تقریر

شیخ محمد عبداللہ نے بہت ہی پُر درد لہجہ میں کہا:۔

''......موجودہ حالات کی نزاکت کو سمجھیں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے قومی مفاد کو نقصان پہنچے حکومت مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتی ہے اور چند مسلمان لیڈر حکومت کے دام فریب میں آکر مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کے شیرازہ کو بکھیر کر اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور سُنی۔شیعہ۔اہلحدیث اور احمدی وغیرہ کا سوال اُٹھا رہے ہیں۔آپ مجھے اس معاملہ میں اپنے فیصلہ سے آگاہ کریں۔میں اسی پر عمل کروں گا''

سب طرف سے آوازیں آئیں کہ ہم ایسے لوگوں سے بیزار اور آپ کے ساتھ ہیں۔

سیّد حسین شاہ جلالی کا مکتوب

سید حسین شاہ جلالی نے اپنے خط میں جو جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔لکھا:۔

''......یہ ایک افسوسناک معاملہ ہے کہ اہل اسلام کے درمیان اس وقت فرقہ دارانہ سوال پیدا کیا جا رہا ہے۔جب انتخاب نمائندگان ہوا تھا تو ہم تمام نمائندگان نے اسے اپنا اصول بنا رکھا تھا بلکہ ایک قسم کا حلف لیا تھا کہ فرقہ دارانہ سوال کو کبھی عامة المسلمین میں نہیں اُٹھانا چاہیے۔اور تمام فرقوں کو خواہ وہ سُنی ہوں یا شیعہ،اہل حدیث ہوں یا احمدی مقلد ہوں یا غیر مقلد

متحد اور متفق ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہئے......‘‘

خواجہ غلام احمد عشائی نے لکھا تھا

’’......مجھے افسوس ہے کہ تفرقہ پیدا کیا گیا ہے۔ میں خود مرزائی نہیں اور نہ اہلحدیث۔ مگر اس جدوجہد میں ہم فرقہ داری سے بالا ہو کر تمام اہل اسلام خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں متفق ہو کر کامیابی کی امید رکھتے تھے......‘‘

چودھری غلام عباس کا خط

چودھری غلام عباس کا جو خط پڑھ کر سنایا گیا اس میں انہوں نے لکھا تھا:۔

’’مجھے یہ دیکھ کر کہ مسلمانانِ کشمیر کے درمیان تفرقہ پردازی کی وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے از حد اور دلی صدمہ ہوا ہے اس وقت مسلمانوں پر دورِ ابتلاء و مصیبت ہے اور رہبران قوم کی ذراسی لغزش بھی تباہی کا حکم رکھے گی......‘‘

اسی طرح لکھا:۔

’’......موجودہ سوال قوم کا من الحیث القوم سوال ہے۔ اور نہ حکومت نے گولی چلاتے ......گرفتاریاں عمل میں لاتے اور تشدد کرتے وقت ہی فرقہ دارانہ تمیز سے کام لیا ہے......‘‘

نمائندگان کو مخاطب کر کے کہا:۔

’’......خدارا موقع کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھ لیجئے۔ اور قوم کو افتراق سے بچائیے اور ایسی راہ اختیار کیجئے۔ جس سے مسلمانانِ ریاست کی مشکلات

حل ہوں اور آئندہ مظالم کا سدِّ باب ہو......''

گلینسی رپورٹ اور صدر کشمیر کمیٹی

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اب ایسا مقام پیدا کر لیا تھا کہ ریاست ،حکومت ہند اور حکومتِ برطانیہ سب اس کی آواز پر کان دھرنے پر مجبور تھے۔گلینسی کمیشن کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے۔کمیٹی اور اس کے قابلِ احترام صدر کی طرف سے اس پر جو تبصرے ہوئے ان کے دو اقتباس یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

''مسٹر گلینسی کی زیرِ صدارت جو کمیٹی (مجلس آئین ساز کے متعلق) مقرر کی گئی ہے۔اور اس میں جن لوگوں کو مسلمانوں کے نمائندے قرار دیا گیا ہے۔ان کی قابلیت اور سیاسی امور کے متعلق واقفیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں کی تکالیف کی پوری طرح تحقیقات کا انتظام کیا گیا ہے۔جس کے خلاف مسلمان پر زور صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔''

کمیشن کی اصل رپورٹ شائع ہونے پر لکھا:۔

''......گو یہ رپورٹ میری خواہشات کو کلی طور پر پورا کرنے والی نہیں لیکن پھر بھی اس میں کافی مواد ایسا موجود ہے جس پر مسلمانوں کو بھی خوش ہونا چاہیے اور مہاراجہ کو بھی۔کیونکہ انہوں نے اپنی رعایا کے حقوق کی طرف توجہ کر کے اپنی نیک نفسی کا ثبوت دیا ہے۔اس رپورٹ کے لکھنے پر مسٹر گلینسی بھی خاص مبارک باد کے مستحق ہیں۔اور اُن کے ساتھ کام کرنے والے نمائندے بھی کہ انہوں نے رعایا کے حقوق ادا کرنے کی سفارشات

کی ہیں۔خواہ وہ مسلمانوں کے مرض کا پورا علاج نہ بھی ہوں......''

گلینسی رپورٹ کے متعلق لکھا:۔

''......میں اُمید کرتا ہوں کہ دوسری گلینسی رپورٹ ایک نیا دروازہ سیاسی میدان کا مسلمانوں کے لیے کھول دے گی اور گو وہ بھی یقیناً مسلمانوں کی پورے طور پر دادرسی کرنے والی نہ ہوگی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ان کی زندگی کے نقطہ نگاہ کی کو بدلنے والی اور آئندہ منزل کی طرف ایک صحیح قدم (ہاں مگر ایک چھوٹا قدم) ہوگی......''

اللہ والوں کی کوششیں

ایم فیض احمد گو خاموش طبع تھے اور مذہبی مشاغل میں ہی مصروف رہتے تھے۔لیکن اس بزرگ نے سیاسی میدان میں بھی کام کیا ہے۔آنحضرتﷺ روحانیت کے شہنشاہ ہونے کے علاوہ سیاست کے بھی تاجدار تھے۔آپ کا یہ دستور تھا کہ جنگوں اور سیاسی مہمات میں رازداری اور اخفاء سے کام لیتے تھے۔ایم فیض احمد کے کام بھی اسی قسم کے تھے۔جن کا راقم الحروف کو علم تو ہے لیکن بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ وہ کشمیر کمیٹی اور مسلم نمائندگانِ کشمیر میں ایک طرح ناظم رابطہ کی حیثیت رکھتے تھے۔جس قدر قاصد بھجوائے جاتے یا وہاں سے ریاست میں آتے ان کا ہیڈکوارٹر انہی کا گھر ہوتا تھا۔

مولانا محمد الدّین اور گلینسی

سادگی اور بے لوث خدمت اپنے اندر کس قدر طاقت رکھتی ہے۔اس کی ایک مثال پیش ہے۔گلینسی کمیشن کا کام قریباً ختم ہو چکا تھا۔لیکن ابھی رپورٹ مہاراجہ کو نہ گئی تھی۔ جنابِ صدرِ کشمیر کمیٹی نے مولانا محمد الدین (سابق مسلم مشنری امریکہ) کو مسٹر گلینسی کے پاس جموں

اوراس غرض سے بھجوایا کہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق کچھ مزید باتیں رپورٹ میں درج ہوجائیں۔مسٹر گلینسی نے معذرت کی کہ اب تو میں کام ختم کر چکا ہوں۔آپ کا مطالبہ پورا کرنا ممکن نہیں۔لیکن مولانا کے دلائل کے بعد وہ قائل ہوگیا۔اوراُن کی بات تسلیم کرلی۔

کمیٹی کے مقامی کارکن لیفٹیننٹ محمد اسحاق بھی اس ملاقات میں مولانا کے ساتھ گئے تھے۔مولانا کی سادگی اورٹھوس قابلیت سے مسٹر گلینسی بہت ہی متاثر ہوئے۔

''......خدا کے فضل سے کشمیر میں تمام مسلمان چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ، احمدی ہوں یا حنفی سب مل کر کام کریں گے۔سوائے چند خود پرست لوگوں کے جو محض نفسانی اغراض کی وجہ سے افتراق پیدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں......''

قائدانہ طریقِ کار

ہر مہم کو سَر کرنے ے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کا قائد دور بین نگاہ کا مالک ہو۔اور کامیابی سے ہم کنار ہونے کے لیے تمام ذرائع استعمال کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔دشمن کی ہر چال سے باخبر رہے قوم کو منظّم اور اس کے حوصلوں کو بلند رکھے۔آزادی کشمیر کی تحریک میں بھی ان تمام امور کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔اور رات دن کام ہو رہا تھا۔کہیں حکام ریاست سے رابطہ پیدا کیا جا رہا ہے تو کہیں حکومتِ ہند کے سربراہوں سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔کہیں اخبارات کا تعاون حاصل کیا جا رہا ہے۔ضروری لٹریچر ملک میں پھیلا جا رہا ہے۔انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں سے بار بار مل کر اُن کے ذریعہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔کہیں قوم کا حوصلہ بلند رکھنے کی خاطر اسیروں کی رستگاری کے لیے ہر ممکن ذریعہ استعمال ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ......مظلومین کی قانونی، طبی اور مالی امداد بھی جاری ہے۔آج لاؔہور، کل شملؔہ، پرسوؔں دلّی اترسوں جمّوں، پھر سرؔی نگر، میرؔ پور مظفرؔ آباد جگہ جگہ کے سفر بھی جاری ہیں۔غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان مساعی کے نتیجہ ہی میں تحریک آزادی کو کامیابیاں ہونا شروع ہوئیں۔

وائسرائے ہند کے پاس وفد

۴/اپریل ۳۲ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ایک وفد نے چودھری محمد ظفراللہ خاں کی قیادت میں دہلی میں وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ یہ وفد ہندوستان کے حقیقی نمائندوں پر مشتمل تھا۔ چنانچہ اس میں ڈاکٹر شفاعت احمد، مولانا شفیع داؤدی، مسٹر اے۔ایچ غزنوی ،نواب عبدالحفیظ خاں، کیپٹن شیر محمد خاں ڈومیل، نواب ابراہیم علی خاں آف کنجپورہ، شاہ مسعود احمد، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، خاں بہادر رحیم بخش، سید محسن شاہ، شیخ فضل حق پراچہ، سید حبیب شاہ اور مولانا عبدالرحیم درد شامل ہوئے۔

اس موقع پر وائسرائے کو جو تحریری میموریل پیش کیا گیا۔ اس میں افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا گیا تھا کہ گلینسی کمیٹی میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے بہت کم نمائندگی دی گئی ہے۔ اور پھر جو ممبر بنائے گئے ہیں وہ مسلمانوں کے حقیقی نمائندہ نہیں ہیں۔ دستوری معاملات میں انہیں کسی قسم کا تجربہ حاصل نہیں۔ مسلمانوں کے اصل رہنما جیلوں میں بند ہیں۔ ریاست کے افسران انتقام لینے کی خاطر مسلمانوں کو جبر و استبداد کا تختۂ مشق بنا رہے ہیں۔ مسلمان خوف زدہ ہو کر کثیر تعداد میں جموں اور کشمیر سے برطانوی علاقہ میں پناہ گزیں ہو رہے ہیں۔ غرض مسلمانانِ کشمیر پر مظالم کے خلاف پُرزور احتجاج کرتے ہوئے اُن کے حقوق کے منصفانہ تصفیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور سیاسی قیدیوں کی رہائی اور خوف و ہراس کو دور کرنے کے لیے فوری اور مؤثر کارروائی کرنے کی اپیل نیز مہاراجہ کو فوری ہدایات جاری کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ وائسرائے نے تمام اُمور پر فوری اور ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا۔

وزیراعظم سے وفد کی ملاقات

۲۳؍اپریل ۱۹۳۲ء کو کمیٹی کا ایک وفد وزیراعظم کشمیر سے ملا۔ اس کی روداد راقم الحروف نے اُسی روز جموں سے بذریعہ تار بھجوادی۔ تار میں درج تھا:۔

’’......سید محسن شاہ، مولانا محمد یعقوب خاں، مسٹر مجید ملک، مولانا میرک شاہ اور مولانا عبدالرحیم دردؔ پر مشتمل آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ایک وفد آج کرنل کالون وزیراعظم ریاست جموں وکشمیر سے ملا۔ اور رسمی طور پر کئی ایک اہم اُمور پر ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ جن میں آرڈی نینسوں کی تنسیخ اور سیاسی قیدیوں کی عام معافی کا اعلان بھی ہے۔ مسلمانوں کو تخفیف سے بچانے اور ایسی کاروائی عمل میں لانے کے لیے سوؔپورہ، ہنؔدواڑہ، باؔرہ مولہ ،کوٹلی، اور راؔجوری کے افسران کے روّیہ کی آزادانہ تحقیقات ہوسکے۔ خاص زور دیا گیا مسٹر گلینسی کی دستوری سفارشات کے سلسلہ میں دو ایسے مسلم وزراء کے تقرر کا مطالبہ کیا گیا۔ جن پر مسلمانوں کو کامل اعتماد ہو۔ نیز کونسل میں مسلمانوں کو کافی نمائندگی دیئے جانے پر خاص زور دیا گیا۔ کرنل کولون کا رویہ نہایت ہمدردانہ تھا۔ اور آپ نے یقین دلایا کہ گلینسی کمیشن کی سفارشات پر پوری توجہ سے عمل درآمد کیا جائے گا......‘‘

ریاست کی طرف سے جب اخبارات پر پابندیاں عائد ہونا شروع ہوئیں تو صدر محترم کشمیر کمیٹی نے مطبوعہ مکتوبات کا ایک سلسلہ شروع کردیا۔ یہ مکتوب کسی نہ کسی طریق سے ریاست کے ہر حصے میں پہنچا دیئے جاتے تھے۔ میں نے سری نگر میں خود دیکھا کہ جب یہ مکتوب کسی کے پاس پہنچتا۔ وہ پندرہ بیس آدمیوں کو جمع کرکے اسے پڑھ کر سناتا اور پھر ایک شخص دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو پہنچاتا چلا جاتا۔ اس طرح ہر خط کا مضمون لاکھوں انسانوں

تک پہنچ جاتا اس سے عام بیداری اور جوش پیدا ہونے کے علاوہ ریاستی باشندے حالات سے بھی باخبر رہتے تھے۔ (یہ تمام خطوط تاریخ کا ضروری حصّہ ہیں اور تفصیل سے تاریخ لکھنے والا ان کو ضرور نقل کرے گا۔ظ۔ا)

اسیروں کی رستگاری

سیاسی اسیروں کی قید کا زمانہ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔گو ان قیدیوں کی پکار تو یہ تھی؛

وہ ہوں گے اور کوئی ان کی دھمکی سے جو ڈر جائیں
ہمیں ڈرنے سے کیا نسبت کہ ہم ہیں شیر ربانی
ہمیں شوقِ شہادت ہے یہ مقتل کیا یہ جنت ہے
بوقت ذبح کیا ممکن جو ظاہر ہو پریشانی

(طاؔہر)

لیکن قوم کا بھی تو کچھ فرض تھا۔اسے جھنجھوڑنے کیلئے محترم میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنے ایک مطبوعہ مکتوب میں لکھا:۔

''......ہر قوم جو زندہ رہنا چاہتی ہے۔اُس کا فرض ہے کہ اپنے لیڈروں اور کارکنوں سے وفاداری کا معاملہ کرے۔اور اگر قومی کارکن قید ہیں اور لوگ تسلی سے بیٹھ جائیں تو یہ امر یقیناً خطرناک قسم کی بے وفائی ہوگا۔مسلمانانِ جمّوں وکشمیر کو یاد رکھنا چاہیے کہ گو وہ بہت سے ظلموں کے تلے دبے چلے آتے ہیں۔پھر بھی اُن کی حالت یتیموں والی نہ تھی۔کیونکہ جب تک اُن کے لیے جان دینے والے لوگ موجود تھے۔وہ یتیم نہ تھے۔لیکن اگر وہ

آرام ملنے پر اپنے قومی کارکنوں کو بھول جائیں گے تو آئندہ کسی کو ان کے لیے قربانی کرنے کی جرأت نہ ہو گی اور وہ یتیم ہو جائیں گے......''

پھر فرمایا:۔

''......ان کا فرض ہے کہ جب تک مسٹر عبداللہ۔قاضی گوہر رحمٰن اور اُن کے ساتھی آزاد نہ ہوں وہ چین سے نہ بیٹھیں۔اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کام میں مَیں اُن کی ہر ممکن امداد کروں گا۔اور اب بھی اس غرض کو پورا کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہوں......''

کچھ اسیروں کی رہائی

اس مکتوب نے گویا جنگل میں آگ لگا دی ۔ہر طرف جلسے ہونے لگے ۔ اور ریزولیوشن پاس کر کے افسروں کو بھجوائے جانے لگے ۔وائسرائے کے وفد اور وزیر اعظم کے وفد کے ساتھ یہ طاقت بھی مل گئی۔آخر ۹رمئی ۳۲ءکو سری نگر کے مسلمانوں کے نمائندہ نے صدر کمیٹی کو تار کے ذریعہ اطلاع دی کہ

''......آج مسٹر یوسف خاں (علیگ)،نذیر احمد،عبداللہ اور غلام محمد اسیرانِ سیاسی رہا کر دیئے گئے......''

اظہار تشکر

جیل کے دروازے پر مسلمانون نے ان کا شاندار استقبال کیا اور یہ قرارداد منظور کر کے بھجوائی کہ

''......یہ پارٹی مسلمانانِ کشمیر کی واحد نمائندہ جماعت آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر اور ارکان نیز مسلم پریس سے درخواست کرتی ہے کہ

مسلمانان کشمیر کے مطالبات تسلیم کرانے کے لیے انھوں نے جو کامیاب کوشش کی ہے اس پر دلی شکریا قبول فرمائیں۔ تکلیف اور مصیبت میں مدد کے لیے تمام قیدیوں کی نگاہیں ان پر لگی ہوئی ہیں......''

شیخ عبداللہ کی رہائی

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی پیہم کوششیں خدا کے فضل سے بارآور ہوئیں اور ریاست کشمیر نے آخر کار شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے بقیہ مسلم راہنماؤں کی رہائی کے احکام بھی جون ۳۲ء کے پہلے ہفتہ میں جاری کر دیئے۔ کشمیر کے مختلف حصوں سے اس کامیابی پر جناب صدر کی خدمت میں مبارک باد کے متعدد تار موصول ہوئے۔

شیر کشمیر لاہور میں

شیخ محمد عبداللہ کئی ماہ جیل میں گزانے کے بعد رہا ہوئے تو ضروری امُور میں مشورہ کے لیے ۵ جولائی کو لاہور آئے۔ جہاں صدر محترم کشمیر کمیٹی ایک روز پہلے پہنچ چکے تھے۔ آپ کا قیام مرزا عزیز احمد ایم۔اے (ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر) کی کوٹھی پر تھا۔ شیخ صاحب نے بھی اسی جگہ قیام کیا۔ اور دو دن اور دو راتیں میٹنگیں ہوتی رہیں۔ (شیخ صاحب کی خواہش پر راقم الحروف نے ان کے قیامِ لاہور کے عرصہ میں ان کے سیکرٹری کے طور پر کام کیا اور لاہور کے معززین سے ان کی ملاقاتوں میں ان کے ساتھ رہا۔)

ایک دیانت دار اخبار نویس

اس مختصر قیام میں شیخ محمد عبداللہ صاحب ''زمیندار'' کے مالک سے ملنے کے لیے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ ابھی رسمی سلام و مزاج پُرسی ہو رہی تھی کہ ان کے بیٹے اختر علی صاحب آدھمکے اور آتے ہی اپنے ابّا کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''شیخ صاحب سے دریافت کر لیجئے کہ یہ احمدیہ فرقہ کے ساتھ تو تعلق نہیں رکھتے......''

اور یہ کہ ان کا اس فرقہ کے متعلق کیا خیال ہے۔اور ساتھ ہی کاتب کو آواز دی۔ بھئی ٹھہرنا شیر کشمیر کا ایک اہم بیان آ رہا ہے۔اس کے لیے چوکھٹا بنانا ہے۔اخبار کے مالک بیٹے کو فرمانے لگے۔ارے شیخ صاحب کے لیے چائے تو منگواؤ۔ان کا وہی خیال ہے۔جو ہمارا ہے ۔شیخ صاحب نے جواباً کہا میں احمدیہ فرقہ سے متعلق نہیں ہوں۔لیکن میں ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتا ہوں۔اور ان کے اتحاد کا متمنی ہوں ۔ میں مذہبی لیڈر نہیں ہوں ۔ کہ کسی پر کفر کا فتویٰ صادر کروں۔

ہم وہاں سے واپس آ رہے تھے ۔ کہ ٹانگہ میں بیٹھے ہوئے شیخ صاحب مجھ سے فرما نے لگے کہ

''اب کوئی چوکھٹہ نہیں چھپے گا۔''

دوسرے روز صبح ہی جب اخبار آئے تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بعض اخبار نویس کس قدر دلیری سے جھوٹ بول لیتے ہیں۔

راقم الحروف کا انٹرویو

اسی روز شام کو مَیں نے شیخ محمد عبداللہ سے نمائندہ ''الفضل'' کی حیثیت سے ایک انٹر ویو لیا۔ جسے اسی وقت قلمبند کر کے احتیاطاً شیخ صاحب کو دکھا دیا گیا۔اُنھوں نے ایک آدھ لفظی تبدیلی کی اور میری درخواست کے بغیر اس پر تصدیقی دستخط کر دیئے۔شیخ صاحب نے مجھ سے فرمایا:۔

''خدا کے فضل سے کشمیر میں تمام مسلمان چاہے وہ سُنی ہوں یا شیعہ۔احمدی

ہوں یا حنفی۔ سب مل کر کام کر رہے ہیں سوائے چند خود پرست لوگوں کے جو محض نفسانی اغراض کی وجہ سے افتراق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ جموں وکشمیر کے مسلمان مذہبی دنگل میں نہیں کھیلنا چاہتے بلکہ فروعات کو ایک طرف رکھ کر قومی بہتری کے لیے متحدہ کوشش کر رہے ہیں......''

جب میں نے شیخ صاحب سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور احرار کے متعلق (انہیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لیے) کہا تو شیخ صاحب نے جواباً کہا:۔

''احرار کے متعلق میرے خیال میں (جہاں تک عام پبلک کا تعلق ہے) انہوں نے اہل کشمیر کی خاطر بہت قربانیاں کی ہیں۔ مگر ذمہ دار کارکنان کا طرزِ عمل میرے خیال میں صحیح نہیں رہا۔ اگر وہ ہمارے مشورہ سے کام کرتے تو زیادہ مفید ثابت ہوتے......''

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے متعلق بیان کیا

''......ہم کمیٹی کے از حد ممنون ہیں۔ جس نے مظلومین کشمیر کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔ اس کے ممبروں کی ان تھک کوششوں نے مسلمانانِ کشمیر کو اپنے احسان سے ہمیشہ کے لیے زیر بار کر دیا خصوصیت کے ساتھ صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور سیکرٹری صاحب کا ہم تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے باوجود رنگارنگ کی مشکلات کے اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ خداوند کریم ان کو اجرِ عظیم دے اور آئندہ بھی ہم مظلوموں کی امداد کی توفیق عطاء فرمائے''۔

شیخ محمد عبداللہ کا جوابی بیان

راقم الحروف کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کے انٹرویو کی تفصیل جب اخبارات میں شائع ہوئی تو اُسی روزانہ اخبار نے (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) اس پر خامہ فرسائی کو ضروری سمجھا ۔اور ایک ادارتی نوٹ داغ دیا۔شیخ صاحب نے اس کے متعلق ایک مدلل بیان اس اخبار کو بغرض اشاعت بھجوایا۔جس میں لکھا کہ

> انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل درست ہے اور جو الزامات آپ کے اخبار نے لگائے ہیں وہ بے بنیاد ہیں

اس بیان کو آپ نے اس طرح ختم کیا:۔

> ''......رہا یہ کہ کشمیر کمیٹی نے یہاں ہمیشہ اپنے ہم وطن بھیجے جو جماعتِ قادیان کی طرف منسوب تھے تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ انہوں نے کبھی یہاں مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا۔بلکہ اپنے فرائض منصبی ہی میں سرگرم رہے۔نیز ان کے بھیجنے والے وہ اہل سنت حضرات تھے جن کی دیانت وامانت آپ کے ہاں بھی مسلّم ہے اور مجھے تو یقین ہے کہ سیاسی تعاون میں آپ کے ہاں بھی عقیدہ کوئی شرط نہیں'۔

شمس کاشمیری

محترم شمس کاشمیری نے اخبارات میں پراپیگنڈہ کا کام خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور کشمیریوں کی تائید میں بیسیوں نوٹ لکھے۔ریاست سے آنے والی رپورٹوں کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہے۔جس سے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں کشمیریوں کی ہمدردی کا جذبہ زندہ رہا۔

علاقہ کھڑی کے لوگوں کی ہجرت

علاقہ کھڑی کے ہزار ہا لوگ ڈوگرہ مظالم سے تنگ آ کر اپنے گھر بار کو چھوڑ کر (سرکاری علاقہ) جہلم میں پناہ گزیں ہوگئے تھے...... جنابِ صدر نے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ کو وہاں بھجوایا۔ اُن کی ان تھک اور متواتر مساعی کے نتیجہ میں ترکِ وطن کرنے والوں اور حکام کے درمیان ایک باعزت سمجھوتہ ہوگیا۔

اور ہجرت کرنے والے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے

جاگیر پونچھ

جاگیر پونچھ کے حالات بھی توجہ کے طالب تھے اور وہاں جو مظالم ہو رہے تھے ان کی تحقیق اور انسداد ضروری تھا۔ محترم شاہ صاحب ہی کو پونچھ بھی بھجوایا گیا۔ کمیٹی کے وکلاء پہلے سے وہاں کام کر رہے تھے۔ اور مقدمات کی پیروی احسن طریق پر ہو رہی تھی۔ شاہ صاحب نے دورہ کر کے اس بہت بڑی جاگیر کے سیاسی حالات سے آگہی حاصل کی۔ اور پھر سری نگر پہنچ کر باشندگان کے مطالبات وزیراعظم کے سامنے رکھ دیئے۔

’’......چودھری صاحب کی قائداعظم سے ملاقات کے بعد قائداعظم نے فرمایا چودھری صاحب کی معلومات اسقدر وسیع ہیں کہ غیر ریاستی باشندہ ہونے کے باوجود ایک بھی ریاستی باشندہ مجھے ایسا نہیں ملا جو ریاست کے ہر حصہ کے حالات سے ان سے زیادہ باخبر ہو......‘‘

نمائندہ سیاسی جماعت

ابتدائی انسانی حقوق کے لیے جدو جہد کی کسوٹی پر پورا اترنا دریائے خون کو تیر کر پار اُترنے کے مترادف تھا۔ مسلمانانِ کشمیر کو اس کی پاداش میں جبر وتشدد اور ظلم وستم کے ہر امتحان میں سے گذرنا پڑا۔ اُن پر مشق بے دردی وسفا کی انتہا کر دی گئی۔

اُن پر جھوٹے مقدمات بنے

کوڑے برسے

ان سے جیلیں بھری گئیں۔

القصہ جو ظلم بھی ڈوگرہ حکومت سوچ سکتی تھی اُسے ان مظلوموں پر توڑ کر رہی۔ ان مظالم کا نتیجہ ریاست کے طول وعرض میں انفرادی بیداری کی صورت میں پیدا ہوا۔ کچھ چھوٹی چھوٹی جماعتیں اپنے حلقہ میں مفید کام کرنے لگیں مثلاً ریڈنگ روم پارٹی۔ انجمنہائے اسلامیہ، کشمیر ،کوٹلی ،میر پور ،جموں اور پونچھ ، ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن ،جموں ،میر پور وغیرہم یہ سب حصولِ آزادی کی خواہاں تھیں۔ لیکن اب کشمیر کے بعض نمائندوں میں اختلاف رونما ہو جانے

کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو چکا تھا کہ اگر ریاست میں جلد کوئی ایک منظّم اور مربوط سیاسی جماعت قائم نہ کی گئی (جو حقیقی معنوں میں ساری ریاست کی نمائندہ جماعت ہو) تو کسی وقت بھی ریاست کے عُمّال نمائندوں میں پھوٹ ڈلوا کر انہیں کچلنے میں کامیاب ہوسکیں گے اور عوام کا ایثار، قربانیاں اور شہیدوں کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔

مسلم پولیٹکل کانفرنس کی تجویز

چنانچہ جولائی ۳۲ء کے پہلے ہفتہ میں جب شیخ محمد عبداللہ لاہور تشریف لائے تو کشمیر کمیٹی کے صدرِ محترم سے اس موضوع پر بھی سیر حاصل گفتگو کی۔ پوری سکیم مرتب کی گئی اور فیصلہ ہوا کہ دو ماہ کے اندر اندر جملہ انتظامات مکمل کرنے کے بعد سری نگر کے مقام پر ایک آل جموں و کشمیر مسلم پولیٹکل کانفرنس منعقد کی جائے جس میں ریاست کے ہر حصے اور ہر طبقے کے نمائندوں کو شامل کیا جائے۔ اور پھر اسی کانفرنس کو مستقل جماعت کی شکل دے دی جائے۔

شیخ محمد عبداللہ نے واپس سری نگر پہنچتے ہی اپنے ہم خیال لوگوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ بیشتر نوجوانوں اور بزرگوں نے انہیں اس مہم میں ہر طرح تعاون کا یقین دلایا۔ آج ان لوگوں کے خیالات چاہے کچھ ہوں کم از کم اس وقت تو سب کے سب یک جان ہو کر کام کرنے لگے تھے۔ مولوی عبداللہ وکیل، مولوی عبدالرحیم ایم۔اے، مفتی جلال الدین ایم۔اے، بخشی غلام محمد، خواجہ غلام نبی گلکار، مسٹر محمد یوسف (علیگ)، غلام قادر ڈکٹیٹر، مفتی ضیاء الدین ضیاء، محمد یحیٰی رفیقی، میر غلام محی الدین، میر مقبول بہیقی، اور پروفیسر مولوی محمد سعید، یہ سب مل کر کام کررہے تھے۔ اس کے بعد بیرونی علاقوں کی طرف توجہ کی گئی۔ شوپیاں کے علاقہ میں خواجہ عبدالرحمٰن ڈار اور ان کے بھائی عبدالعزیز ڈار اور مولوی بشیر احمد...... اسلام آباد میں مرزا افضل بیگ، مظفر آباد میں سید پیر حسام الدین اور میاں احمد یار...... گلگت میں خواجہ عبدالغنی ...... پونچھ

میں منشی دانشمند وکیل اور خواجہ غلام احمد بٹ سبھی کانفرنس کو کامیاب کرنے کے لیے کوشاں تھے۔

ایک عظیم الشان جلسہ

اسی سلسلہ میں اگست کے آخر میں سری نگر میں واگذار شدہ ''پتھر مسجد'' میں ایک عظیم الشان جلسہ بھی ہوا جس میں ساٹھ ہزار مسلمان جمع ہوئے۔ پیر سید حسام الدین رئیس مظفر آباد جلسہ کے صدر تھے۔ اس جلسہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے دو معزز اراکین یعنی مولانا علم الدین سالک (ایم۔اے) اور مولانا سید میرک شاہ نے بھی پُر جوش تقاریر کر کے اس امر پر زور دیا کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے سب کو متحد ہو جانا چاہیے اور اس سلسلہ میں فرقہ دارانہ اختلاف کو کلیۃً نظر انداز کر دینا چاہیے۔ نیز مولانا یوسف شاہ صاحب میر واعظ کو بھی تحریک کی گئی کہ وہ بھی سب اختلافات کو دور کر کے اس معاملہ میں جمہور مسلمانوں سے تعاون کریں۔

اس جلسہ کے بعد سری نگر میں لگاتار جلسے ہوتے رہے جن سے رائے عامہ بڑی حد تک ہموار ہو گئی۔ ان جلسوں میں اکثر مولوی عبداللہ وکیل، مولوی عبدالرحیم ایم۔اے، مفتی ضیاء الدین ضیاء، مولانا سید میرک شاہ تقاریر کرتے......سری نگر سے باہر شیخ محمد عبداللہ نے خود بھی دورے شروع کر دیئے تھے۔ جن میں مسلمانوں کو (مشترکہ اُمور میں) متحد رہنے کی تلقین کی جاتی۔ قریباً تمام جلسوں میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ذکر بڑے ہی شکر و سپاس کے ساتھ کیا جاتا۔ اور تشکر کی قراردادیں بھی منظور کی جاتیں کیونکہ صرف اور صرف یہ ایک ہی جماعت تھی جو ایک عرصہ سے لگاتار کشمیریوں کی امداد کر رہی تھی۔

جموں میں مشورے

مجوزہ کانفرنس کے متعلق نمائندگانِ جموں سے صلاح و مشورہ بھی ضروری تھا۔ کیونکہ ان میں سے بعض خصوصاً سردار گوہر رحمٰن کا خیال تھا کہ صوبہ جموں کی کانفرنس جموں میں علیحدہ

قائم کی جائے۔سردار صاحب کی دعوت پر شیخ محمد عبداللہ خود جموں تشریف لے گئے۔ان کے جموں پہنچتے ہی نمائندگانِ جموں کا اجلاس بلایا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ بھی شریکِ اجلاس ہوئے۔ سردار گوہر رحمٰن، چودھری غلام عباس، ایم یعقوب علی، شیخ غلام قادر سب نے اس اجلاس میں شرکت کی۔مخالف وموافق آراءسن لینے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ آل کشمیر مسلم کانفرنس ہی کو کامیاب بنایا جائے۔اور''صوبائی کانفرنس'' ہی کو کامیاب کر دیا جائے۔وہاں سے آتے ہی انہوں نے نمائندگانِ کشمیر کا اجلاس کر کے تمام ارکان کو جموں والوں کے نقطہ نگاہ سے آگاہ کیا۔ جموں کے ایک نمائندہ شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ سرینگر میں تھے۔وہ بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے۔اور کانفرنس کو شاندار طریق پر کامیاب بنانے کی تیاریاں پوری سرگرمی سے شروع ہوگئیں۔پہلے ستمبر کے آخر میں کانفرنس کے انعقاد کا خیال تھا۔لیکن بعد میں (ہر حصہ ریاست کے نمائندوں مشورہ کے بعد) اسے اکتوبر تک ملتوی کر دیا گیا۔

اختلاف دور کرنے کی کوشش

کشمیر میں سب سے پہلی پولیٹکل کانفرنس کو ہر لحاظ سے کامیاب کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اُس وقت جو لوگ اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ان کو بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔میر واعظ محمد یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ میں اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی جارہی تھی۔پبلک نے ہر دو کو اختلافات مٹانے کی تلقین کی لیکن میر واعظ صاحب نے اپنی شرکت کے لیے یہ شرط عائد کر دی کہ (تحریک کی روح رواں) احمدی حضرات کو سیاسی جماعت سے باہر رکھا جائے۔

میر واعظ صاحب نے بڑا مشکل سوال اُٹھایا تھا۔جو کسی وقت بھی اس ساری تحریک کو ڈبو سکتا تھا۔لیکن شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں نے اپنی سیاسی فراست سے اس کا ایک ایسا حل پیش کیا جو میر واعظ صاحب کے لیے بھی مصیبت کا باعث بن گیا یکم ستمبر ۳۲ء کو پتھر مسجد میں

ایک جلسہ کا اعلان کیا گیا۔اس اعلان میں کہا گیا کہ میر واعظ صاحب نے صلح کے لیے جو شرائط پیش کی ہیں ان کا اسی جلسہ میں اعلان کیا جائے گا۔نصف لاکھ سے زائد لوگ جمع ہو گئے وہاں مولوی یوسف شاہ صاحب کی شرائط پیش کر کے لوگوں کو بتایا گیا کہ ہم کو اس وقت جو کچھ حاصل ہوا ہے اتفاق اور اتحاد کے نتیجہ ہی میں ہوا ہے۔اگر آج احمدیوں کو علیحدہ کرنے کا مطالبہ ہو سکتا ہے تو کل شیعوں کو علیحدہ کرنے کا سوال کیوں نہیں اُٹھایا جائے گا۔

پھوٹ سے بچ گئے

پھر ایک فاضل مقرر نے لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا بھائیو! کیا آپ کو وہ وقت یاد ہے جب مولوی یوسف شاہ نے پہلے ہی دن انتخاب نمائندگان کے موقع پر خانقاہ معلّٰی کے صحن میں یہ عہد کیا اور عہد لیا تھا کہ سب کلمہ گو سیاسی میدان میں متحد ہو جائیں اور عقائد اور فرقہ داری کے سوال کو ہمیشہ بالائے طاق رکھتے ہوئے تمام مشترکہ معاملات میں ہم آہنگ رہیں (سب طرف سے آوازیں آئیں ہمیں خوب یاد ہے) پھر پوچھا کہ بھائیو! اب یہ بتاؤ کیا مولوی یوسف شاہ اپنے عہد پر قائم ہیں یا شیخ عبداللہ (سب طرف سے آوازیں آئیں شیخ محمد عبداللہ) اس جلسہ کا کانفرنس کے حق میں اتنا اثر ہوا کہ سری نگر کی تقریباً سب پبلک شیخ محمد عبداللہ کی موید ہو گئی۔بلکہ جلسہ کے آخر پر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے شکریہ کی ایک قرارداد بھی منظور ہوئی۔

سید زین العابدین کی کشمیر میں آمد

شیخ محمد عبداللہ کی درخواست پر صدرِ محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اپنے نمائندہ سید زین العابدین کو جولائی ۳۲ء میں ہی کشمیر بھجوا دیا تھا۔محترم شاہ صاحب کشمیر کے ان دور دراز علاقوں میں بھی پہنچے جہاں وسائل رُسل ورسائل محدود یا مفقود تھے۔انہوں نے جن دشوار گذار راستوں پر سفر کیا اس کا حال سن کر انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ شاہ

صاحب ایسے ایسے دوردراز مقامات تک پہنچے جہاں آج تک کوئی کشمیری لیڈر بھی نہیں پہنچ سکا تھا تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا ان کا یہ چار ماہ کا تاریخی دورہ عوامی سیاسی بیداری کے نقطہ نظر سے اپنے اندر بہت افادیت رکھتا تھا۔ جو کشمیر مسلم کانفرنس کی کامیابی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوا۔

شاہ صاحب محترم کے دورہ کے ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ محترم قائداعظم محمد علی جناح مرحوم ومغفور جب کشمیر تشریف لے گئے تو انہوں نے کشمیری لیڈروں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں کسی ایسے شخص سے ملنا چاہتا ہوں جس نے سارے کشمیر کا دورہ کیا ہوتا کہ میں اُس سے ریاست کے ہر حصہ کے حالات دریافت کرسکوں۔ بڑی سوچ بچار کے بعد چودھری عبدالواحد (مدیر اعلیٰ اخبار اصلاح ''سری نگر'') کا نام پیش ہوا۔ چودھری عبدالواحد (مرحوم) نے صدر محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ارشاد کے تحت ریاست کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ ان کے سفر کے حالات سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ چودھری صاحب کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی۔ جس کے اختتام پر قائداعظم نے بہت خوشنودی اور حیرانی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ چودھری عبدالواحد کی معلومات اتنی وسیع ہیں کہ غیر ریاستی ہونے کے باوجود بھی کوئی ریاستی باشندہ مجھے ایسا نہیں ملا جو ریاست کے ہر حصہ کے حالات سے اُن سے زیادہ باخبر ہو۔

لیڈروں سے پابندیاں دور ہوئیں

کانفرنس کو کامیاب کرنے کے لیے ضروری تھا کہ جو لیڈر صوبہ کشمیر سے حکماً نکال دیئے گئے تھے۔ ان پر سے پابندیاں دور کروائی جائیں۔ چنانچہ سید زین العابدین نے مسٹر لاتھر انسپکٹر جنرل پولیس اور مسٹر کالون وزیراعظم سے ملاقاتیں کرکے انہیں اس بات کے لیے آمادہ کرلیا پہلے مولانا میرک شاہ اور میاں اللہ یار مظفر آبادی پر سے پابندیاں دور کی گئیں اور کچھ عرصہ کے بعد مفتی ضیاء الدین کو جو جموں میں نظر بند تھے کشمیر آنے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ان سب نے آتے ہی کام شروع کردیا۔

کہتے ہیں دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔مولانا میرک شاہ پنجاب کے اخبارات میں مضامین بھجواتے ان پر ''صوراسرافیل'' نام لکھتے۔مولانا ظہورالحسن ''ناصر میرپوری'،اورمولوی محمد سعید ''رَجُل ''یَسعیٰ'' تھے۔مسٹرعبدالمجید قرشی نے بھی کئی مضامین لکھے یہ سب صاحبان ۱۹۳۱ء سے ہی اخبارات میں کچھ نہ کچھ لکھتے چلے آرہے تھے۔اورقرشی صاحب نے تو مضامین لکھنے کا خمیازہ بھی ملازمت سے معطّلی اور پھر جبری استعفاء کی صورت میں بھگت لیا۔اوراس طرح قومی خدمت کے لیے سب سرکاری پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔

وکلاء کی مساعی

کشمیر کمیٹی کے بھجوائے ہوئے وکلاء بھی کشمیر کے لیڈروں سے کسی طرح کم ہردلعزیز نہ تھے۔چنانچہ مسلم کانفرنس کی کامیابی میں شیخ بشیر احمد (ایڈووکیٹ)۔شیخ محمد احمد (ایڈووکیٹ)۔ میر محمد بخش (وکیل)۔چودھری اسداللہ خاں (بیرسٹر)۔چودھری عزیز احمد (وکیل)۔چودھری عصمت اللہ (وکیل) چودھری یوسف خاں (وکیل) اور قاضی عبدالحمید (وکیل) سبھی کا حصّہ ہے۔اسی طرح چودھری محمد عظیم باجوہ۔مولوی ظہورالحسن، لیفٹیننٹ محمد اسحاق نے بھی خوب سرگرمی سے کام کیا۔یہ سب صاحبان کشمیر کے مختلف علاقوں میں کام کررہے تھے۔اورانھوں نے اپنے اپنے علاقوں سے مسلم کانفرنس کے لیے نمائندگان تیار کئے۔کیونکہ مسلم کانفرنس کے بانیوں کو اس وقت تک اتنے وسائل میسّر نہ تھے کہ ہر جگہ کا دورہ کر سکتے۔

سید حبیب شاہ سری نگر میں

روزنامہ ''انقلابؔ'' اوراس کے دونوں مدیران مولانا عبدالمجید سالکؔ اورمولانا غلام رسول مہرؔ نے روزِ اوّل ہی سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ساتھ دیا تھا۔انہی کی طرح روزنامہ ''سیاستؔ'' اوراس کے مدیر مولانا سیّد حبیب شاہ بھی ہرطرح سے مُمِد رہے۔انھیں آل انڈیا

کشمیر کمیٹی کا رکن ہونے کی حیثیت سے کشمیر بھجوایا گیا۔ وہ وہاں کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے مفید کام کر رہے تھے۔ کہ ''زمیندار'' والوں کو بھی جوش آیا اور مولانا اختر علی سری نگر پہنچ گئے ۔انہوں نے پہنچتے ہی ایک طرف سید حبیب کے خلاف خوب زہر اگلا اور دوسری طرف اپنے آپ کو صلح کا پیغامبر ظاہر کر کے یہ پیش کش کی کہ وہ مسلمانوں میں صلح کرا سکتے ہیں۔لیکن فریقین نے ان سے علی الاعلان بیزاری کا اظہار کیا اور پچھلے سال کی طرح اس سال بھی ان کا دورہ ناکام رہا۔اختر علی نے کشمیر میں دو تین ماہ جیسے گذارے اس کا علم کشمیر کے لوگوں کو بھی ہوتا رہتا تھا۔یہی باتیں ان کے خلاف نفرت بڑھانے کا موجب ہوئیں۔

پنجاب کے مسلم پریس کے حصہ

کانفرنس کو کامیاب بنانے کے پنجاب کے مسلم پریس نے بھی بڑے زوردار مضامین لکھے۔مثلاً مؤثر اخبار ''الفضل'' نے لکھا:۔

''اس کانفرنس میں مسلمانوں کے جس قدر زیادہ نمائندے شامل ہوں گے۔اسی قدر زیادہ فائدہ مرتب ہوگا۔ایک طرف تو حکومت بآسانی یہ اندازہ لگا سکے گی کہ ہر حصہ اور ہر طبقہ کے مسلمان حقوق طلبی کے لیے کیسے صادقانہ جذبات رکھتے ہیں اور دوسری طرف وہ راہنما جن کے کندھوں پر ساری قوم کی راہنمائی کی نازک ذمہ داری عائد ہے انہیں مشورہ طلب اُمور میں اپنی قوم کے زیادہ سے زیادہ نمائندوں کی آراء سے آگاہی ہو سکے گی اور آئندہ کے لیے بہترین لائحہ عمل تجویز کیا جا سکے گا۔پس ضرورت ہے کہ ریاست کے ہر حصہ اور ہر علاقہ کے مسلمان نمائندے اس کانفرنس میں شریک ہوں تکلیف اُٹھا کر شریک ہوں۔اپنی غربت اور افلاس کے

ہاتھوں تنگ ہونے کے باوجود شریک ہوں تا کہ کوئی متفقہ طریقِ کار تجویز کر سکیں۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی عزت و آبرو کی بحالی کے لیے انہوں نے جو کام شروع کر رکھا ہے۔ اور جس کی خاطر تھوڑے عرصہ میں انہوں نے نہایت شاندار جانی اور مالی قربانیاں پیش کی ہیں وہ مکمل ہو سکے۔'' (الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء)

جمّوں میں مخالف عناصر

کانفرنس کی تیاری کے دوران مختلف مراحل پر مشکلات بھی پیدا ہو رہی تھیں۔ سری نگر اور جموں ہر دو جگہ تھوڑی بہت مخالفت بھی تھی۔ اس اثناء میں ۱۵ ستمبر ۳۲ء کو تالاب کھٹیکاں میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ کی جو روئیداد پنجاب کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ وہ سخت مغالطہ پیدا کرنے والی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ انہوں نے حکومت ریاست کو لکھ کر یہ تجویز دے دی ہے کہ اگر ''گلانسی کمیشن'' کی رپورٹ کو عملی جامہ پہنا دیا جائے تو میں ایجی ٹیشن بند کر دوں گا۔ حالانکہ اس کانفرنس کے انعقاد کی تو غرض ہی سراسر مختلف اور جداگانہ تھی۔

چودھری غلام عباس صاحب کا بیان

یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔ تاہم جو غلط فہمی پیدا کر دی گئی تھی اس کا ازالہ ضروری تھا۔ چودھری غلام عباس نے اخبار ''پاسبان'' جموں میں جو ایک محبّ وطن ایم معراج دین اور مولانا عبدالمجید قریشی کی کوششوں سے جموں میں جاری ہو چکا تھا اس بارے میں ایک مدلّل اور مبسوط بیان شائع کرایا جس میں ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے کانفرنس کو کامیاب بنانے کی پرزور تحریک کی تھی۔ چودھری صاحب نے اس بیان میں لکھا:

’’ کانفرنس میں ہر قسم کے سیاسی مسائل زیرِ بحث آئیں گے خصوصاً ’’گلینسی کمیشن‘‘ کی سفارشات کے حُسن وقُبح پر بحث ہوگی کہ ان کو کس حد تک قبول کیا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ ہر وہ تجویز کانفرنس میں پیش ہوگی جس کا مسلمانوں کی سیاسی وعمرانی زندگی سے تعلق ہے۔جس کا اعلان کانفرنس کی مجلسِ استقبالیہ کر چکی ہے اور جس کی تصدیق شیخ عبدالحمید (وکیل) رُکن بورڈ جو اس مجلس میں (جس میں یہ باتیں سری نگر میں طے ہوئیں شامل تھے) کرتے ہیں۔اس لیے میں مسلمانانِ ریاست سے پُرزور عرض کرونگا کہ وہ اپنے تمام مناقشات کو بالائے طاق رکھ کر آل کشمیر مسلم کانفرنس کو کامیاب بنائیں۔‘‘ (پاسبان جموں ستمبر ۳۲ء)

شیخ محمد عبداللہ صاحب کا بیان

نیز شیخ محمد عبداللہ نے تمام اخبارات کو ۲۳ رستمبر ۳۲ء کو یہ تار بھجوایا۔

’’......جموں میں مسلمانوں کے ایک جلسہ کی جو روئیداد اخبار سیاست ۲۱ رستمبر ۳۲ء میں شائع ہوئی ہے۔وہ بے بنیاد اور شبہات پر مبنی ہے اور میرے اور حکومت کے درمیان جیسا کہ گوہر رحمان صاحب نے بیان کیا ہے گلینسی رپورٹ کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔اور نہ ہی یہ صحیح ہے کہ کانفرنس میں گلینسی رپورٹ پر بحث نہیں کی جائے گی۔پیش ہونے والے مسائل کے متعلق ہر مسلمان کی طرح میں بھی اکثریت کے فیصلہ کا پابند ہوں۔گوہر رحمٰن کا اپنے یا اپنے احباب کے شبہات کی تصدیق کیئے بغیر ہی اسے پبلک میں لانا افسوس ناک ہے......‘‘

ہندو مسلم فساد

شیخ صاحب کے اس واضح بیان سے سب غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا۔لیکن کچھ مخالف

عناصر اپنی اپنی جگہ پھر بھی مصروف کار رہے اور عین اس وقت جب کہ کانفرنس کے انعقاد کی تیاریاں بڑے زوروں پر تھیں ایک افسوس ناک ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ ہوا یہ کہ سری نگر میں سرکاری طور پر ''ہفتہ صحت'' منایا جانا تھا۔ جب یہ ہفتہ شروع ہوا مسلمان پوری تن دہی سے حکومت سے تعاون کرنے لگے۔ اور گلی کوچوں اور بازاروں اور شاہراہوں کو صاف ستھرا بنا دیا۔ آخری روز ایک عظیم الشان جلوس نکل رہا تھا۔ جلوس میں (بہت بڑی) اکثریت مسلمانوں ہی کی تھی۔ جب جلوس ہبہ کدل میں سے گزرنے لگا جہاں کشمیری پنڈتوں کی بھاری اکثریت ہے۔ تو ہندوؤں نے دکانوں اور مکانوں پر سے پتھراؤ شروع کر دیا۔ بوتلیں پھینکی گئیں۔ جلوس میں شامل بعض مسلمانوں کو پیٹا گیا۔ بہت سے مسلمان بری طرح زخمی ہوئے حکومت کی طرف سے پہلے دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی پھر کرفیو لگا دیا گیا۔ اور سارے شہر پر فوج کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن ہندو پولیس اور ہندو ملٹری نے مسلمانوں ہی کو آلام کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ اس ساری کاروائی کا مقصد ''آل کشمیر مسلم کانفرنس'' کے قیام والے اجلاس کے انعقاد کو روکنے کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

مسلمانانِ کشمیر نے اس موقع پر انتہائی تحمل و بردباری اور سوجھ بوجھ سے کام لیا۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی نکلا۔ تین چار دن کی متواتر کوشش سے حالات سدھر گئے۔ کشمیری پنڈتوں نے پنڈت جیالال کلم کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا جلوس نکالا اور مسجد اہل حدیث کے پاس آ کر رک گئے جہاں مسلمان پہلے سے جمع تھے۔ شیخ محمد عبد اللہ بھی وہاں موجود تھے۔ شیخ صاحب نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ یہ لوگ آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں ان کے ساتھ آپ وہی سلوک کریں جو آپ کے آقا حضرت محمد مصطفٰے (ﷺ) نے کیا تھا۔ یعنی انہیں معاف کر دیں۔ پنڈت جیالال کلم نے انتہائی لجاجت سے معافی مانگی۔ جس پر سب نے مل کر ''ہندو

مسلم اتحاد زندہ باد'' کے نعرے لگائے اور یہ قضیۂ نامرضیہ مسلمانوں کی ''اخلاقی فتح'' پر ختم ہوگیا۔

اموال اور کارکنان سے امداد

شیخ محمد عبداللہ نے صدر کشمیر کمیٹی سے درخواست کی کہ کشمیر کے مسلمانوں کا اتنا بڑا اور نمائندہ اجتماع اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ہمیں زیادہ تجربہ بھی نہیں اس لیے آپ مولانا عبد الرحیم دردؔ (سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی) کو سری نگر بھجوادیں تا کہ وہ جملہ انتظامات کی نگرانی کریں۔ اور ہمیں اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہیں۔ ان کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے محترم صدر نے نہ صرف ہر طرح کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا بلکہ امداد بھجوادی۔ اور بھاری مالی امداد کے علاوہ ایک بڑی کار خرید کر شیخ محمد عبداللہ کو بھجوادی گئی تا کہ وہ کارکنان کے ساتھ بآسانی ریاست کا دورہ کرسکیں۔

مولانا درد صاحب پھر کشمیر میں

مولانا عبدالرحیم دردؔ کو کانفرنس سے کئی روز پہلے سری نگر بھجوایا گیا تھا۔ ان کے ہمراہ کشمیر کمیٹی کے رکن مولوی اسمٰعیل غزنوی اور راقم الحروف بھی تھے۔ ہم چند روز نسیم باغ میں رہے۔ اس کے بعد اپنی گذشتہ سال والی جگہ '' آبی گذر'' پر ہاؤس بوٹ لے آئے۔ عملاً یہی ہاؤس بوٹ مسلم کانفرنس کا دفتر بھی تھا جہاں رات دن کام ہوتا اور خوب گہما گہمی رہتی تھی۔ مولانا درد کی ہدایت کے ماتحت میں نے مسلم کانفرنس کے دفتر کی تنظیم کی آمد کے لیے رسید بک ،روزنامچہ،کھاتہ اور تمام رجسٹر (آمد ڈاک) روانگی ڈاک ،رجسٹر سائر اخراجات،قبض الوصول ،رجسٹر جائداد منقولہ) غرض ہر قسم کے رجسٹروں کے فارم نہ صرف تجویز کئے بلکہ بنا کر دیئے۔ تا کہ دوسری بعض تنظیموں میں صحیح دفتری ضابطہ کی پابندی نہ کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہو کر سر

پھٹول پر نوبت آجاتی ہے۔اس کا کوئی احتمال باقی نہ رہے۔

''میں مہاراجہ جموں وکشمیر کو مشورہ دیتا ہوں کہ جس طرح ان کے چھوٹے بھائی نے نیک نفسی اور صاف دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق ومطالبات کو تسلیم اور منظور کرلیا ہے اور وہ بھی اسی راہ پر چل کر لاکھوں مظلوموں کی دعائیں لیں''

جموں وکشمیر کانفرنس کا انعقاد

متذکرہ کانفرنس کے انعقاد کے لیے ۱۵ تا ۱۷/اکتوبر ۱۹۳۲ء کی تاریخیں مقرر ہوئی تھیں۔ لیکن بعد میں کام کی زیادتی کے باعث معیاد انعقاد میں دودن کا اضافہ کردیا گیا۔ کانفرنس کے لیے پتھر مسجد کا وسیع وعریض صحن تجویز ہوا۔ مسجد کے صحن کی جنوبی دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑی سٹیج (جو زمین سے پندرہ فٹ اونچی تھی) تیار کی گئی۔ اس سٹیج پر دوصد نمائندگان اور ایک صدر معزز زائرین اور نمائندگان پریس کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ لاؤڈ سپیکر کا تسلی بخش انتظام تھا۔ زائرین کے بیٹھنے کے لیے پتھر مسجد کے صحن کے علاوہ وہ میدان بھی تھا۔ جہاں بعد میں نیشنل کانفرنس کے دفاتر کی عمارت تعمیر ہوئی۔ رضا کاروں کے کیمپ بھی اسی میدان میں تھے۔ نمائندگان کی رہائش وخوراک کا عمدہ اور تسلی بخش انتظام تھا۔ ان سب کے لیے ہاؤس بوٹ بھی اسی جگہ عارضی طور پر لگا دیئے گئے تھے۔ سب انتظامات ایسی عمدگی سے ہوئے کہ ریاست کے حکام ششدر رہ گئے کہ نا تجربہ کار لوگوں نے کیسا کرشمہ کر دکھایا ہے۔

خطبہ صدارت

۱۵/اکتوبر کی شام کو کانفرنس کا افتتاح ہوا۔خواجہ غلام احمد عشائی ایم۔اے نے مجلس استقبالیہ کی طرف سے خطبہ پڑھا۔جس میں مسلم کانفرنس کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔اس کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے خطبہ صدارت پڑھا جس میں تمام ضروری اُمور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ تحریک ہرگز فرقہ ورانہ نہیں ہے۔مسلمان مہاراجہ اور ریاست کے وفادار ہیں۔گلینسی کمیشن کے اچھے نکات کی تعریف کی گئی۔لیکن ساتھ ہی اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ کمیشن کی سفارشات پر پورے طور پر عمل نہیں ہو رہا۔علاقہ میر پور میں آرڈیننسوں کی واپسی پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔مجوزہ اسمبلی کی ہیئت ترکیبی پر تنقید اور پونچھ کے لوگوں کو جائز حقوق دینے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔غرض اس خطبہ میں تمام پیش آمدہ حالات کا ذکر موجود تھا۔

سب کمیٹیاں

مختلف امور پر غور کرنے اور قراردادوں کی ترتیب کے لیے تین سب کمیٹیاں مقرر کی گئیں۔سات ارکان کی ایک کمیٹی نے گلینسی کمیشن کی آئینی سفارشات پر غور اور مسلم کانفرنس کا دستور مرتب کرنا تھا۔اکیس ارکان کی دوسری سب کمیٹی کو گلینسی رپورٹ پر باشندگان کشمیر کی شکایات کی روشنی میں سوچ بچار کرنا تھا۔تیسری کمیٹی (جو بائیس ارکان پر مشتمل تھی) دیگر متفرق تجاویز پر غور کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا پیغام

کمیٹیاں متواتر تین دن رات کام کرتی رہیں۔۱۸/اکتوبر کو رات کے وقت اجلاس عام ہوا۔شیخ محمد عبداللہ نے محترم صدر (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد

صاحب کا حسب ذیل پیغام جو کانفرنس کے شروع ہونے سے ایک دن پہلے بذریعہ تار موصول ہوا تھا۔ پڑھ کر سنایا:

''......سب سے پہلے میں اپنی طرف سے اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے ''آل کشمیر مسلم کانفرنس'' کے مندوبین کو ان قربانیوں پر (جو انہوں نے اور ان کے اہل وطن نے کی ہیں اور اس کامیابی پر جو انہوں نے آزادی کی تازہ جدوجہد میں حاصل کی ہیں) مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ بحیثیت صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی مجھے ان کے ملک کی خدمت کرنے کی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک خستہ حالت میں رہا ہے۔

برادران! میں آپ کی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ کانفرنس کی کاروائی میں سچی حب الوطنی کے ماتحت جرأت، میانہ روی، رواداری، تشکر، دانائی اور تدبر کے ذریعہ آپ ایسے نتائج پر پہنچیں گے جو آپ کے ملک کی ترقی میں بہت مُمِد ہوں گے اور اسلام کی شان کو دوبالا کرنے والے ہوں گے۔

برادران! میرا آپ کے لیے یہی پیغام ہے کہ جب تک انسان اپنی قوم کے مفاد کے لیے ذاتیات کو فنا نہ کردے وہ کوئی کامیاب خدمت نہیں کرسکتا۔ بلکہ نفاق اور انشقاق پیدا کرتا ہے۔ پس اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو نفسانی خیالات کو ہمیشہ کے لیے ترک کردیں اور اپنے قلوب کو صاف کر کے قطعی طور پر فیصلہ کرلیں کہ خالقِ ہدایت کے ماتحت آپ ہر چیز اپنے اس مقصد کے لیے قربان کردیں گے جو آپ نے اپنے لیے مقرر

کیا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم (یعنی مسلمانانِ ہندوستان) آپ کے مقصد کے لیے (جو کچھ ہماری طاقت میں ہے) سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔اور خدا کے فضل سے آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔اور اپنی توقعات سے بڑھ کر کامیاب ہوں گے۔اور آپ کا ملک موجودہ مصیبت سے نجات حاصل کر کے کل پھر جنت نشاں بن جائے گا۔اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو......"

عہدیدران کا انتخاب

کانفرنس میں دس قراردادیں جو تمام پیش آمدہ اُمور پر حاوی تھیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں اسی طرح مسلم کانفرنس کا دستور بھی منظور کر لیا گیا۔اور یہ عہدہ دار منتخب ہوئے۔

صدر: شیخ محمد عبداللہ

نائب صدر: شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ

جنرل سیکرٹری: چودھری غلام عباس

سیکرٹری: مولوی عبدالرحیم وکیل

میاں احمد یار

مسٹر عبدالحکیم

مسٹر غلام احمد

صدر کی اختتامی تقریر پر جس میں اتحاد و اتفاق پر زور دیا گیا تھا۔پانچ روز کی کاروائی کے بعد مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

ایک غیر معمولی واقعہ

۱۸/ اکتوبر کورات کے عام اجلاس میں ایک ایسا غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ جو تاریخ آزادی کشمیر کا ایک سنہری ورق ہے۔

فیصلہ یہ ہوا تھا کہ کانفرنس میں کوئی غیر ریاستی کسی قسم کی تقریر نہیں کرے گا۔اس فیصلہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ بعض شر پسندوں عناصر کی یہ خواہش اور کوشش تھی کہ پنجاب کے بعض مسلم لیڈروں کی (جو ریاست کے نمکخوار تھے) تقاریر کروائی جائیں ۔شیخ محمد عبداللہ اوران کے ساتھیوں نے اس خطرہ کو بھانپ لیا اور ایسا لائحہ عمل مرتب کیا جس سے ان لوگوں کو سخت مایوسی ہوئی اوران کی سکیم نا کام ہوگئی۔

۱۸/ اکتوبر کی رات کو کانفرنس کا اجلاس عام شروع تھا۔مولانا عبدالرحیم دردؔ اور راقم الحروف اپنے ہاؤس بوٹ میں ہی بیٹھے (جو پنڈال کے سامنے تھا) کاروائی سن رہے تھے ۔ یکدم ’’صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی زندہ باد‘‘ سید زین العابدین زندہ باد‘‘ اور’’ اللہ اکبر‘‘ کے نعرے بلند ہونے شروع ہوگئے اور پہلی تقریر درمیان ہی میں رک گئی۔ میں بھا گا بھا پتھر مسجد میں سٹیج پر چلا گیا دیکھا کہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ نے بڑے جوش سے تقریر شروع کر رکھی ہے ۔اور اعلان کررہے ہیں کہ میں آپ لوگوں کو خوشخبری دیتا ہوں کہ راجہ صاحب پونچھ نے مسلمانوں کے اکثر مطالبات منظور کر لیے ہیں محترم شاہ صاحب نے پونچھ کے ہر حصہ کا دورہ کرنے اوراہالیِ پونچھ سے مشورہ کے بعد مطالبات مرتب کئے تھے۔ اور پچھلے تین دن میں روزانہ چھ چھ گھنٹے راجہ صاحب سے اس بارہ میں تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔جس کے آخر پر راجہ صاحب پونچھ نے ان میں سے اکثر کی منظوری دے دی اور شاہ صاحب ہی کو اختیار دیا کہ راجہ صاحب کے دستخطوں سے جو فرمان جاری ہوا ہے اور جس کی ایک نقل شاہ صاحب کو بحیثیت

نمائندہ کشمیر کمیٹی اس وقت دی گئی تھی اس کا اعلان کر دیں۔

شاہ صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ

''میں مہاراجہ جموں و کشمیر کو مشورہ دیتا ہوں کہ جس طرح ان کے چھوٹے بھائی نے نیک نفسی اور صاف دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کو تسلیم اور منظور کر لیا ہے۔ وہ بھی اسی راہ پر چل کر لاکھوں مظلوموں کی دعائیں لیں۔''

مُسرّت کا اظہار

سارا پنڈال تالیوں سے گونج اُٹھا۔ شاہ صاحب پر پھول برسائے گئے۔ ''مرزا بشیر الدین محمود احمد زندہ باد'' اور ''زین العابدین زندہ باد'' کے نعرے لگائے گئے۔ لوگ خوشی سے اچھل رہے تھے۔ پونچھ کے نمائندہ نے محترم شاہ صاحب اور خصوصاً صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا شکریہ ادا کیا اور سارے مجمع نے ان کی تائید کی۔

شیخ محمد عبداللہ قادیان میں

کانفرنس کے اختتام کے بعد ہم قریباً نصف ماہ سری نگر میں رہے۔ یہ عرصہ مسلم کانفرنس کے دفتر کی تنظیم اور پاس شدہ قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے میں گزرا۔ جس کے بعد مولانا عبدالرحیم دؔرد، سید زین العابدین اور راقم الحروف پنجاب واپس آ گئے۔

شیخ محمد عبداللہ صاحب بھی ہمارے ہمراہ پنجاب تشریف لائے۔ ان کے مددگار کے طور پر مسٹر غلام قادر ڈکٹیٹر (سوم) ساتھ آئے تھے۔ ہم سب ۷؍نومبر ۳۲ء کو قادیان پہنچے۔ شیخ صاحب نے تمام حالات صدرِ محترم کے سامنے پیش کئے اور چند روز قیام کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ اس قیام میں ایک روز ہم سب شیخ صاحب کو صدرِ محترم کے ملکیتی

گاؤں راجپورہ میں جو عین دریائے بیاس پر واقع ہے لے گئے ۔اور وہاں سارا دن گزارا مقصد یہ تھا کہ شیخ صاحب کو پنجاب کی دیہاتی زندگی سے بھی روشناس کرایا جائے ۔

دسمبر ۳۲ء کے آخری ہفتہ میں سری نگر سے خواجہ غلام احمد عشائی ایم ۔اے محترم مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی ملاقات کی غرض سے قادیان آئے اور چند روز قیام کرنے کے بعد شروع جنوری ۳۳ء میں واپس چلے گئے اس قیام میں عشائی صاحب نے پیش آمدہ تمام امور کے متعلق مشورے کیئے ۔

''......کشمیر کے بلکتے ہوئے بچوں اور مجروح ومضروب عورتوں کی نظریں پھر سے پنجاب کی طرف لگ رہی ہیں ۔ کہ اس جانب سے رحمتِ الٰہی کی گھٹائیں اُٹھیں گی ۔ کیا وہ معصوم اور مظلوم نگاہیں ناکام لوٹیں گی؟......''

والنٹیئر زکور

کشمیر کی جنگ آزادی کے دوران میں اس بات کی شدّت سے ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ مختلف نوعیت کے کاموں کی انجام دہی کے لیے ایک تنظیم والنٹیئر زکور ہو۔ نوجوانوں کو جسمانی اور ذہنی تربیت دی جائے ۔ ان میں اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا کیا جائے ۔ وہ کسی کام کے کرنے میں عار نہ محسوس کریں ۔ تیراکی گھوڑے کی سواری ۔ میلوں پیدل چلنا ۔ اپنے ہاتھ سے اپنا کھانا تیار کر لینا ۔ (ان سب کاموں کی) اُن کو مشق کرائی جائے ۔

کیپٹن مرزا شریف احمد صاحب

چنانچہ یہ مشکل کام کیپٹن مرزا شریف احمد صاحب (جوان فنون کے ماہر تھے) کے سپرد کیا گیا ۔ انھوں نے نہایت قلیل عرصہ میں ایک بہت بڑی والنٹیئر زکور قائم کر دی ۔ ان کی شخصیت میں بڑی جاذبیت تھی ۔ نوجوان خود بخود اُن کی طرف کھچے آتے تھے اور سخت محنت کے کام بخوشی سرانجام دیتے تھے ۔ مولانا ظہورالحسن جنید ہاشمی ۔ مولوی عبدالاحد ۔ محمد شریف امرتسری ۔ چودھری عبدالواحد (مدیر اعلیٰ اصلاح) اسی طرح اور بیسیوں نوجوان جنھوں نے اُن دنوں کشمیر میں قابل تعریف کام کیا ۔ اسی کور کے تربیت یافتہ تھے ۔ اور ایسے والنٹیئر وں میں سے نہ

تھے جو اشتعال دلانے پر تو قانون شکنی بھی کر لیں۔لیکن ایک سگریٹ کی خاطر معافی مانگ کر گھر واپس لوٹ آئیں۔

کور کے اِن نوجوانوں کو فاقہ کشی کی مشق کرائی گئی۔کئی دن تک چنے کی تھوڑی سی مقدار پر گزارہ کرنے کی عادت ڈالی گئی۔سردی۔گرمی اور بارش سے بچنے کے لیے عارضی خیمہ بنا لینے کی تربیت بھی دی گئی۔اور یہ سب مہارتیں اور مشقیں ان کی آئندہ زندگی میں کام آئیں۔قومی اور ملی کاموں کے لیے سچے خدام کی ایک جماعت بن گئی۔(راقم الحروف کو بھی یہ ٹرینگ حاصل کرنے کا موقع ملا ہے جسے اُس نے اپنی ساری زندگی میں مفید پایا۔ظ۔ا)

وکلاء کی قابل رشک خدمات

کشمیر میں کام کرنے والے وکلاء نے جس اخلاص اور قربانی کا نمونہ پیش کیا ہے۔مسلمانوں میں اس کی کوئی اور مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ان میں سے سب کے سب اعلیٰ پایہ کے قانون دان تھے۔اور اپنی کامیاب پریکٹس چھوڑ کر (ایک پائی بطور فیس وصول کئے بغیر) مہینوں سے غریب الوطنی اور بے سروسامانی کی حالت میں نہایت محنت اخلاص اور دیانت سے کام کئے جارہے تھے۔

ان مخلصین نے ۱۳۱ء کے آخر میں کام شروع کیا تھا۔وسط ۳۳ء تک ان کے مخلص وجود مظلومین کشمیر کے جس جس طرح کام آئے اس کا ایک اچٹتا سا اندازہ مندرجہ ذیل تفاصیل سے لگ سکتا ہے۔گو کام بعد میں بھی جاری رہا۔جس کے صلہ میں متعدد اسیروں کو رہائی نصیب ہوئی۔

میر پور میں شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ۔چودھری یوسف خاں (وکیل) اور چودھری

S.M. Abdullah,
M. Sc. (Alig)

Phone No. [illegible]

Srinagar 22nd Oct 193[illegible]

جناب [illegible] صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

نہ میری زبان میں طاقت ہے۔ اور نہ میرے قلم میں زور۔ اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں جن سے کہ

میں جناب کا اور جناب کے [illegible] شکریہ ادا کر سکوں۔ یقیناً [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جناب کا خادم

شیخ محمد عبداللہ

عصمت اللہ (وکیل) مئی ۳۲ء سے مقدمات کی پیروی کرتے چلے آئے تھے۔ ۲۸ مقدمات میں ۸۷۰ مسلمان ماخوذ تھے۔ان وکلاء کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں ۵۶۰ بری ہو گئے۔ اور صرف ۶۲ کو خفیف سزا یا معمولی جرمانہ کر کے چھوڑ دیا گیا۔ حالانکہ ان کے خلاف قتل۔ ڈکیتی اور آتش زدگی ایسے سنگین مقدمات چلائے گئے تھے۔

میر پور میں ایک کیس میں نچلی عدالتوں میں ملزموں کو سزا ہو چکی تھی۔ ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ ملک محمد حسین بیرسٹر (جو نیروبی مشرقی افریقہ کے مشہور وکیل تھے) دو ماہ کے لیے ہندوستان آئے تھے۔ انھوں نے اپنی خدمات محترم صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سپرد کر دیں۔ اس کیس میں انھیں بحث کے لیے بھجوایا گیا۔ اپیل منظور ہوگئی۔ اور ملزم بری ہوئے۔

سری نگر میں شیخ محمد احمد ایڈووکیٹ سات ماہ تک شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ چھ ماہ تک اور چودھری یوسف خاں (وکیل) تین ماہ تک مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔ ۲۸ مقدمات تھے جن میں ۱۴۳ مسلمانوں ماخوذ تھے ان میں سے گیارہ کو پانچ پانچ روپے اور ایک کو ایک روپیہ جرمانہ ہوا۔ ۱۸ کو خفیف سزائیں ہوئیں باقی سب رہا اور بری کر دیے گئے۔

پونچھ میں چودھری عزیز احمد وکیل پانچ ماہ تک اور قاضی عبدالحمید وکیل چار ماہ کام کرتے رہے۔ تمام مقدمات میں ۴۷ مسلمان ماخوذ تھے۔ جو سب کے سب بری کر دیے گئے
۔

جموں میں میر محمد بخش چھ ماہ تک کام کرتے رہے۔ ۱۴ مقدمات تھے۔ ۳۱ ملزم تھے۔ بیس بالکل بری ہوئے۔ جموں میں ہائی کورٹ میں جو اپیلیں ہوئیں ان میں شیخ بشیر احمد پیش ہوتے تھے اور بعض اوقات چودھری اسداللہ خاں بیرسٹر بھی مختلف اوقات میں آ کر پیش ہوتے رہے

راجوری میں قاضی عبدالحمید وکیل تین ماہ کام کرتے رہے۔ ۲۵ ملزم تھے ان میں سے

ایک کو بھی کوئی سزا نہ ہوئی۔

نوشہرہ میں چار مقدمات بنچ کے سامنے پیش تھے۔۹۲ ملزم تھے میر محمد بخش وکیل نے تین ماہ کام کیا اور مقدمات کے ۶۴ میں سے ۴۵ بری ہوئے۔ باقیوں کو خفیف سزا جرمانہ وغیرہ ہوا۔ بقیہ مقدمات میں بھی ملزم بری ہوئے۔

ان سب وکلاء کے اخراجات سفر وخوراک کا انتظام آل انڈیا کشمیر کمیٹی کرتی تھی۔ کمیٹی تو مقروض تھی تاہم روپیہ کا انتظام محترم صدر صاحب کے ذمہ تھا۔ مولانا جلال الدین شمس جو کمیٹی کے ممبر اور اسسٹنٹ سیکرٹری تھے اور جن کے سپرد وکلاء سے رابطہ رکھنے کا فریضہ تھا۔ بہ طریق احسن اپنے فرضِ منصبی کو انجام دیتے رہے۔ ہر مقدمہ میں جب مظلوم کال کوٹھڑیوں سے باہر نکلتے تو پہلا کام صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو مبارک باد اور شکریہ کا تار ارسال کرنے کا کرتے۔

سری نگر میں ۱۳ رستمبر ۳۲ء کو ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت مولانا سیّد حبیب ایڈیٹر سیاست منعقد ہوا۔ جس کی غرض شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ اور شیخ محمد احمد ایڈووکیٹ کی خدمات کو سراہنا اور صدرِ محترم کا (جنھوں نے انھیں بھجوایا تھا) شکریہ ادا کرنا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ۔ عبدالرحیم ایم۔اے۔ مولوی عبداللہ وکیل اور مفتی جلال الدین نے تقریریں کیں۔ اور شکریہ کے ریزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوئے۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ عظیم مجمع کو مخاطب کریں۔ جس پر آپ نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔

مولانا دردؔ کی خدمات

مولانا عبدالرحیم درد ایم۔اے (سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی) قریباً دو سال تک نہایت شاندار خدمات سرانجام دینے کے بعد ۲ رفروری ۳۳ء کو انگلستان تشریف لے گئے یکم فروری کو لاہور (سسیل ہوٹل) میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ایک فوری اجلاس محترم صدر میرزا

بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صدارت میں ہوا۔اس اجلاس میں سید محسن شاہ ایڈووکیٹ لاہور ۔ملک برکت علی ایڈووکیٹ لاہور۔ پروفیسر محمد علم الدین سالکؔ۔مولانا اسمٰعیل غزنوی۔مولانا غلام رسول مہرؔ۔ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ۔شیخ نیاز علی ایڈووکیٹ۔سید زین العابدین۔خان بہادر سیّد مقبول شاہ۔مولانا جلال الدین شمس اور ڈاکٹر محمد عبدالحق شریک ہوئے۔مولانا مہرؔ کو عارضی طور پر قائم مقام سیکرٹری مقرر کیا گیا۔اور پہلے سیکرٹری کے متعلق یہ قرارداد منظور ہوئی۔

’’......کشمیر کمیٹی کا یہ اجلاس مولانا عبدالرحیم دردؔ ایم۔اے سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بے غرضانہ خدمات اور ان کی انتھک کوششوں کا شکریہ ادا کرتا ہے اوران کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اللہ تعالےٰ ان خدمات کا اجر عظیم عطا کرے......‘‘

اس اجلاس میں اور بھی نہایت اہم فیصلے ہوئے۔مثلاً ایک متعصب شخص مسٹر مہتہ کو وزیر مقرر کئے جانے پر احتجاج۔مظلومین کشمیر کے ساتھ ہمدردی۔مظلومین پونچھ کو مشورہ۔مسٹر لاتھر کا شکریہ اور مسٹر کالونؔ کو دو ماہ کے اندر حالات بہتر بنانے کی تاکید سے متعلق قراردادیں منظور ہوئیں۔

انگریز وزیر اعظم مسٹر کالونؔ کے متعلق اس اجلاس میں جو قرارداد منظور ہوئی اس میں کہا گیا تھا:۔

’’......آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی رائے ہے کہ کشمیر میں انگریز وزیر اعظم مقرر ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔وہ اس عرصہ میں بخوبی حالات کو دیکھ سکتے اوران کی اصلاح کے لیے کوشش کر سکتے تھے۔لیکن کمیٹی افسوس سے اس امر کا اظہار کرنے پر مجبور ہے کہ انھوں نے کوئی خاص کام ایسا نہیں کیا جو مسلمانوں کو اس امر کی اُمید دلائے کہ کسی قریب عرصہ میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو جائے گی۔اب تک ملازمتوں کے دینے میں سابقہ

غیر منصفانہ پالیسی کا سد باب نہیں ہوا۔ گلینسی کمیشن کی سفارشات بھی جنھیں مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ناکافی خیال کرتے ہیں۔ معرض التواء میں ہیں۔ اوران پر کوئی کاروائی نہیں کی گئی اسمبلی کے قیام کے لیے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ فرنچائیز کمیٹی کی رپورٹ نہ شائع ہوئی نہ اس کے متعلق کوئی کاروائی ہوئی ہے۔ زمینداروں کو زمینوں کی ملکیت دینے۔ جاگیرداروں کے مظالم سے زمینداروں کو بچانے۔ تقریر وانجمن کی آزادی کے سوالات ودیگر مطالبات اب تک پیچھے ڈالے جارہے ہیں۔ ہندو ترقیات پا رہے ہیں اور مسلمان بدستور اپنے حقوق سے محروم ہو رہے ہیں۔ بلکہ بعض افسران جنھوں نے دیانتداری سے اصلاح کی کوشش کی ہے۔ ان پر حکومت نے عتاب کیا ہے اسی طرح وہ حکام جن کے ظلم ثابت ہو چکے ہیں انھیں ان کے عہدوں سے باوجود وعدہ کے ہٹایا نہیں گیا۔ پس آل انڈیا کشمیر کمیٹی اس صورت حالات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر ریاست کی حکومت کو مسلم مطالبات پر جلد سے جلد عمل کرنے کا اور ہر قسم کی بے انصافی کے دور کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ اور حکومت ہند سے بھی استدعا کرتی ہے۔ کہ وہ اس بارہ میں ریاست کو توجہ دلائے۔ اسی طرح کمیٹی سیکرٹری کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ دو ماہ بعد ایک اجلاس کشمیر کمیٹی کا اس امر پر غور کرنے کے لیے طلب کرے کہ اس دوران میں ریاست کے حکام نے کیا کچھ کام کیا ہے اور اگر کوئی تبدیلی نظر نہ آئے تو ایک ’’آل انڈیا کشمیر ڈے‘‘ کے ذریعہ تمام ہندوستان کے سامنے کشمیر کے حالات رکھ کر مسلمانوں سے استدعاء کی جائے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لیے ایک دفعہ پھر متفقہ آواز اٹھائیں اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک

کہ اس ظلم کا خاتمہ نہ ہو جائے''۔

ریاست میں ردِ عمل

کمیٹی کی یہ قرارداد ریاست کو ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ اس کی اشاعت پر ایک تہلکہ مچ گیا۔ جہاں عوام کے حوصلے بہت بلند ہوئے وہاں حکام نے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۴ راگست ۱۹۳۱ء کا ''کشمیر ڈے'' ان لوگوں نے دیکھا ہوا تھا۔

اس قرارداد کی تائید اس طرح ہوگئی کہ ریاست کے اندر شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس مارچ کے مہینہ میں سری نگر میں بلوایا اور اس میں جو قراردادیں منظور ہوئیں وہ اس کی تائید کرتی تھیں۔ مہاراجہ بہت گھبرایا۔ فوراً جموں سے مسٹر کالون وزیر اعظم کو سری نگر بھجوایا اور مسلم کانفرنس کے نمائندوں سے تبادلہ خیالات کے بعد چند اصلاحات کا جن میں (پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی بھی شامل تھی) اعلان کر دیا اور بقیہ مطالبات کو جلد عملی جامہ پہنانے کا وعدہ کیا۔

ریاست کی چالیں

ایک طرف تو ریاست نے یہ کام کیا۔ دوسری طرف مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور سر پھٹول کروانے میں بھی کوئی وقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ نے زور پکڑ لیا۔ حکومت نے ایک فریق کو اُبھارا دوسرے کو دبایا۔ وہ قوم جو نکبت کی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اس میں ایسے کوتاہ فکروں اور غداروں کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہوتی۔ جو اپنی قوم کی تباہی و بربادی میں مخالف طاقتوں کے ممد و معاون بن جائیں۔ کشمیر میں بھی ایسا ہی ہوا۔ آخر امن قائم کرنے کا بہانہ بنایا گیا۔ میر واعظ یوسف شاہ کو سری نگر سے باہر لے گئے۔

اور چند دن کے بعد پھر گھر چھوڑ گئے لیکن ۳۱؍مئی کو شیخ محمد عبداللہ اور خواجہ غلام نبی گلکار کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری سے پہلے ان لوگوں نے ساٹھ ہزار کے مجمع میں تقاریر کیں جس میں مسٹر مہتہ۔ ٹھاکر کرتار سنگھ اور پنڈت بلاکاک تینوں علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا۔

لیڈروں کی گرفتاریاں

شیخ محمد عبداللہ اور خواجہ غلام نبی گلکار کی گرفتاری کے بعد دوسرے ڈکٹیٹر بخشی غلام محمد گرفتار ہوئے اور پھر گرفتاریوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ چودھری غلام عباس کانفرنس کے جنرل سیکرٹری تھے۔ ان کو اپنی گرفتاری کی توقع تھی۔ اس لیے انھوں نے اپنی گرفتاری سے پہلے قوم کے نام ایک پیغام دیا جس میں شیخ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاریوں پر سخت احتجاج کیا گیا تھا۔ اسی طرح برہما آرڈیننس کے ماتحت ''ٹلٹکیوں'' کا جو انتہائی ظالمانہ سلسلہ شروع کیا گیا تھا اس پر دلی رنج کا اظہار کیا۔ اس پیغام کے آخر پر چودھری غلام عباس نے لکھا:۔

چودھری غلام عباس کی اپیل

''...... میں اپنے بھائیوں سے زبردست اپیل کروں گا کہ وہ پُرامن رہیں اور اس خاموش جنگ کو جاری رکھتے ہوئے حکام ریاست پر ثابت کر دیں کہ مسلمانوں کے ظاہری جمود کے خاکستر میں وہ چنگاریاں خوابیدہ ہیں جو مشتعل ہو کر تمام ریاست کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہیں۔ آپ اپنے ہم وطن ہندو اور سکھ بھائیوں سے رواداری کا سلوک کریں۔ آپس میں اتحاد قائم کریں اور خدا پر بھروسہ رکھیں یقیناً وہی اصحاب فیل کے مظالم اور بربریت سے آپ کو نجات دلائے گا۔ آخر میں میں مسلمانانِ ہند سے پُر

زور اپیل کروں گا کہ وہ اپنے روایتی ایثار اور عملی ہمدردی کو جس نے گذشتہ دو سال میں قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دی تھی ایک دفعہ پھر حرکت میں لائیں۔ کشمیر کے بلکتے ہوئے بچوں اور مجروح و مضروب عورتوں کی نظریں پھر سے پنجاب کی طرف لگ رہی ہیں کہ اس جانب سے رحمتِ الٰہی کی گھٹائیں اُٹھیں گی۔ کیا وہ معصوم اور مظلوم نگاہیں ناکام لوٹیں گی؟......''

(جون ۳۳ء)

’’......ہم اس حیثیت سے کہ کشمیر کے مظلوم ہیں اور ہمارا جرم صرف اسلام ہے۔ہم حضور سے بحیثیت امام جماعت احمدیہ ہونے کے طالبِ امداد ہیں ۔حضور ہماری امداد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں......‘‘

صدرِ محترم کا استعفیٰ

اب میں کشمیر کی کہانی کا وہ ورق اپنے قارئین کے سامنے رکھنے والا ہوں جس پر نفاق وافتراق کے دھبے ہیں۔احرار کی سول نافرمانی بہت جلد ختم ہوگئی تھی۔لیکن ریاست کے حریت پسند عناصر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے چشمہ سے تازگی وبالیدگی کا آبِ حیات پی پی کر اپنی مہم کو جاری رکھے ہوئے تھے اب ریاست نے ان کی صفوں میں افتراق پیدا کرنے کی طرف دھیان دیا اپنے تمام وعدے طاقِ نسیاں پر رکھ دیئے اور مسلمانوں میں سے ہی بعض ایسے لوگ کھڑے کر دیے جو اپنے ہندوستانی ہمدردوں کی مساعی پر پانی پھیرنے کے لیے تیار ہوگئے۔

منظّم سازش

اول اول حکومت نے یہ حربہ استعمال کیا کہ ہندوستان میں کشمیریوں کی ہمدرد فعال جماعت (آل انڈیا کشمیر کمیٹی) کے خلاف بالکل بے بنیاد اور بے سروپاء باتیں مشہور کر کے کشمیر کے مظلوم لوگوں کو ہر قسم کی امداد سے محروم کرنے کی کوشش کی۔لیکن جب اس معاملہ میں ناکامی کے سواء کچھ حاصل نہ ہوا تو آخری داؤں کھیلا گیا۔چند جبہ پوش لاہور میں وارد ہوئے

ایک بزرگ کے مزار کو انہوں نے اپنے عزائم کا گڑھ بنایا۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اراکین کی فہرست حاصل کی اور بڑی سوچ بچار کے بعد لائحہ کار مرتب ہوا حرف آغاز ان اراکین کمیٹی کو قابو میں کرنا تھا جوان کی تحریص کا شکار ہو سکیں اور یوں کمیٹی کو تہ و بالا کر دیا جائے۔چنانچہ ایسے چند ارکانِ لاہور کو شیشے میں اتار لیا گیا۔کس طرح؟اس کا فیصلہ اور تجزیہ آئندہ نسلیں کریں گی ۔راقم الحروف کو اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔البتہ قارئین کی معلومات میں اضافہ کے لیے ہندوستان کے ایک مخلص مسلمان لیڈر کے بیان کا کچھ حصہ آگے درج کر رہا ہوں۔واضح رہے صرف لاہور ہی کے تین چار لیڈر اس چال کا شکار ہوئے۔انہی کو آگے کیا گیا ۔تاکہ وہ اس ڈرامہ کا کردار ادا کریں متذکرہ جبہ پوش پس پردہ بیٹھے تاریں ہلاتے رہے۔ انہوں نے اپنے ساتھ چند سادہ لوح ممبران کو بھی شامل کر لیا حالانکہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اراکین سارے ہندوستان میں موجود اور پھیلے ہوئے تھے۔چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد لاہور کے تیرہ اراکین کشمیر کمیٹی کے دستخطوں سے محترم صدر کو ایک تحریر بھجوائی گئی کہ لاہور میں کمیٹی کا اجلاس بلائیں ۔جس کا مقصد یہ ہو کہ کمیٹی کے عہدہ داران کا نیا انتخاب کیا جائے۔فتنہ کھڑا کرنے والوں نے ۴رمئی ۳۳ء کے اخبار سول ملٹری گزٹ میں اپنی تحریر کو خوب اُچھالا بلکہ اسے مذہبی رنگ دینے کی کوشش بھی کی ۔صدر محترم کی طرف سے ۷رمئی ۳۳ء کو سیسل ہوٹل میں اجلاس رکھا گیا اور اس کی اطلاع تمام ممبران کو دی گئی۔

کشمیر کمیٹی کا اجلاس

یہ اجلاس جو محترم میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب صدر کمیٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس میں مندرجہ ذیل اراکین نے شرکت کی۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال   پروفیسر مولانا علم الدین سالک

ملک برکت علی | ڈاکٹر عبدالحق
حاجی شمس الدین | پیر اکبر علی
سید محسن شاہ | چودھری اسداللہ خاں
مولانا جلال الدین شمس | خان بہادر حاجی رحیم بخش
مولانا عبدالمجید سالک | مولانا غلام مصطفیٰ
پروفیسر سید عبدالقادر | میاں فیروزالدین احمد
ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ | چودھری محمد شریف
مولوی عصمت اللہ مبلغ | شیخ نیاز علی

صاحب صدر نے اس اجلاس میں اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

صدر محترم کا استعفیٰ

”......وہ ممبران جو کمیٹی کے اجلاسوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ان میں سے بعض کو شاید یاد ہو کہ میں نے گذشتہ سال ایک اجلاس کے موقعہ پر خود ہی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اب ایک سال گزر چکا ہے اس لیے عہدہ داران کا نیا انتخاب ہو جانا چاہیے۔لیکن انہی ممبروں میں سے جن کے دستخط مذکورہ بالا تحریر پر ثبت ہیں بعض نے یہ خیال ظاہر کیا تھا (جس کی کسی دوسرے ممبر نے تردید نہیں کی تھی) کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کوئی مستقل کمیٹی نہیں۔ بلکہ ایک عارضی کام کے لیے اور تھوڑے عرصہ کے لیے اس کا قیام ہوا ہے۔اس لیے اس کے عہدہ داران کا سالانہ انتخاب ضروری نہیں......“

پھر سول ملٹری گزٹ کے نوٹ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس اخبار نے جو نوٹ لکھا ہے وہ کشمیر کے ایک کارکن سے (جو صدر کے احمدی ہونے کا بہانہ بنا کر ایجی ٹیشن کر رہے ہیں

)متاثر ہو کر لکھا ہے اور اس میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ

''مطالبہ عام مروجہ قواعد کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اصل میں اس کا محرک یہ ہے کہ ایک احمدی کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا صدر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر سول کی یہ تحریر کشمیر کمیٹی کی اکثریت کے منشاء کے خلاف ہے۔ تو میں اس مطالبہ کا حق رکھتا ہوں۔ کہ اس کی تردید تحریر مذکورہ پر دستخط کرنے والے ممبروں کی طرف سے سول وغیرہ میں شائع کرائی جائے لیکن برخلاف اس کے اگر یہ امر ممبران کمیٹی کے اشارہ سے شائع کیا گیا ہے۔ تو اس میں یقیناً اس سلسلہ کی ہتک ہے جس کا ایک فرد ہونے کو میں اپنے لیے موجبِ فخر سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک ان خیالات کی موجودگی میں (جو اس اخباری اعلان کی تہ میں پائے جاتے ہیں) نہ صرف میرا صدر رہنا بلکہ ممبر رہنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اور ان خیالات کے معلوم کر لینے کے بعد میں بھی اپنی ہتک خیال کروں گا کہ اس کمیٹی کا ممبر رہوں جو اس سلسلہ کے افراد سے تعاون کرنے کے لیے تیار نہ ہوں جس کا میں ممبر ہوں۔ پس گو عام حالات میں۔ میں تغیر عہدہ داران کو مفید سمجھتا ہوں بلکہ خود اس سوال کو ممبران کے سامنے کئی دفعہ پیش کر چکا ہوں۔ اور اگر سول کا یہ نوٹ شائع نہ ہوتا تو باوجود صدارت سے الگ ہو جانے کے میں ہر طرح سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی امداد کرتا اور اس کے لیے صدر اور سیکرٹری سے پورا تعاون کرتا۔ لیکن اس اعلان کے بعد جو بظاہر حالات یقیناً بعض دستخط کنندگان کے اشارہ سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس پرائیویٹ تحریر کا سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نامہ نگار کو کسی طرح علم نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اگر ہوتا بھی تو بہرحال وہ یہ وجہ اپنے پاس سے نہیں تراش سکتا تھا۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کشمیر کمیٹی

کے سامنے یہ بات رکھ دوں کہ اگر ممبران کشمیر کمیٹی کی اکثریت اس اعلان کے مفہوم سے متفق ہے اور فی الواقع میری احمدیت ہی اس تحریک کا موجب ہوئی ہے تو میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ممبری سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ جو مذکورہ بالا صورت میں باقاعدہ طور پر نئے سیکرٹری صاحب کو بھجوادیا جائے گا......''

صدر محترم کی خدمات کا اعتراف

اس تحریر کے اجلاس میں پڑھے جانے پر ممبران نے اخبار سول کے نوٹ سے بیزاری کا اظہار کیا اور اُسی وقت یہ قرارداد منظور کی۔

''......آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا یہ جلسہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں شائع شدہ بیان سے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے متعدد ارکان نے ایک درخواست اس امر کی بھیجی ہے کہ آئندہ کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہوا کرے قطعی علیحدگی کا اظہار کرتا ہے۔ نیز یہ جلسہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے مسلمانانِ کشمیر کے لیے جو گراں بہاء اور مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں۔ اُن پر آپ کا شکریہ ادا کرے......''

اس اجلاس میں بڑے افسوس سے آپ کا استعفیٰ منظور کیا گیا۔ اور نئے انتخابات ہونے تک ڈاکٹر سر محمد اقبال کو قائمقام صدر اور ملک برکت علی کو قائمقام سیکرٹری مقرر کیا گیا اور ایک دستور کمیٹی مقرر کر دی گئی۔

استعفیٰ کا ردِ عمل

صدر کمیٹی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کے مستعفی ہونے پر ریاست کشمیر کے طول وعرض میں صدمہ اور افسوس کا اظہار کیا گیا۔ ہر طرف سے تار موصول ہوئے۔ پونچھ کے

بحضور حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ہم اس حیثیت سے کہ کشمیر کے مظلوم ہیں۔ اور ہمارا جرم صرف اسلام ہے۔
ہم حضور سے بحیثیت امام جماعت احمدیہ ہونے کے طالب امداد ہیں۔ حضور
ہماری امداد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

گو ہمیں اس امر کا از حد صدمہ ہے کہ حضور نے اپنا دست شفقت بعض
کم فہم احباب کی وجہ سے ہمارے سر پر سے اٹھا لیا۔ مگر آپ کی ذات
سے ہمیں پوری امید ہے کہ حضور اس آڑے وقت میں ہماری راہنمائی فرما کر ہمیں
ممنون و مشکور فرماویں گے۔ اور ہمارے لئے خصوصی دعا بھی فرماویں۔ والسلام

خاکساران۔

Ghulam Kasim [illegible] 31/5/33

Barkatullah [illegible] 31/5/33

141

Ghulam Nabi 31.5.33.

مفصل حالات میری زبانی [illegible]
[illegible] کرینگے۔ جیل جاتے وقت [illegible]
اگر کسی بھی قسم کی غلطی ہو تو معافی کے خواستگار ہیں۔
[illegible]

مسلمانوں کا ایک عظیم جلسہ ۱۶رمئی ۳۳ء کو منعقد ہوا اور یہ قرار داد منظور کر کے بذریعہ تار اخبارات کو اور حضرت مرزا صاحب کو بھجوائی گئی۔

''......ہمیں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب پریذیڈنٹ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے مستعفی ہو جانے کی خبر سن کر بہت صدمہ ہوا ہم آپ کے شاندار کام کا دل سے اعتراف کرتے ہیں جس کیلئے وہ صدق دلانہ تعریف کے مستحق ہیں......''

شیخ محمد عبداللہ شیر کشمیر نے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں لکھا:

''......میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ آپ خدارا ایک بار پھر مظلوم کشمیریوں کو بچایئے اور اپنے کارکن روانہ کیجئے......''

۳۱رمئی ۳۳ء کو شیخ محمد عبداللہ اور بعض اور کشمیری لیڈروں کو حکومت ریاست کشمیر نے ایک بار پھر گرفتار کر لیا۔ شیخ صاحب کے ساتھ خواجہ غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد بھی گرفتار ہوئے۔ جیل جانے سے قبل شیخ صاحب ایک عریضہ امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں لکھ کر ایک معتمد عبدالاحد کے سپرد کیا۔ اس عریضہ پر اپنے دونوں ساتھیوں کے دستخط کروائے۔ شیخ صاحب نے لکھا

''......ہم اس حیثیت سے کہ کشمیر کے مظلوم ہیں اور ہمارا جرم صرف اسلام ہے۔ ہم حضور سے بحیثیت امام جماعت احمدیہ ہونے کے طالبِ امداد ہیں۔ حضور ہماری امداد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گو ہمیں اس امر کا ازحد صدمہ ہے کہ حضور نے اپنا دستِ شفقت (بعض کم فہم اصحاب کی وجہ سے) ہمارے سر پر سے اُٹھالیا ہے۔ مگر آپ کی ذات سے ہمیں پوری اُمید ہے

کہ حضور اس آڑے وقت میں ہماری راہنمائی فرما کر ہمیں ممنون وشکور فرمائیں گے۔اور ہمارے لیے ساتھ دعا بھی فرمائیں‘‘

کشمیر کمیٹی کے صدر کے استعفیٰ کے معاً بعد کشمیری لیڈروں کی جو گرفتاریاں جموں وکشمیر کے ہر حصہ میں ہونی شروع ہوئیں۔بصیرت رکھنے والا انسان انہیں کو دیکھ کر اس راز کی تہ کو پہنچ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک عظیم سازش اور سکیم کی مختلف کڑیاں تھیں ۔جنہوں نے تحریکِ آزادی کی اصلی روح کو سپوتاژ کیا۔

بر کریما کارہا دشوار نیست

جموں میں بھی چودھری غلام عباس اور پاسبان کے ایڈیٹر مولانا عبدالمجید قرشی کو گرفتار کیا گیا۔جیل جانے سے قبل چودھری صاحب نے ۷/جون ۳۳ء کو حضرت مرزا صاحب کو جو خط لکھا اس میں درج تھا۔

’’......آنجناب نے جو کچھ اس وقت تک مظلومانِ کشمیر کے لیے کیا ہے۔وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔بندہ کو اُمید واثق ہے کہ آنجناب گذشتہ ایثار کے پیشِ نظر پھر مظلوم مسلمانانِ کشمیر کی حمایت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں گے۔کیونکہ حالات سخت نازک صورت اختیار کر رہے ہیں۔اور آنجناب کی مساعی جمیلہ کی ازحد ضرورت ہے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست‘‘۔

(نوٹ: یہ تار اور خطوط بطور نمونہ درج کئے ہیں وگرنہ راقم الحروف خود اس بات کا شاہد ہے کہ کشمیر کے ہر حصہ سے خطوط اور تار موصول ہوئے اور کئی میموریل ہزار ہا کشمیریوں کے دستخطوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از دفتر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس

بخدمت حضرت صاحب قبلہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج شریف۔

بندہ معہ محمد مجید قرشی اڈیٹر "پاسبان" آج خاص ایک نوٹس کے بعد جو پبلک سیفٹی ایکٹ 19
کے ماتحت ڈیفنس آف کشمیر رولز کی طرف سے ہمیں موصول ہوا ہے خلاف ورزی کرکے جیل میں
جارہے ہیں۔ آنجناب نے جو کچھ اس وقت تک مظلومان کشمیر کیلئے کیا ہے کسی سے
پوشیدہ نہیں، اور اس کی تشریح کا محتاج نہیں۔ بندہ کو امید واثق ہے کہ آنجناب اپنی گزشتہ
روایات پیش نظر رکھ کر مظلوم مسلمانان کشمیر کی حمایت کیلئے کمربستہ ہو جائینگے
کیونکہ حالات سخت نازک صورت اختیار کر رہے ہیں اور آنجناب کی امداد کی ازحد
ضرورت ہے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

[illegible]

سے بھی آئے جن میں استدعاء کی گئی تھی کہ لاہور کے معدودے چند لوگوں کی غلطی کی وجہ سے آپ ہماری امداد سے کنارہ کش نہ ہو جائیں۔ظ۔ا)

مولانا غلام رسول مہؔر کا بیان

اب ان تیرہ اراکین میں سے جنہوں نے نئے انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔بعض کے خیالات بھی سن لیجئے۔مولانا غلام رسول صاحب مہر مدیر انقلاب نے اجلاس کے جو تفصیلی حالات لکھے اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''......میں نے یہ کہا تھا کہ عہدہ داروں کے انتخاب کی درخواست پر میرے بھی دستخط ثبت ہیں ۔لیکن میں خود سیکرٹری تھا اور میرے سامنے اگر دن میں دس مرتبہ بھی ایسی درخواستیں آتیں تو میرے لیے مناسب یہی تھا کہ اُن پر بلا تامل دستخط کرتا اس لیے کہ دستخط نہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا کہ میں اپنے عہدہ پر قائم رہنے کا خواہاں ہوں لیکن مرزا صاحب کا استعفیٰ منظور نہیں ہونا چاہیے۔یہ اس لیے کہ میری دیانتداری کے ساتھ یہ رائے ہے کہ اس سے کشمیر کمیٹی کے اختیار کردہ کام میں خلل پڑ جائے گا۔اس مختلف اصحاب نے میری تائید کی'' (روزنامہ انقلاب لاہور ۱۳رمئی ۳۳ء)

مولانا سید حبیب صاحب کا بیان

ایک اور رکن مولانا سید حبیب صاحب نے لکھا:

''......لاہور کے بعض ارکان کشمیر کمیٹی میں یہ تحریک جارہی تھی کہ کمیٹی مذکورہ

کے عہدہ داروں کا جدید انتخاب ہو مجھ سے بھی اس تحریک کی تائید کے لیے کہا گیا۔ اور میں نے بھی متعلقہ کاغذ پر دستخط کئے۔ لیکن افسوس ہے کہ معلومہ حادثہ کی وجہ سے میں جلسہ میں موجود نہ تھا۔

معلوم ہوا ہے کہ اس جلسہ میں مرزا صاحب کا استعفیٰ منظور کرلیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے ۔مولانا چودھری غلام رسول صاحب مہؔر نے بھی سیکرٹری کے عہدہ سے استعفیٰ داخل کر دیا ہے۔ اوران کی جگہ ملک برکت علی کا تقرر عمل میں آیا۔ میں خوش ہوں کہ ایسا ہوا۔اس لیے کہ میری دانست میں اپنی اعلیٰ قابلیت کے باوجود ڈاکٹر اقبال اور ملک برکت علی دونوں اس کام کو چلا نہیں سکیں گے۔اور یوں دنیا پر واضح ہوجائے گا۔کہ جس زمانہ میں کشمیر کی حالت نازک تھی اس زمانہ میں جن لوگوں نے اختلاف عقائد کے باوجود مرزا صاحب کو صدر منتخب کیا تھا۔انھوں نے کام کی کامیابی کو زیرِنگاہ رکھ کر بہترین انتخاب کیا تھا اس وقت اگر اختلافات عقائد کی وجہ سے مرزا صاحب کو منتخب نہ کیا جاتا تو تحریک بالکل ناکام رہتی اور اُمتِ مرحومہ کو سخت نقصان پہنچتا ۔میری رائے میں مرزا صاحب کی علیحدگی کمیٹی کی موت کے مترادف ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے انتخاب کی موزونیت اب دنیا پر واضح ہوجائے گی۔ والحمدللہ علیٰ ذلک......'' (روزنامہ سیاست مورخہ ۱۸رمئی ۳۳ء)

نئے عہدہ داروں کا رویہ

نئے انتخاب کا سوال اگر نیک نیتی پر مبنی ہوتا اس سوال کے اُٹھانے والوں اور نئے

منتخب ہونے والے عہدہ داروں کا فرض تھا کہ وہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ شاندار کام کر کے دکھاتے۔ اگر پہلے دس وکیل مقدمات کی پیروی کرنے کے لیے کشمیر میں بھجوائے گئے تھے تو یہ بیس نہیں تو بارہ چودہ ہی بھجوا دیتے اگر پہلے عہدہ داروں نے سو سیاسی کارکنان کشمیریوں کی امداد کے لیے بھجوائے ہوئے تھے تو یہ ڈیڑھ سو نہیں تو سو ہی بھجوا دیتے ۔اگر پہلے چار ہزار روپے ماہوار خرچ ہو رہا تھا تو وہ اس کو بڑھا نہ سکتے تھے کم از کم جاری تو رکھتے ۔

لیکن سید حبیب نے کیا ہی صحیح بات قبل از وقت کہہ دی تھی کہ

''......میرزا صاحب کی علیحدگی کمیٹی کی موت کے مترادف ہے......''

چنانچہ نئی کمیٹی کا صرف ایک اجلاس ہوا اور نئے عہدہ داروں نے خود بخود کمیٹی کے توڑنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اجلاس گویا

نشستند و گفتند و برخاستند

کی اصل تصویر تھا۔

فاعتبروا یااولی الابصار

نکوئی بابداں کردن چنا است!
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

ڈرامہ کے کردار

مسلمانانِ کشمیر پر یہ ظلم عظیم کیوں اُٹھایا گیا۔اس کا پتہ قارئین کو ہندوستان کے ایک مسلمہ لیڈر میاں احمد یار خاں دولتانہ کے ۱۲/ جولائی ۳۳ء کے ایک مکتوب سے جو انہوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام تحریر فرمایا بخوبی چل جائے گا۔میاں صاحب مکرم نے لکھا :۔

”......حسام الدین جو کشمیر سے آیا تھا۔اس نے لاہور میں روپیہ خرچ کیا۔ اسے ایک دوست نے کہا کہ کشمیر کمیٹی کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ حضور کمیٹی میں ہیں۔آپ کی ذات مہاراجہ کی آنکھوں میں مثل خار کھٹکتی تھی اور واقعی جو کام گورنمنٹ آف انڈیا اور ریاست کشمیر نہ کرسکتے تھے وہ حضور کی بلند حوصلگی اور......کی دوں ہمتی سے ہوگیا۔میں نے تو پیر اکبر علی صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ ۔

نکوئی بابداں کردن چناں است
کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

میاں سر فضل حسین نے بھی میری زبانی......کو کہلا بھیجا کہ......مسلمانوں کے نقصان کے علاوہ

اُسے ذاتی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ شیر قالین ہے۔عملی بات تو سمجھنے سے قاصر ہے۔میری رائے ناقص میں تو حضور والا کو یہ کام پھر ہاتھ میں لینا چاہیے۔ہم سب حضور کے جاں نثار خادم ہیں......سے نہ پہلے کچھ ہوسکا اور نہ اب ہو سکے گا۔اس کے متعلق جو احکام ہوں بسر وچشم تعمیل ہوگی'' (اصل خط محفوظ ہے۔ظ۔ا)

گھر کے بھیدی کی تصدیق

اس بارہ میں مجلس احرار کا بیان جو ان کے ایک رسالہ ''تبصرہ'' میں شائع ہوا۔اس بات کی پورے طور پر تصدیق کرتا ہے کہ میاں احمد یار خاں دولتانہ کا بیان حرف بحرف درست تھا۔لکھتا ہے:۔

> ''......کشمیر کمیٹی کی بنیاد ۱۹۳۱ء میں چند اعتدال پسند لوگوں نے رکھی تھی۔میاں سر محمد شفیع،سر فضل حسین،میاں امیر الدین اور شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ساتھ قادیان کے خلیفہ بشیر الدین محمود بھی اس ادارہ میں شامل تھے۔اس کمیٹی کے انتخاب سے مرزا بشیر الدین محمود کو صدر اور عبد الرحیم دردؔ مرزائی کو سیکرٹری منتخب کیا گیا۔حضرت امیر شریعت ڈاکٹر اقبال کو مرشد اور ڈاکٹر اقبال حضرت شاہ صاحب کو پیر جی کہا کرتے تھے۔کشمیر کمیٹی کے سلسلہ میں ان دونوں کے درمیان چودھری افضل حق کی معیت میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔اور طے پایا کہ بشیر الدین محمود اور عبد الرحیم دردؔ کو اگر ان کی موجودہ ذمہ داری سے نہ ہٹایا گیا تو کشمیر کے ۳۲ لاکھ مسلمان کفر وارتداد کا شکار ہو جائیں گے۔لہٰذا بہتر ہے کہ تحریکِ آزادی کشمیر کی باگ ڈور مجلس احرار کے سپرد کر دی جائے......''

کشمیر لیڈر کا اظہار حق

احرار کا ریاست کے حکام سے کیا تعلق تھا۔اس کا کچھ حال پہلے ابواب میں آچکا ہے ۔اوران کے متعلق شیرِ کشمیر اور چودھری غلام عباس کی آراء آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ایک اور لیڈر کی تصریحات درج کی جاتی ہیں جسے ان لوگوں کی مہربانی سے کشمیر سے جلاوطن کر دیا گیا

''......احرار کے یہ لیڈر حکومتِ کشمیر کی شاندار موٹروں اور مزین ہاؤس بوٹوں میں کشمیر کے پُر فضاء مقامات کی سیر میں مشغول تھے۔انہی پُر کیف ایام کے دوران میں اتفاق سے میری ملاقات ان میں سے ایک لیڈر سے ہوئی اور میں نے انہیں مسلمانانِ کشمیر کی حالتِ زار کے بعض واقعات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے امداد کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے جواب دیا۔آپ یہ تمام واقعات قلمبند کر کے میرے حوالہ کر دیں۔میں ان تکالیف کا ازالہ کرانے کی سعی کروں گا۔لیکن بھائیو! آہ افسوس میں کسی منہ سے کہوں۔اس احراری بزرگ نے جس پر ایک اسلامی اور دینی بھائی سمجھتے ہوئے اور ایک اسلامی تحریک کا لیڈر جانتے ہوئے میں نے بھروسہ کیا تھا۔میری دستخطی تحریر بجنسہٖ مسٹر کولون کے حوالہ کر دی۔جس کے طفیل آج میں اپنے وطن سے دور اپنے عزیزوں سے الگ۔اپنے بال بچوں سے جدا غربت کی حالت میں دربدر مارا مارا پھر رہا ہوں......'' (اصلاح ۲۷ نومبر ۳۴ء)

ڈکٹیٹر اول کا سرٹیفکیٹ

مفتی جلال الدین صاحب ایم۔اے جو مجلس نمائندگان کشمیر کے سیکرٹری اور کشمیر میں

پہلے ڈکٹیٹر تھے یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے

''......میں بصد تاسف احرار کی سرگرمیوں کی مذمت پر مجبور ہوں۔ کیونکہ ان گمراہوں کے بے جا جوش وخروش نے ہماری زندگیوں کو تباہ وبرباد کر کے عظیم الشان مصائب میں مبتلاء کردیا......'' (سیاست ۲۴ر نومبر ۱۹۳۲ء)

بروقت انتباہ

ریاست کی طرف سے اس تحریک کو کچلنے کے لیے جو کاروائیاں ہوتی تھیں۔ محترم صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو اپنے ذرائع سے ان کا علم ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ کمیٹی کے اندر انتشار بھی ریاست کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا۔ آپ نے کشمیریوں کو ان فتنوں سے بروقت خبردار کردیا تھا ۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک مطبوعہ مکتوب میں یہ تحریر فرمایا:

> ''......میں اس امر کا یقین رکھتا ہوں کہ بعض افسرانِ ریاست کی نیت درست نہیں اور یقین کی وجوہ یہ ہیں:۔

1- میرے ایک نمائندہ سے ریاست کے ایک ہندو وزیر نے گذشتہ سال یہ الفاظ کہے تھے کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔ ہمیں بھی پارٹیاں بنانی آتی ہیں اور ہم بھی ریاست میں آپ کے خلاف پارٹیاں بنوا سکتے ہیں۔ بعض لوگ جو شیخ محمد عبداللہ صاحب کے خلاف کوشش کررہے ہیں۔ ان کی نسبت یقینی طور پر ثابت ہے کہ وہ اس وزیر سے خاص تعلقات رکھتے ہیں۔

2- باہمی مناقشات دیر سے شروع تھے۔ لیکن نہ حکومت نے ان پر سختی سے نوٹس لیا اور نہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کو اس کا ذمہ دار بنایا۔ لیکن آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اس اجلاس کے بعد جس میں مسٹر مہتہ کے خلاف ریزولیشن تھا۔ یکدم ریاست میں بھی ہل چل شروع ہوگئی اور

بعض ریاست کے افراد نے باہر آ کر لوگوں کو اکسانا شروع کیا۔ کہ کمیٹی کا احمدی صدر نہیں ہونا چاہیے۔ اور ان ایجنٹوں میں سے ایک نے اپنے ایک ہم خیال لیڈر سے لاہور میں کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں پندرہ سولہ ہزار روپیہ فوراً مہیا کر سکتا ہوں۔ پھر اس نے کشمیر جا کر اپنے ایک دوست کو لکھا کہ میں لاہور میں آگ لگا آیا ہوں۔ اب چاہیے کہ یہ آگ سلگتی رہے اور بجھے نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسٹر مہتہ کے بعض ہوا خواہوں نے یہ کاروائی کی ہے۔ ورنہ واقعات کا یہ اجتماع کس طرح ہوا۔ جب آدمی وہی ہیں۔ حالات وہی ہیں۔ کام وہی ہے تو نتائج کیوں مختلف نکلنے لگے؟'' (برادرانِ جموں و کشمیر کے نام میرا دوسرا خط۔ سلسلہ چہارم مطبوعہ ۱۱ر جولائی ۳۳ء)

عہدہ داروں کا فرض

نئے عہدہ داروں کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس کے نتائج کو مدِ نظر رکھتے اور نئے عہدہ داروں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان سے آنکھیں بند نہ کرتے۔ کمیٹی کے ہر رکن کو علم تھا کہ درجن کے قریب نہایت قابل وکلاء اپنی چمکتی ہوئی کامیاب پریکٹس کو چھوڑ کر انتہائی مالی قربانی کر کے کشمیر میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ کیا نئی کمیٹی ان سے کام لے گی۔ اور اگر کام لے گی تو ان لوگوں سے تصفیہ کرنا ضروری تھا کہ وہ کن شرائط پر کام کریں گے۔ نئے صدر اور سیکرٹری دونوں قانون دان تھے۔ کاش وہ ذرا ایک ماہ ہی کشمیر جا کر قانونی خدمات سرانجام دیتے۔ تا کہ ان کے دلوں میں ان لوگوں کی کچھ تو قدر پیدا ہوتی جو یہ کام مہینوں بلا معاوضہ سرانجام دیتے رہے اور ان کے میدانِ عمل میں آنے سے دنیا پر بھی یہ واضح ہو جاتا کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر قربان کرنے اور ایثار کا صحیح نمونہ پیش کرنے میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

بیسیوں دوسرے کارکن سارے کشمیر میں پھیلے ہوئے تھے ان کے اخراجات کا انتظام

کرنا نئے عہدہ داروں کا فرض اوّلین تھا۔ یا ان کو فارغ کر دیا جاتا یا ان سے فیصلہ کیا جاتا۔ کشمیر کے لیڈروں کو کام چلانے کے لیے جو ماہوار امداد مل رہی تھی۔ اس کے بند کیے جانے یا جاری رکھنے کے متعلق نئی کمیٹی ان لوگوں کو اطلاع دیتی۔

لیکن ہوا کہ نئے عہدہ داران منتخب ہوتے ہی خواب خرگوش میں پڑ گئے اور مرکز کا رابطہ محاذِ جنگ پر لڑنے والے مجاہدوں سے بالکل منقطع ہو گیا۔ جب کسی فوج کے ساتھ یہ سلوک ہو تو اس کے لیے دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں ہلاکت یا پسپائی۔ ظاہر ہے کہ ہر عقلمند ایسی صورت میں دوسری چیز کو ترجیح دے گا۔ اور اس کے بعد اگر مرکز ان سے گلہ کرے تو ہر شخص جواب دے گا۔

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردئی
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

ان حالات میں اگر کوئی شخص اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ساری کاروائی ریاست کے ایماء پر مسلمانانِ کشمیر کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ریاست کے ایجنٹوں اور روپیہ سے سرانجام پائی اور اس تحریک کا مقصد مسلمانانِ کشمیر کو بیرونی امداد سے محروم کرنے اور تحریک آزادی کو کچل کر رکھ دینے کے سواء اور کچھ نہ تھا۔ تو کون اس کی تردید کر سکتا ہے۔

نئی کمیٹی کی خدمات

نئی کمیٹی پر جب کشمیر کے باشندوں کی طرف سے وکلاء بھجوانے کے لیے زور دیا گیا تو انہوں نے تین چار وکلاء کو وقتاً فوقتاً کشمیر بھجوایا۔ جن کے متعلق کشمیر کے ذمہ دار عہدہ داران کی آراء بطور نمونہ درج ہیں۔

یہ شہادتیں یہ جاننے کے لیے کافی ہیں کہ وہ خدمت کس انداز اور بھاؤ سے کرنے گئے

تھے۔ڈاکٹر امام الدین صاحب قریشی جنرل سیکرٹری مسلم ایسوسی ایشن میر پور نے ستمبر ۳۳ء کے آخر میں ایک اپیل شائع کی جو اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔اس میں انہوں نے لکھا:۔

’’جدید کمیٹی کی طرف سے میاں عبدالحئی ایڈووکیٹ علی بیگ کے مقدمہ میں بحث کے لیے تشریف لائے مقدمہ علی بیگ میں ۶۹ ملزمان تھے اور قریباً ۴۲ گواہانِ استغاثہ اور مسل ہزاروں صفحات پر مشتمل تھی۔گیارہ ماہ مقدمہ جاری رہا لیکن میاں صاحب موصوف دو دن بحث کر کے تشریف لے گئے ۔ہم بہر کیف ان کے ممنون ہیں اور ان کی اس خدمت کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔لیکن خدا بھلا کرے شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ لاہور کا جو کہ اصل آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے آئے اور مسلسل ایک ہفتہ انہوں نے نہایت قابلیت سے بحث کی۔اور ملزمان کے مقدمہ کی پیروی کا حق ادا کردیا۔ہم دونوں صاحبوں کے بے حد ممنون ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

اب مسلمانانِ میر پور کی آنکھیں مقدمہ سکھ چین پور کی طرف اُٹھ رہی ہیں اس مقدمہ کے ملزمان پر قتل اور ڈکیتی و آتش زدگی کے سنگین الزامات ہیں۔اور برابر گیارہ ماہ سے یہ مقدمہ چل رہا ہے ابتداء میں ۱۶۹ ملزمان تھے۔لیکن اب اس وقت ۶۰ ملزموں پر فرد جرم قائم ہے۔اور مسل ہزاروں صفحوں پر مشتمل ہے۔ ہمارے دِل جذباتِ تشکر سے لبریز ہوگئے۔جب ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ لاہور اس مقدمہ میں بحث کے لیے تشریف لائے۔لیکن بحث شروع ہونے میں کچھ دن باقی تھے کہ ڈلہوزی واپس تشریف لے گئے اور ہمیں حسرت رہی کہ کاش آپ

کچھ دن تشریف رکھتے اور ملزمان کے مقدمہ کی پیروی فرماتے......"

یہ دو وکلاء کی خدمت کا ذکر ہے تیسرے وکیل کی خدمات بھی ملاحظہ ہوں۔

شیخ عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ نمائندہ مسلمانانِ جموں وکشمیر نے تیسرے وکیل کے متعلق یوں ذکر کیا ہے۔

"......تعصب مذہبی نے جب میاں بشیر الدین صاحب کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ تو ان کی جگہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم و مغفور صدر چنے گئے۔ علامہ مسلمانوں کے لحاظ سے بڑے محترم تھے۔ مگر ان کے پاس ایسی کوئی منظّم جماعت نہ تھی کہ جیسی جماعت احمدیہ میاں بشیر الدین صاحب کے تابع فرمان تھی۔ اور نہ ہی علامہ کے پاس ایسا کوئی سرمایہ تھا کہ جس سے وہ ریاست کے اندر جماعت احمدیہ کی طرح اپنے خرچ پر دفاتر کھول دیتے اس لیے ان کی صدارت کے ایام میں کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا کہاں میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کے حکم سے سر ظفر اللہ اور شیخ بشیر احمد، چودھری اسد اللہ خاں وکلاء مقدمات کی پیروی کے لیے آتے رہے۔ بلکہ مستقل طور پر بعض سری نگر، میر پور، نوشہرہ، جموں میں رہ کر کام کرتے رہے۔ ان کے طعام و قیام وغیرہ کے تمام اخراجات بھی میاں صاحب ہی بھیجتے رہے۔ ان کے مستعفی ہونے کے بعد نہ دفتر رہے نہ مستقل وکلاء ہی رہے۔ ایک بار سری نگر کے ایک کیس میں جب کہ میں شیخ صاحب کی گرفتاری پر قائم مقام صدر مسلم کانفرنس تھا۔ میرے لکھنے پر انہوں نے بہار کے وکیل سرکار انعام الحق صاحب کو سری نگر میں بحث کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ چند دن رہے اور ہائی کورٹ میں بحث فرما کر واپس چلے گئے۔......" (اصل بیان مورخ کشمیر مولانا اسد اللہ کاشمیری کے پاس ہے۔ ظ۔ا)

''......لاہور شہر کا کوئی نہایت معمولی پبلک جلسہ نہ اس بات کا حق دار تھا کہ نئی کمیٹی بنا کر اُسے آل انڈیا کشمیر کمیٹی قرار دیتا اور نہ اس امر کا مجاز تھا کہ پہلی کشمیر کمیٹی کو توڑ دیتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا تھا کہ کسی بننے والی کمیٹی پر اظہار اعتماد کردیا جاتا اور پرانی کمیٹی پر بے اعتمادی کی قرارداد امنظور کر دی جاتی......''

نئی کمیٹی

ایک ایسی کمیٹی جو کُل مسلمانانِ ہند کے مشورہ سے قائم ہوئی ہو۔ جس کی رکنیت میں ہندوستان کے ہر حصہ اور طبقہ کے لیڈر رہوں۔ اسے کمیٹی کا کوئی ایک رکن خواہ صدر ہی کیوں نہ ہو۔ بغیر کمیٹی کے اجلاس اور مشورہ کے توڑنے کا مجاز نہ تھا۔ لیکن ریشہ دوانوں کی شاطرانہ مہارت کہ انہوں نے عارضی قائم مقام صدر سے ایسا اعلان بھی کروالیا اور نیا طریقِ کار یہ تجویز ہوا کہ دہلی دروازہ کے باہر مجلس احرار کے دفتر کے سامنے ایک جلسہ کر کے نئی کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔

دہلی دروازہ کا جلسہ

اس جلسہ کی کیفیت اور نمائندہ حیثیت کا اندازہ مسلم پریس کے ذیل کے تبصروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ اخبار روزنامہ سیاست لاہور نے ایک مبسوط مضمون میں لکھا:

''علامہ اقبال کی یہ تجویز فتنہ کی بنیاد ہے کہ مسلمان جلسہ عام کر کے کشمیر کمیٹی

بنالیں علامہ اقبال کے بغیر کشمیر کمیٹی نے کام کیا وہ اب بھی موجود ہے اور آئندہ بھی کام کرے گی ۔حق یہ ہے کہ کشمیر کمیٹی کا کام علامہ اقبال اور برکت علی صاحب کے بس کا نہیں تھا۔لہٰذا وہ بہانہ بنا کر بھاگ گئے ۔وہ جس وقت مستعفی ہوئے اُس وقت نہ کوئی جھگڑا ہوا نہ تُو تُو مَیں مَیں ہوئی اور نہ کوئی اختلاف رائے ہی بہت زیادہ موجود تھا......‘‘(روزنامہ سیاست لاہور۲۴؍جون ۳۳ء)

انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے لکھا:۔

’’......آئینی طور پر ہم یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے کہ لاہور کے لوگوں کی بنائی ہوئی کمیٹی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی قائم مقام کس طرح ہوسکتی ہے۔اصل کمیٹی ۳۱ء کے موسمِ خزاں میں بمقام شملہ بنائی گئی تھی۔ جب کہ بہت سے مسلم لیڈر اور مختلف صوبہ جات کے ممبران کونسل وہاں موجود تھے ۔اس لیے وہ ایک اچھی خاصی نمائندہ کمیٹی تھی مگر اہالئی لاہور کی منتخب شدہ کمیٹی کو یہ پوزیشن کسی صورت میں بھی حاصل نہیں ہوسکتی......‘‘(۲۵؍جون ۳۳ء)

روزنامہ انقلاب نے یہ تحریر کیا:۔

’’......جن اصحاب کوآل انڈیا کشمیر کمیٹی سے اختلاف پیدا ہوا تھا۔ان کے نام پر لاہور میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا گیا۔جس کی حقیقت وحیثیت کی بحث میں پڑنے کا یہ موقع نہیں ۔اس جلسہ میں ایک نئی کمیٹی کی تاسیس کے لیے ایک جماعت بنادی گئی ۔اس کے بعد کم ازکم ہمیں معلوم نہ ہوسکا کہ جماعت مذکور کے تجویز کردہ ارکان میں سے کتنے اصحاب نے تعاون پر آمادگی ظاہر کی اوراس جماعت نے نئی کمیٹی کی تاسیس کے ضمن میں کیا کیا

تدابیر اختیار کیں۔ البتہ چندروز کے بعد اعلان ہوگیا کہ نئی کمیٹی بن گئی ہے اور پرانی کمیٹی توڑ دی گئی ہے۔ حالانکہ لاہور شہر کا کوئی نہایت معمولی پبلک جلسہ نہ اس بات کا حقدار تھا کہ نئی کمیٹی بنا کر اسے آل انڈیا کشمیر کمیٹی قرار دیتا اور نہ اس امر کا مجاز تھا کہ پہلی کشمیر کو توڑ دیتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا تھا کہ کسی بننے والی کمیٹی پر اظہار اعتماد کر دیا جاتا اور پرانی کمیٹی پر بے اعتمادی کی قرارداد منظور کر دی جاتی۔

اس حالت میں یہ سمجھا جاتا کہ لاہور شہر کے ان چندسو مسلمانوں کو جو ایک خاص تاریخ کو دہلی دروازہ کے باہر جمع ہوئے تھے۔ پرانی کمیٹی کے کام پر اعتماد نہیں اور بس۔ لیکن وہ مسلمان اگر چندسو نہیں بلکہ چند ہزار بھی ہوتے تو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندگی و نیابت کا منصب سنبھال لینے کے حقدار نہ تھے......'' (روزنامہ انقلاب لاہور ۱۰ر ستمبر ۳۳ء)

(نوٹ از مؤلف؛ انگریزی روزنامہ سٹیٹسمین ۴ر جولائی ۳۳ء اور دیگر تمام مشہور اخبارات نے اس کاروائی کو غیر آئینی قرار دیا۔ ظ۔ا)

گویا گھر کے بھیدی اخبار ''تبصرہ'' کے اس دعویٰ کو صحیح ماننا پڑیگا...... کہ ''مرشد'' اور ''پیر جی'' کے درمیان افضل حق کی معیت میں جو متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں یہی طے پایا تھا کہ پہلے عہدہ داروں کو ہٹا کر

''......تحریک آزادی کشمیر کی باگ ڈور مجلس احرار کے سپرد کر دی جائے......''

تا کہ یہ ''فدا کار'' ریاست کی ''نمک خواری'' کا حق ادا کرسکیں۔

ان لوگوں کے متعلق اکابرین کشمیر کی آراء قارئین پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں دراصل یہ لوگ ہندو کانگرس کا حصہ تھے۔ اس لیے یہ مجبور تھے کہ عین موقع پر جمہور مسلمانوں کے خلاف ہنگامہ آرائی کریں۔

احراریوں کے متعلق چند آراء

احراریوں کا ذکر چل پڑا ہے تو ان کے متعلق کچھ مزید آراء بھی سُن لیجئے ”ملاپ“ لکھتا ہے:

”......پنجاب کے کانگرسیوں کی ایک جماعت احراریوں کے ساتھ درپردہ یہ سازش کر رہی ہے کہ احراریوں کو یہ لالچ دیا جائے کہ اگر وہ کانگرس کی اس جماعت سے مل جائیں تو ان کو صرف عہدے ہی نہیں ملیں گے ۔ بلکہ کچھ مال بھی ملے گا ......“ (روزنامہ ملاپ لاہور ۱۲ر جولائی ۳۴ء)

اس کی تائید کے لیے انقلاب کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”......مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ امرتسر میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ اگر کوئی احراری کارکن کانگرس کا ممبر بن کر کرنا چاہتا ہو تو اسے مجلس کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوگی ......“ (روزنامہ ملاپ لاہور ۱۲ر جولائی ۳۴ء)

خاں بہادر حاجی رحیم بخش صاحب سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس کا ایک مفصل بیان اگست ۳۴ء کے آخر میں اخبارات میں شائع ہوا اس کا ایک حصہ قارئین کے اضافہ معلومات کے لیے درج ہے۔

> ”...... جہاں تک احراریوں کے عقیدہ کا تعلق ہے ۔ وہ دل سے کانگرس کے ساتھ ہیں ۔ ابھی اگلے روز ہی ان کے ایک لیڈر مسٹر مظہر علی نے اس امر سے انکار کرتے ہوئے کہ احرار کھلم کھلا کانگرس میں شامل نہیں ہوں گے تسلیم کیا تھا کہ احراریوں کو کانگرس کا ممبر بننے کی اجازت ہے ۔ اور کئی

احراری اس وقت کانگرس کے ممبر ہیں۔ سرکردہ مسلمان احراریوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔اس کا پتہ مسٹر گابا کے نام ممدوٹ کے نواب شاہ نواز خاں کے خط سے پتہ چلتا ہے۔نواب صاحب کے خط کا مضمون یہ ہے
۔

اسمبلی کے انتخابات میں میں نے آپ کی حمایت کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس شرط پر کہ اگر آپ کے مقابلہ میں آپ سے بہتر کوئی امیدوار کھڑا نہ ہوا۔اب جب کہ حاجی رحیم بخش آپ کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے ہیں۔ میں انہیں آپ پر ترجیح دیتا ہوں۔آپ احرار ٹکٹ پر کھڑے ہورہے ہیں۔پچھلے تجربہ کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ احراریوں کی پالیسی مسلم مفاد کے خلاف رہی ہے اس لیے میں آپ کی امداد نہیں کرسکتا......'' (انقلاب ۱۴راگست ۳۴ء)

مسلم پریس کی آراء

احراریوں کی جمہور مسلمانوں کے خلاف ضرررساں کاروائیوں کی وجہ سے مسلم پریس بھی سخت نالاں تھا روزنامہ ''سیاست'' ۱۷رجولائی ۳۴ءاس کا گلہ اس طرح کرتا ہے:۔

''......دورِ ہیجان واضطرابِ مسلمین میں ہزاروں ایسی ہستیاں پیدا ہوگئی ہیں ۔جنہوں نے مسلمانوں کی حالتِ اضطرار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دھڑی دھڑی کرکے اُن کو لوٹا۔پُرجوش تقریریں کرکے انہیں مختلف حکومتوں سے ٹکرایا۔ان کے گھر بار تباہ کرائے۔اور آخر میں جب انہیں دوزخ شکم کے لیے ایندھن فراہم ہوچکا تو خاموشی سے پیشاب کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ازاں جملہ ایک حبیب الرحمٰن لدھیانوی ہیں۔ یہ ذات شریف کانگرسی بھی

رہے ہیں۔ خلافتی بھی بن چکے ہیں ۔اور پھر ہر جگہ دھتکارے جانے کے باعث آخری غدار وخائن ملت جماعت ''احرار اسلام'' میں شامل ہوئے۔ کپورتھلہ میں جو کچھ ہوا وہ انہی چند ایک اشخاص کی بدولت ہوا۔جنہیں احراری لیڈر کہا جاتا ہے۔حبیب الرحمٰن نے بھی اس میں پُر زور حصہ لیا۔اور اسلامیان کپورتھلہ کو بھڑ کا کر مقامی حکومت سے متصادم کرایا مسلمانوں پر جو آتش بازی ہوئی وہ ان لوگوں کی آتش بار تقریروں کا ہی نتیجہ تھا......'' (سیاست ۱۷ر جولائی ۳۴ء)

روزنامہ انقلاب نے ستمبر ۳۴ء میں ان سے اس طرح شکایت کی:

''......اگر مسلم کانفرنس والے ۲۹ء میں مسلم رائے کو منظور کر کے مقابلہ میں جمع نہ ہو جاتے تو احرار اور ان کے رفقاء کی فدائیت اور حزب اللّٰہیت ۲۹ء ہی میں نہرو رپورٹ کا پھندا مسلمانوں کے گلے میں ڈال کر انہیں پھانسی لٹکا چکی ہوتی'' (انقلاب ستمبر ۳۴ء)

احرار کا شاندار کارنامہ

نومبر ۳۴ء کے اخبارات نے احرار کا ایک شاندار کارنامہ شائع کیا۔وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

> ''......ان دنوں میں بلدیہ لاہور کے الیکشن کے لیے امیدواروں کی درخواستیں پیش ہو رہی ہیں ۔مسلم سٹی وارڈ حلقہ بارودخانہ سے میاں امیر الدین بلا مقابلہ منتخب ہوا کرتے تھے۔لیکن اب کے میاں صاحب موصوف نے چونکہ انتخاب اسمبلی میں خان بہادر رحیم بخش کی امداد کی ۔اس لیے مجلس احرار نے اس حلقہ سے اپنا اُمیدواران کے مقابل

پر کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔لیکن احرار کا یہ فعل خود اُن کے لیے جس قدر بدنامی اور رسوائی کا موجب ہوا ہے اسے دیکھتے ہوئے وہ یقیناً اپنے اس فیصلہ پر پشیمان ہوگی۔

میاں امیر الدین صاحب نے احرار اُمیدوار کے متعلق اعتراض کیا کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ عیسائی ہے۔احرار نے اس سے انکار کیا تو میاں صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کئی معزز عیسائی بطورِ گواہ پیش کردیئے۔ ریورینڈ سائیں داس کرسچن مشنری نے شہادت دی کہ اُس نے ۱۹۲۵ء میں بمقام راولپنڈی اس شخص کو بپتسمہ دیا تھا۔ پادری ٹھاکرداس نے کہا کہ یہ شخص جولائی ۱۹۳۴ء تک نولکھا چرچ کا باقاعدہ ممبر رہا ہے۔اور برابر چندہ دیتا رہا ہے۔ پرنسپل ایف۔سی کالج نے کہا کہ انہوں نے امیدوار مذکور کو اپنے کالج میں عیسائی ہونے کی وجہ سے ملازم رکھا ہوا تھا۔تخفیف کی وجہ سے جب اسے علیحدہ کیا گیا تو اس نے ایک خط میں مجھے لکھا کہ میں اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہوا تھا۔لیکن پھر بھی میرے روزگار کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔'ایک لون سوسائٹی' کے سیکرٹری نے بیان کیا کہ ہماری سوسائٹی صرف عیسائیوں کو قرضہ دیتی ہے۔اور اُمیدوار مذکور کئی بار اس سوسائٹی سے قرض لے چکا ہے۔ اور اس قدر شواہد کے بعد احراری امیدوار نے بھی دبی زبان سے اقرار کرلیا میں نوکری کی خاطر عیسائی ہوا تھا۔مگر حقیقت میں مسلمان ہی ہوں۔لیکن بپتسمہ لینے کے بعد حقیقت میں مسلمان ہونے کے چونکہ کوئی معنی نہیں اس لیے الیکشن آفیسر نے احراریوں کے نمائندہ کو عیسائی قرار دے کر اس کے مسلم حلقہ سے کھڑا ہونے کی درخواست مسترد کردی......''

(احرار نے مسجد شہید گنج یا دوسرے مواقع پر جو رویہ اختیار کیا یا پاکستان کے قیام کے وقت انہوں نے مسلمانوں کی مخالفت کے لئے جو سر دھڑ کی بازی لگائی اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ راقم الحروف صرف کشمیر کی کہانی لکھ رہا ہے۔ مندرجہ بالا حقائق اس لئے لکھنے ضروری تھے کہ جب ان لوگوں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں افتراق پیدا کیا اُن دنوں جمہور مسلمان انھیں کیا سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے کشمیریوں پر دوسری مرتبہ ظلمِ عظیم کیا اور آزادی تحریک کو پیچھے ڈالنے کے لئے ریاست کے ممد و معاون ہوئے۔ ظ۔ا)

ریاست کے 'فدا کار'

کشمیر کے لیے احرار کی ''فدا کاریوں'' کے ضمن میں اس چیلنج کا ذکر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا جو ان میں سے ایک دوست حافظ محمد شاہ نے ۱۱رنومبر ۳۴ء کو لاہور کے پر رونق جلسہ میں دیا ۔حافظ صاحب نے فرمایا:۔

> ''......میں احراری تحریک کے مرکزی شہر سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں۔ اور ان کی قومی خدمات سے بخوبی آگاہ ہوں میرے پاس احراری قائدین کی تحریرات پرائم منسٹر کشمیر مسٹر مہتہ اور دیگر حکام کے ساتھ ان لوگوں کی خفیہ خط و کتابت کے فائل اور رجسٹرات تک موجود ہیں۔ جن سے ان کی قومی خدمات کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے پس بہتر ہے کہ وہ قومی خدمات کی رٹ لگانا چھوڑ دیں......''

کمیٹی احرار کے قبضہ میں آنے کے بعد

مہاراجہ نے یہ خیال کیا تھا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم صدر مرزا بشیر الدین محمود احمد

صاحب کا اثر کمیٹی کے ٹوٹ جانے سے ختم ہو جائے گا۔ ریاست کے ذمہ دار لیڈروں کو اس نے ایک بار پھر جیل میں دھکیل دیا تھا۔ یہ سب گرفتاریاں مئی اور جون ۳۳ء میں ہوئی تھیں بعد میں بھی نوجوانوں کی گرفتاریاں جاری رہیں۔

محترم مرزا صاحب نے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ کو مسٹر کالون وزیر اعظم سے ملاقات کے لیے بھجوایا تا کہ وہ اس پر یہ واضح کریں کہ یہ سب کارروائی غلط ہو رہی ہے۔ اس کا انسداد کیا جائے۔

دوسری طرف شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ جو مظلوم کشمیریوں کی درخواست پر ان کے مقدمات کی پیروی کے لیے تشریف لے گئے تھے ہر دو کو گورنر کشمیر نے ریاست چھوڑ دینے کے نوٹس جاری کر دیئے۔

یہ ہر دو صاحبان جب واپس پنجاب پہنچے تو یہاں کے پریس میں یہ خبر آ چکی تھی کہ پارلیمنٹ میں سوال کیا گیا ہے کہ ان صاحبان کو ریاست سے کیوں نکالا گیا ہے۔ وزیر ہند نے بعد تحقیق جواب دینے کا وعدہ کیا۔ جب ریاست کی گوشمالی ہوئی تو وہ اپنے احکام کو کالعدم قرار دینے پر مجبور ہوئی۔

''......غلط فہمی سے بچنے کے لیے کمیٹی کا نام آئندہ آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن رکھا گیا۔ چنانچہ یہ ایسوسی ایشن اسی نام سے ۳۷ء کے آخر تک کام کرتی رہی ۔دوسری طرف سر محمد اقبال والی کمیٹی بہت مختصر مدت کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی......''

آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن

انجمن سازی اور اتفاق کار کے تمام قواعد وضوابط کی خلاف ورزی سے نئی کمیٹی کے بنالیے جانے کے بعد اصل اور بنیادی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے اراکین کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرتی۔ تاکہ ہر قسم کی غلط فہمی کا ازالہ ہوجانے کے بعد ساتھ ساتھ اہالیٔ کشمیر کو بھی اصل حقائق سے آگہی ہوجاتی۔ روزنامہ انقلاب کا ایک مفصل اداریہ اسی صورت حال سے متعلق تھا۔ جس کا ایک حصہ قارئین کے اضافہ معلومات کے لیے درج ذیل ہے۔

''......چونکہ کشمیر کمیٹی کے عارضی صدر مستعفی ہوچکے تھے اور عارضی سیکرٹری صاحب نے استعفیٰ دیے بغیر ہی اپنے فرائض وواجبات کو اور جماعتی آداب وقواعد کو پسِ پشت ڈال کر نئی کمیٹی میں سیکرٹری شپ کا عہدہ قبول کرلیا تھا۔اس لیے آل انڈیا کشمیر کمیٹی عملاً معطل ہوگئی تھی ۔کمیٹی کے جن ممبروں کے سامنے یہ واقعات پیش آئے تھے۔انہوں نے اپنا اخلاقی فرض

سمجھا کہ تمام واقعات وحالات کی اطلاع ممبروں کو دیں اور ان سے استصواب کریں کہ آیا پُرانی کمیٹی کو ان حالات میں باقی رکھا جائے یا توڑ دیا جائے۔

چنانچہ چار ممبروں کے دستخطوں سے ایک گشتی مراسلہ مختلف ممبروں کی خدمت میں بھیجا گیا۔ کمیٹی کے کل تریسٹھ ممبر تھے۔ ان میں سے گیارہ یا بارہ ممبروں نے غیر جانب دار رہنے کا اظہار فرمایا۔ بعض نے طرفین کے ساتھ یکساں ذاتی تعلقات کی بنا پر۔ بعض نے چند ذاتی مصلحتوں کی بنا پر اور بعض نے بعض اس بناء پر کہ مسلمانوں میں اختلاف بر پا ہو جانے کی حالت میں انھیں علیحدگی اور بے تعلقی ہی مناسب معلوم ہوئی۔ ان گیارہ ممبروں کو تریسٹھ میں سے خارج کر دیا جائے تو باقی باون ممبر رہ جاتے ہیں باون میں سے بیس نے صاف اور واضح لفظوں میں افتراق انگیز واقعات کی مذمت کی۔ اختلاف پیدا کرنے والوں کی روش کو جماعتی آداب وقواعد کے منافی بتایا اور لکھا کہ کشمیر کمیٹی کا کام حسب سابق جاری رہنا چاہیے۔

ان کے علاوہ بارہ ممبروں نے ۱۳ ستمبر کے جلسے میں شریک ہو کر کمیٹی کے کام کو جاری رکھنے کی تائید کی۔ اس طرح تریسٹھ میں سے بتیس ممبروں اور گیارہ غیر جانب دار ممبروں کو علیحدہ کرنے کے بعد باون میں سے بتیس ممبروں نے کمیٹی کے کام پر اعتماد کا اظہار کیا باقی اصحاب میں سے کسی کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اور جو اصحاب نئی کمیٹی میں شریک ہوئے ان کی تعداد بہر حال دس سے کم ہے۔

پس جب ممبروں کی بہت بڑی اکثریت نے فیصلہ صادر کردیا کہ کمیٹی کا کام جاری رہے اور انھوں نے ان بزرگوں کے خیالات سے اتفاق نہ کیا۔ جنھوں نے لاہور میں ایک پبلک جلسہ منعقد کر کے ایک نئی کمیٹی تاسیس کا بندوبست کیا تھا۔ تو کمیٹی کے ممبروں کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ کام کو جاری رکھتے اور نئے عہدے دار منتخب کر لیتے۔ لیکن ۳؍ستمبر کے جلسے میں شریک ہونے والے ممبروں کے پیش نظر اتحاد تھا وہ دل سے چاہتے تھے کہ اہل کشمیر کی امداد کے کام میں حتی الامکان اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس لیے انھوں نے بالاتفاق ان بزرگوں کو صدر اور سیکرٹری منتخب کیا۔ جن پر نئی کمیٹی بنانے والوں کو زیادہ سے زیادہ اعتماد ہوسکتا تھا۔ تا اگر وجہ نزاع یہی ہو کہ اختیار و اقتدار کسی ایسے گروہ کے ہاتھ میں نہ جائے۔ جس پر نئی کمیٹی کے مؤسسین کو اعتراض ہو تو اس وجہ نزاع کا استیصال ہوجائے۔

اگر مجوزہ صدر صاحب اور سیکرٹری صاحب سعی اتحاد کی اس پیش کش کو خدانا خواستہ قبول نہیں کریں گے تو لازماً دوسرے صدر اور سیکرٹری کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی حسبِ سابق اپنا کام جاری رکھے گی۔ اور کوشش کرے گی کہ تصادم کا کوئی موقع پیش نہ آئے۔ اتحاد ہی کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہ کوئی مجلس عاملہ منتخب کی گئی اور نہ دستور اساسی کے قواعد وضوابط معرض بحث میں لائے گئے۔ بلکہ پانچ آدمیوں کی عارضی کمیٹی بنا دی گئی۔ تا کہ وہ صدر صاحب اور سیکرٹری صاحب کے مستقل فیصلہ تک کشمیر کمیٹی کا کام جاری رکھے۔ ان پانچ آدمیوں میں سے بھی کسی کو صدر یا سیکرٹری نہ بنایا گیا۔ تا کہ خدانخواستہ یہ

> غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ ارکان کمیٹی صدر اور سیکرٹری کے عہدے دو بزرگوں کی خدمت میں پیش کرنے کے باوجود نئے صدر اور سیکرٹری کے انتخاب کی تدابیر پیش نظر رکھتے ہیں......'' (روزنامہ انقلاب ۱۰ر ستمبر ۳۳ء)

سر محمد اقبال کو صدارت کی پیشکش

۳ر ستمبر کو لاہور کے مقام پر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا جو اجلاس ہوا اس کی کچھ تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ ہوا:۔

> ''......اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لیے ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب کو علی الترتیب کشمیر کمیٹی کی صدارت اور سیکرٹری شپ کے عہدے پیش کیے جائیں اور ۱۶ر ستمبر کو شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد ہو جس میں ان اصحاب کی طرف سے موصول شدہ جوابات کی روشنی میں عہدہ داران کے تقرر کے سوال کا آخری فیصلہ کیا جائے......''

چنانچہ ۱۶ر ستمبر کو شملہ میں یہ اجلاس زیر صدارت نواب ابراہیم علی خاں صاحب آف کنجپورہ (ایم۔ایل۔اے) منعقد ہوا۔ حاجی رحیم بخش صاحب نے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذوری پیش کی تھی اور سر محمد اقبال صاحب نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اس لیے نئے عہدہ داران کا انتخاب نہ ہو سکا۔ البتہ کام جاری رکھنے کے لیے عبوری انتظام کرایا گیا۔ اور بدستور سابق کام ہوتا رہا اور اس عرصہ میں بھی اہالیان کشمیر کی گراں قدر امداد کی گئی۔

مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس

سال کے آخر پر کشمیر میں میر پور کے مقام پر مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی کامیابی دلیل تھی اس بات کی کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اندرون ریاست

باشندگان کی جو تنظیم کی تھی وہ کامیابی کے ساتھ ترقی کر رہی تھی۔اس اجلاس میں نہایت اہم امور کے متعلق فیصلے ہوئے۔

آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن

سر محمد اقبال صاحب نے کمیٹی کی صدارت قبول نہ کی اس لیے اصل آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جواب بھی فعال جماعت تھی اپنے اجلاس ۲۵/ مارچ ۳۴ء میں یہ فیصلہ کیا کہ غلط فہمی سے بچنے کے لیے کمیٹی کا نام آئندہ ''آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن'' رکھا جائے چنانچہ اسی نام سے یہ ایسوسی ایشن ۳۷ء کے آخر تک کام کرتی رہی۔ دوسری طرف سر محمد اقبال والی کمیٹی بہت مختصر مدت کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ کشمیر ایسوسی ایشن کے صدر سید حبیب (مدیر و مالک روزنامہ سیاست) اور سیکرٹری مشہور کشمیری مورّخ منشی محمد الدین فوقؔ مقرر ہوئے پھر ایک عرصہ تک چودھری عبدالرشید تبسم۔ایم۔اے نے بھی سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ایسوسی ایشن کی درخواست پر تمام مالی بوجھ وکلاء اور کارکنان کا مہیا کرنا حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنے ذمہ لینا منظور کر لیا۔

آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن کی نمائندہ حیثیت کا پتہ اس کے اراکین کی فہرست سے بخوبی چل جاتا ہے۔جس میں علاوہ دیگر اکابرین کے مرکزی اسمبلی کے قریباً سب منتخب مسلم نمائندے اور مؤقر مسلم جرائد کے ایڈیٹر و مالک شامل تھے۔

کشمیر ایسوسی ایشن کی چند مساعی

کشمیر ایسوسی ایشن کے ماتحت کام پہلے کی طرح جاری رہا۔ جو لیڈر گرفتار کر لیے گئے تھے۔ان کی رہائی کے لیے ہر طریق سے کوشش کی گئی۔

پارلیمنٹ میں سوال کروائے گئے۔

وزیر ہنداور حکومت ہند پر زور دیا گیا۔

انگلستان میں مولانا عبدالرحیم دردؔ اور ہندوستان میں چودھری محمد ظفراللہ خاں۔ڈاکٹر مفتی محمد صادق۔اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ نے خوب کام کیا۔ ریاست کو بار بار توجہ دلائی گئی۔

اخبارات میں مضامین شائع کیے گئے۔ بالآخر کشمیریوں کا وہ محسن جو ۱۹۰۹ء سے ان کی آزادی کے لیے کوشاں تھا۔ایک دفعہ پھر اسیروں کی رستگاری کا موجب بنا اور قیدی رہا کر دیئے گئے۔

چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب

جو مقدمات ریاست میں چل رہے تھے۔ ان کی پیروی کے لیے وکلاء بھجوائے۔ جنھوں نے بلا معاوضہ کام کیا۔ بلکہ بعض مواقع پر کورٹ فیس تک اپنی جیب سے خرید کر لگائے۔ اس سلسلہ میں چودھری محمد ظفراللہ خاں، شیخ بشیر احمد اور چودھری اسداللہ خاں بیرسٹر ایسے قابل وکیل بھی کشمیر بھجوائے گئے۔

اخبار اصلاح کا اجراء

۳۴ء کے وسط میں ایک سہ روزہ جریدہ ''اصلاح'' جاری کیا گیا۔جس کے اغراض ومقاصد یہ تھے:

- مسلمانان کشمیر کی مذہبی۔اخلاقی۔تمدنی۔اور سیاسی راہنمائی اور بیداری
- مسلمانوں میں تعلیم وصنعت کی اشاعت وترویج
- مسلم حقوق کی حفاظت
- قانون شکن تحریکات کا مقابلہ

۞ اتفاق واتحاد اور تنظیم

۞ بدرسومات کی اصلاح

۞ حکومت اور عوام کو مخلصانہ مشورے اور راہنمائی

یہ اخبار ۴۷ء تک ریاستی مسلمانوں کی خدمت کرتا رہا۔ راقم الحروف کو ۴۵ء میں ایک دفعہ پھر کشمیر کا دورہ کرنا پڑا۔ اس لمبے سفر میں مدیر اصلاح خواجہ عبدالغفار ڈار میرے ہمراہ رہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ میں جہاں بھی گیا لوگوں کے دلوں میں اخبار کے مدیر اعلیٰ چودھری عبدالواحد اور مدیر خواجہ عبدالغفار ڈار اور ان کے اخبار کی بہت قدر ہے۔ یہ دونوں صاحبان ۴۷ء تک (جب کہ مجبوراً اخبار بند ہو گیا) اس کے ساتھ منسلک رہے۔

کشمیر اسمبلی کا قیام

۳۴ء کا ایک اہم واقعہ کشمیر اسمبلی کا قیام ہے چونکہ کشمیر کے بعض لیڈر اور قومی کارکن ابھی تک جیلوں میں تھے اس لیے شیخ عبداللہ صاحب نے اپنی رہائی کے بعد بھی یہ فیصلہ کیا کہ انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مگر وہ کشمیر کے محسن کے مشورہ کو نظر انداز نہ کر سکے۔ جنھوں نے قبل از وقت اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ جو طبع کر کے کشمیر کے ہر حصہ میں ہزاروں کی تعداد میں بھجوایا گیا تھا اور جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا۔

انتخابات کے متعلق صحیح مشورہ

''یہ بھی یاد رہے کہ بعض (لوگ) آئندہ اصلاحات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اہل کشمیر اگر اس فریب میں آ گئے۔ اور آئندہ کونسلوں میں مسٹر عبداللہ کے دشمن اور قومی تحریک کے مخالف ممبر ہو گئے تو سب محنت اکارت جائے گی اور مسٹر عبداللہ اور دوسرے قومی کارکنوں کی سخت ہتک

ہوگی۔ پس اس امر کے لیے آپ لوگ تیار رہیں کہ اگر خدانخواستہ قومی کا رکنوں کو جلدی آزادی نہ ملی اوران کی آزادی سے پہلے انتخابات ہوئے (گو مجھے اُمید نہیں کہ ایسا ہو) تو ان کا فرض ہونا چاہیے۔ کہ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں قومی کام سے ہمدردی رکھنے والوں کو امیدوار کھڑا کردیں۔ اور یہ نہ کریں کہ کانگریس کی نقل میں بائیکاٹ کا سوال اٹھا دیں۔ بائیکاٹ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ آخر کوئی نہ کوئی ممبر تو ہو ہی جائے گا۔ اور قومی خیر خواہوں کی جگہ قومی غدّاروں کو ممبر بننے کا موقعہ دینا ہرگز عقل مندی نہ کہلائے گا......'' (ٹریکٹ ''مسلمانانِ جموں کے نام میرا ساتواں خط'')

دوسرا مشورہ

پھر اپنے ایک دوسرے مکتوب میں جسے کشمیر کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا گیا۔ آپ نے قومی کارکنوں کو اس طرح خبردار کیا:۔

''......اسمبلی بھلی یا بُری جلد بننے والی ہے بعض ساتھی بعض حکام سے مل کر کوشش کررہے ہیں۔ کہ وہ ووٹروں کی فہرست ایسی بنوائیں کہ جس سے ان کی پارٹی کو طاقت حاصل ہوجائے۔ آپ کو چاہیے کہ اس کا تن دہی اور عقل مندی سے مقابلہ کریں اور اپنے ووٹروں کی لسٹ مکمل کروائیں۔ تا کہ اگر اسمبلی پر قبضہ کرنے کی تجویز ہو۔ جو میرے نزدیک ضروری ہے تو آپ ایسا کر سکیں۔ ورنہ اگر کانفرنس نے اسمبلی پر قبضہ کرنے کا فیصلہ بھی کیا تو ووٹروں کی فہرست کے نقائص کی وجہ سے آپ لوگ زیادہ ہو کر بھی کم نظر آئیں گے'' (حقیقتِ حال۔ مطبوعہ خط بنام برادرانِ کشمیر ۳۴ء)

مسلم کانفرنس کی کامیابی

اہل کشمیر نے اس موقعہ پر عقل مندی سے کام کیا۔ان ہدایات پر عمل کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر مسلم کانفرنس نے وادی میں اپنے جس قدر نمائندے کھڑے کئے تھے وہ سب کے سب انتخاب جیت گئے۔۵ر ستمبر کو ان نمائندوں کی کامیابی کا سرکاری طور پر بھی اعلان کر دیا گیا وہ نام یہ تھے:

1- مولوی محمد عبداللہ وکیل

2- خواجہ علی محمد

3- خواجہ احمد اللہ شہداد

4- خواجہ غلام محمد صادق

5- سید حسین شاہ جلالی

شاہی کمیشن کا تقرر

اس سال کا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ جون ۳۴ء میں مہاراجہ کے حکم سے سر گنگا ناتھ چیف جسٹس ریاست جموں وکشمیر کی قیادت میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا۔غرض یہ تھی کہ ریاست کا آئندہ نظام حکومت اس طرز پر ہو کہ تمام مذاہب کے لوگ یکساں حقوق حاصل کر سکیں اور ترقی کر سکیں۔

کشمیریوں کے اس محسن نے اس موقعہ پر بھی ان کی صحیح راہنمائی کی اور وہ کام جو اور کوئی نہ کر سکا انھوں نے کر دکھایا۔ ریاست میں مسلمانوں کو کوئی مذہبی آزادی حاصل نہ تھی۔اگر کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا تو اسے نہ صرف جائیداد سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کے بیوی

بچے بھی اس سے چھین لیے جاتے تھے۔گائے کی قربانی کرنے والے اوراس میں کسی طریق سے حصہ لینے والے کے لیے سات سال قید کی سزا مقرر تھی۔ اس لیے کمیشن کے سامنے مسلمانوں کا کیس پورے زور کے ساتھ پیش کیا جانا ضروری تھا۔

اس غرض سے قادیان سے مشہور فاضل سنسکریت پنڈت مولوی عبداللہ ناصرالدین (مولوی فاضل ۔کاویہ تیرتھ۔ چتر ویدی) کوبھجوایا گیا۔انھوں نے کمیشن کے سامنے کئی روز تک شہادت دی اور وید کے منتروں اور سمرتیوں کے شلوکوں سے یہ ثابت کر دکھایا کہ آریہ ہندوگائے کی قربانی کو باعث ثواب یقین کرتے تھے۔اسی طرح انھوں نے ویدوں سے یہ ثابت کردیا کہ تبدیلیٔ مذہب کی بناء پر نہ کوئی سزادی جاسکتی ہے نہ کسی کو جائداد سے محروم کیا جاسکتا ہے۔مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحب چتر ویدی تھے(انھوں نے چاروں وید پڑھے ہوئے تھے)سارے ہندوستان میں گنتی کے چند ہندو چتر ویدی تھے۔اس لیے ان کی شہادت کورد کرنا آسان نہ تھا۔

اس کے علاوہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی ہدایات کوملحوظ رکھتے ہوئے چودھری عبدالواحد مدیراعلیٰ'اصلاح'،خواجہ غلام نبی گلکار اور خواجہ عبدالرحمٰن ڈار رئیس ناسنور نے بھی مفصل بیانات دیئے۔

ان تمام خدمات کے اعتراف کے طور پر اور آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن پر کلّی اعتماد کے اظہار کی غرض سے ریاست کے ہر حصہ سے شکریہ کی تاریں۔خطوط۔اور ریزولیوشن موصول ہوتے رہے۔نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔

مسلمانانِ پونچھ کا ایک عظیم الشان جلسہ جس میں خواجہ غلام احمد صاحب بٹ جنرل سیکرٹری مسلم لیگ کانفرنس حلقہ پونچھ نے سابق آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمات کوشاندار الفاظ

میں دہراتے ہوئے یہ قرار دادیں پیش کیں جو متفقہ طور پر منظور ہوئیں:

1- ''قرار پایا کہ موجودہ وقت جو کہ پہلے سے بھی نازک صورت اختیار کررہا ہے اور ہمارے جائز اور آئینی مطالبات جو منظور ہو چکے ہیں۔ان کے متعلق تاحال عمل درآمد نہیں ہوا۔اور وہ مطالبات جو سرکاروالا مدار پونچھ کے زیر غور ہیں ۔ان کے حصول کے لیے آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے اسے حق نمائندگی دیا جاتا ہے اور استدعا کی جاتی ہے کہ وہ جائز اور آئینی طریق سے مسلمانانِ پونچھ کی نمائندگی ادا کرکے مسلمانانِ پونچھ کو شکر گزاری کا موقعہ دے۔

2- قرار پایا کہ مسلمانانِ پونچھ کے مطالبات کے حصول کے لیے آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ سرکاروالا مدار پونچھ ،سری حضور مہاراجہ بہادر،حضور وائسرائے ، بہادر تک پوری پوری جدوجہد جاری رکھے اور مسلمانانِ پونچھ کو مزید موقعہ شکر گذاری دے''۔

۳۴ء میں سوپور کے مقام پر کشمیر مسلم کانفرنس کا تیسرا سالانہ اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس اپنی کامیابی کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔میاں احمد یار وکیل مظفر آباد اس کے صدر تھے۔انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا:۔

''......جب تحریک حرّیت کی ابتداء ہوئی ۔ہندوستان کے سربرآوردہ مسلمانوں نے شملہ میں ایک میٹنگ کرکے ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی'' کی بنیاد رکھی ۔اس انجمن نے مالی اور جانی رنگ میں قربانی دے کر ہماری مدد کی ،ہماری تکالیف سے دنیا کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کو آگاہ کیا ۔یورپ اور امریکہ میں پراپیگنڈہ کیا۔تحریک کے حامیوں

،مظلومین اور شہداء کے پس ماندگان کو مدد دی۔اور ہر حالت میں بے لوث اور ہمدردانہ خدمات انجام دیں۔جب تحریکِ کشمیر اور سنجیدہ ہوگئی ۔تو ہندوستان کے ہزار ہا مسلمان جیلوں میں گئے ۔اور جامِ شہادت پیا۔اب آئینی رنگ میں کشمیرایسوسی ایشن ہماری مدد کر رہی ہے۔آل انڈیا کانفرنس نے تحریری رنگ میں مظلومینِ کشمیر کی امداد کی اس لیے یہ سب افراد اور جماعتیں دلی شکریہ کی مستحق ہیں......''

(اصلاح سرینگر ۲۰/نومبر ۱۹۳۴ء)

ہندوؤں کی ایجی ٹیشن

ریاست کے اندر مسلمانوں کی ایک عظیم منظّم و مستحکم جماعت ''مسلم کانفرنس'' کا قیام عمل میں آچکا تھا جس کی شاخیں ریاست کے مختلف حصوں میں قائم ہوچکی تھیں۔کانفرنس کے کئی کامیاب اجلاس منعقد ہوچکے تھے۔الحمدللہ کہ ریاست کے عوام کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا دلی خلوص حوصلہ افزا تغیرات کی صورت میں رنگ لا رہا تھا۔

- ایک حد تک ابتدائی انسانی حقوق ملے
- زمینداروں کے حقوق قائم ہوئے
- مقدس مقامات واگزار ہوئے
- کسی قدر آزادیٔ تقریر وتحریر بھی نصیب ہوئی۔

ناقص صورت میں ہی سہی۔ تاہم جمہور کے نمائندوں کی اسمبلی کا قیام عمل میں آیا اور اب تو مسلمانوں کو ملازمتوں میں بھی ان کا کچھ حصہ ملنے لگا تھا۔

لیکن جب تک مقصد وحید کا ملاً حاصل نہ ہو جاتا نہ جدوجہد ختم ہو سکتی تھی اور نہ مسلمانانِ کشمیر ہی ابھی اس پوزیشن میں تھے کہ بیرونی امداد سے مستغنی ہو سکیں۔ چنانچہ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی دور بین نگاہ نے ان تمام مراحل کو بھانپتے ہوئے ایسوسی ایشن کی خواہش اور درخواست پر ہر نوع کی مالی ذمہ داری بدستور اپنے سر لیے رکھی۔ بلکہ یہ سلسلہ ایسوسی ایشن کے ختم ہو جانے کے بعد اُسی خلوص لگن اور جوش کے ساتھ جاری رہا۔ ریاستی ملازمتوں میں مسلمانوں کے کم از کم حصہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس مظلوم قوم میں اعلیٰ تعلیم کی کمی تھی اور یہ کمی ہوتی بھی کیوں نہ ریاستی ظلم و تعدی نے انہیں شریفانہ گذر اوقات کے بارے میں مطمئن ہونے دیا ہوتا تو وہ اعلیٰ تعلیم کے بارے میں سوچ سکتے مگر ان کے اس محسن کی نگاہ سے اُن کی زندگی کا یہ گوشہ بھی اوجھل نہ رہا۔ فوراً ذہین و مستحق طلبہ کی تعلیمی امداد کا سلسلہ جاری کیا گیا جو خدا کے فضل سے اس ذوق وشوق سے ۴۷ء تک جاری رہا۔ ان تعلیمی و معاشرتی اور اقتصادی خلاؤں کو پُر کرنے کے لیے آپ نے اپنی جماعت میں دوسرے لازمی چندوں کے ساتھ ساتھ 'کشمیر ریلیف فنڈ' کا چندہ بھی جاری کیا جس میں چھوٹے سے چھوٹے احمدی، مزدور، پیشہ ور ملازم اور تاجر سے لے کر بڑے سے بڑے افسر اور ذی استطاعت احمدی نے اپنی مقدور کی انتہا تک حصہ لیا۔ مرکز میں اس فنڈ کا حساب کتاب رکھنے کے لیے باقاعدہ ایک شعبہ قائم تھا۔ جس کے فنانشل سیکرٹری چودھری برکت علی خاں صاحب مرحوم تھے۔ اُن کے وصال کے بعد اس خدمت کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی۔ ذالک فضل الله یوتیہ من یشاء

اس فنڈ کی فراہمی میں جن بزرگوں اور کارکنوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں ۔اورگاؤں گاؤں قریہ قریہ پھر کر مظلومین کی دادرسی کے لیے سرمایہ جمع کیا اُن میں ضعیف العمر میاں احمد دین زرگر مرحوم، واعظِ اسلام بابا حسن محمد (مرحوم) اور راجہ مدد خان (مرحوم) کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی نیک جدوجہد کا بہترین اجر عطا فرمائے ۔ملک محمد اسحاق نے بھی اس دفتر میں کام کیا۔

مسلم کانفرنس کے اجلاس

اکتوبر ۳۵ء میں مسلم کانفرنس کا چوتھا اجلاس چودھری غلام عباس کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس اجلاس کے منتظم اعلیٰ خواجہ غلام نبی گلکار تھے۔سرینگر میں چودھری صاحب کا ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔دریائی جلوس جس کے قائد خود گلکار صاحب تھے پانچ سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔اس کے بعد ۱۴مئی ۱۹۳۷ء میں مسلم کانفرنس کا پانچواں اجتماعی اجلاس پونچھ میں منعقد ہوا۔

میر واعظ احمد اللہ صاحب کی وفات

۳۷ء کے اوائل میں مسلمانانِ کشمیر کو اپنے قابلِ احترام راہنما مولانا احمد اللہ میر واعظ ہمدانی کی وفات حسرت آیات کا روحانی صدمہ جھیلنا پڑا مرحوم ایک بہت بڑی مذہب پسند جمیعت کے راہنما تھے۔مسلمانوں کی تعلیم وترقی کے لیے اپنے سینے میں ایک خاص درد رکھتے تھے۔حنفیہ ہائی سکول (اسلام آباد) اور ''خانقاہی مڈل سکول'' آپ ہی کی مِلّی تڑپ کی یادگاریں ہیں مرحوم حنفی المذہب اور اپنے عقائد میں بے حد پختہ مسلمان تھے۔بڑے وسیع القلب اور ہر نوع کے تعصب سے پاک دل ودماغ کے مالک تھے۔ایجی ٹیشن کے آغاز ہی سے اس سے وابستہ ہوئے اور آخری دم تک دلی اور مخلصانہ تعاون سے اُسے سہارا دیتے

رہے۔

آنحضرت ﷺ کے خلاف فقرے

اس سال کے وسط میں مسلمانانِ کشمیر پر ایک اور عقوبت یہ نازل ہوئی کہ سری نگر کے ایک ہندو اخبار ''مارتنڈ'' نے گائے کی تقدیس وعظمت پر مضمون گھسیٹتے ہوئے حضرت سید ولد آدم (ﷺ) کے وجود باجود پر بھی بعض توہین آمیز فقرے چست کر دیئے جس سے ساری ریاست میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی مدیر ''اصلاح'' نے اس کا اولین فرصت میں نوٹس لے کر اس کے خلاف ایک زبردست اور موثر اداریہ سپرد قلم کیا جس سے متاثر ہوکر میر واعظ یوسف شاہ کی قیادت میں چالیس ہزار کے لگ بھگ مسلمانوں نے اجتماعی جلوس نکالا۔ ہندو ریاستی حکومت کا تعصب اس کو دیکھ کر پھر ہڑ بڑا اُٹھا۔ جلوس پر لاٹھی چارج اور فائرنگ کی گئی جس سے پانچسو کے قریب افراد زخمی ہوئے۔ میر واعظ یوسف شاہ کو گرفتار کرلیا گیا اور میر واعظ غلام نبی ہمدان کی زبان بندی کر دی گئی۔

جونہی اس سانحہ کی اطلاع اور تفاصیل محسنِ کشمیر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین صاحب کو پہنچیں آپ نے مجروحین کے لیے بذریعہ تار مالی امداد ارسال کی مدیر ''اصلاح'' اور خواجہ غلام نبی گلکار نے ہر مجروح ومضروب کے پاس جا کر اُس سے امام جماعت احمدیہ کی طرف سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ اس کے بعد آپ نے ممتاز مبلغ اسلام مولانا عبدالرحیم نیرؔ کو (جن کے ذریعہ انگلستان اور افریقہ میں ہزارہا عیسائی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ (مولانا نیّرؔ ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں کے سالانہ جلسوں میں بھی تقریریں کر چکے تھے۔ ظ۔ا)) ریاست کشمیر میں بھجوایا آپ نے ریاست کے وزراء اور حکامِ اعلیٰ سے ملاقاتیں کیں اور ہندو شاستروں کی رُو سے اُن پر گائے کی اصل حیثیت اور مسلمانوں کے دلوں میں حضرت نبی اکرم (ﷺ) کا مقام واحترام

واضح کیا۔آپ کی مخلصانہ تشریح وتبلیغ موثر ثابت ہوئی ۔اور حکام کے رویہ میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگئی ۔چونکہ مسلم کانفرنس کے بعض اکابران دنوں نیشنلزم کی راہوں پر گامزن ہونے کی تیاریوں میں تھے۔شاید اسی لیے انہوں نے اوّل اوّل اس مسئلہ کی اہمیت کو نہ سمجھا۔لیکن بالآخر جمہور مسلمانوں کے جذبات غالب آئے اور وہ بھی احتجاجی قرار دادیں پاس کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اس معاملہ میں اخبار''اصلاح''نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ پے در پے معنی خیز اداریے لکھ کر گائے کی قربانی کا جواز ثابت کیا۔اُن دنوں ریاست کے قانون کی رو سے گائے کی قربانی کرنے والے کے لیے دس سال قید بامشقت کی سزا تھی۔لیکن اس ٹھوس صحافتی وکالت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مقدمہ میں کچھ مسلمان اسی جرم میں ماخوذ تھے۔ہائی کورٹ نے انہیں صرف پندرہ پندرہ دن کی سزا کا حکم سنا کر رہا کردیا۔

اس رہائی نے ہندوؤں کے متعصّبانہ جذبات پر مہمیز کا کام کیا۔مظلوم مسلمانوں کی دیکھا دیکھی وہ بھی میدان مبارزت میں اتر کھڑے ہوئے۔سری نگر اور جموں میں سول نافرمانی شروع ہوئی۔عورتوں نے بھی گئو ماتا کی تقدیس کا علم اُٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔لیکن جس کا کام اُسی کو ساجے۔سیاسی اور مذہبی اجتماعوں کے نتائج وعواقب بھگتنے کے لیے تو آہنی عزم اور سنگین ومستحکم ہمت درکار ہوتی ہے۔جلد ہی تمام مرد و زن معافیاں مانگ کر گھروں کو واپس آگئے اور
یوں گئو ماتا کے نام پر شروع کی ہوئی ایجی ٹیشن اپنی موت آپ مرگئی۔

''اس میں میری ذاتی کمزوری کو بھی دخل تھا۔گذشتہ آٹھ سال کی شدید اور مسلسل سیاسی کشمکش نے جس میں ہر قسم کی جسمانی روحانی مالی پریشانی اور بے اطمینانی شامل تھی۔میری سیاسی کمر ہمت کو اس قدر توڑ دیا تھا کہ میں تن تنہا اس وقت علیحدہ تنظیم کا حامل نہیں ہوسکتا تھا''

(عباس)

مخلصانہ مشورہ

پنڈت پریم ناتھ بزاز کی یہ بات صدفی صد درست معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کے دل میں نیشنلزم کی تخم ریزی جولائی ۳۲ء ہی میں کردی تھی ۔گو اس بیج سے پھوٹنے والا پودا بیرونی دنیا کو ۳۵ء میں اس وقت نظر آیا۔جب دونوں نے مل کر سری نگر سے ''ہمدرد'' کے نام سے ایک ہفت نامہ جاری کیا۔اس کے بعد ان دونوں صاحبوں کی تمام تر توجہ مسلم کانفرنس کے راہنماؤں کو مشرف بہ ''نیشنلزم'' کرنے ہی پر صرف ہونے لگی (دی ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم اِن کشمیر؛ مصنفہ بزاز صفحہ ۱۶۴)۔ اور جب اس کے لیے فضا ایک حد تک سازگار محسوس کی تو ۲۶ / مارچ ۳۸ء کے مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں نہ صرف مسلمانان کشمیر کو ریاست کے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ مل کر ''متحد محاذ'' قائم کرنے کی تلقین کی بلکہ یہاں تک کہا کہ ہماری ہی طرح یہ بھی مظلوم ہیں اور ایک غیر ذمہ دار حکومت کے تختۂ مشق ستم لہٰذا اب ہر ریاستی باشندے کو مسلم

غیر مسلم کے امتیاز سے بلند ہو کر اور فرقہ واریت کو کاملاً ختم کر کے مل کر کام کرنا چاہیے۔ اپنی اسی تقریر میں سب سے پہلی دفعہ شیخ صاحب نے ہر بالغ کے لیے حق رائے دہی اور مخلوط انتخابات کا مطالبہ کیا۔

سالانہ کانفرنس کے ٹھیک تین ماہ بعد ۲۸ر جون ۳۸ء کو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا اس اجلاس کا مقصد (جو پانچ دن تک جاری رہا) مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ سے نیشنل کانفرنس میں شمولیت پر صاد کروانا تھا۔ یہ اجلاس پانچ دن تک جاری رہا اور اس میں موافق ومخالف خوب خوب ہی بحث ہوئی۔ مسلم کانفرنس کے قائم رکھنے کے حق میں راہنماؤں کا کہنا یہ تھا کہ یہ کانفرنس معناً آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی کنیز ہوگی۔ ہندوستان میں کانگرس مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہے۔ وہ ہرگز ہم سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

بُت رام ہو گئے

اوّل اوّل اس کی چودھری غلام عباس۔ مرزا افضل بیگ اور بخشی غلام محمد نے بھی مخالف کی۔ لیکن جب ان سے یہ کہا گیا کہ کشمیر نیشنل کانفرنس نہ آل انڈیا مسلم لیگ سے الحاق کرے گی نہ آل انڈیا کانگرس سے نہ وہ ان میں سے یا کسی اور بیرونی سیاسی جماعت کے تابع ہوگی۔ تو یہ تینوں بُت بھی رام ہو گئے۔ اور ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس نے کثرت رائے سے یہ قرارداد منظور کی:۔

''چونکہ مجلس عاملہ کی رائے میں وہ وقت آ گیا ہے کہ ملک کی تمام ترقی پسند جماعتیں ذمہ دارانہ حکومت کے حصول کے لیے ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر جدوجہد کریں۔ مجلس عاملہ۔

مجلس عامہ کو یہ سفارش کرتی ہے کہ آئندہ ہونے والے سالانہ اجلاس میں کانفرنس کا نام اور اس نظام کے دستور اساسی کو اس طرح تبدیل اور ترمیم کر دیا جائے کہ تمام وہ لوگ جو اس سیاسی جدوجہد میں شامل ہونے کی خواہش رکھتے ہوں۔ وہ آسانی سے اس کانفرنس کے ممبر بن سکیں قطع نظر اس کے وہ کس ذات فرقہ اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں......'' (دی ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم اِن کشمیر؛ مصنفہ بزاز صفحہ ۱۶۹)

اصلاح کی مساعی جمیلہ

اخبار ''اصلاح'' کو مسلمانان کشمیر کے راہنماؤں کا اپنے پاؤں پر آپ تیر چلانے کا یہ کھیل پسند نہ آیا تو اس نے ان کے نئے موقف کے خلاف ایک سلسلہ مضامین شائع کیا جس کا موضوع تھا

''سرکاری ملازمتیں اور غلط کار قوم پرست مسلمان''۔ اور مفہوم تھا

''قوم پرستی کی غلط تعبیر اور غلط کار قوم پرست مسلمانوں کا مسلم ملازموں کے خلاف ناروا پراپیگنڈا......''

اس مدلّل مضمون میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا تھا کہ نیشنلزم کی تحریک ریاست کے مسلمانوں کے لیے موجودہ حالات میں نہ صرف خطرناک بلکہ نقصان دہ بھی ہے۔

صاحبزادہ مرزا بشیرالدین صاحب جن کے دل میں درد مسلمانان کشمیر کے لیے دور رس اور پائدار مفادات پر مبنی تھی۔ اور جو ہر دشوار مرحلہ پر برابر ان مظلوموں کی دلجوئی۔ امداد اور راہبری کرتے آئے تھے۔ انھوں نے اس مرحلہ پر بھی اس نقصان رساں تغیر کا تماشا محض تماشائی کی طرح ہی کرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک مفصل خط اہالئی کشمیر کے نام لکھ کر ارسال کیا جو

حسب سابق ہزاروں کی تعداد میں ریاست کے گوشہ گوشہ تک پہنچایا گیا۔ یہ خط چونکہ اپنی افادیت کے لحاظ سے ان تمام نیک خواہشات کا ترجمان بھی ہے جو آپ کے دل میں ریاستی مسلمانوں کے لیے تھیں۔اور تاریخ حریت کشمیر کا ایک نایاب ورق بھی۔اس لیے میں اس کا بڑا حصہ من وعن یہاں درج کرنا مناسب خیال کرتا ہوں:

''میں نے جو کچھ اسلام سے سیکھا ہے۔وہ یہ ہے کہ ہمارا ہر ایک سمجھوتہ سچائی پر مبنی ہونا چاہیے۔یہ نہیں کہ ہم ظاہر میں کچھ کہیں اور باطن میں کچھ ارادہ کریں۔ایسے ارادوں میں جن میں سچائی پر بنا نہیں ہوتی۔کبھی حقیقی کامیابی نہیں ہوتی۔اور کم سے کم یہ نقص ضرور ہوتا ہے کہ آنے والی نسلیں خود اپنے باپ دادوں کو گالیاں دیتی ہیں۔اور وہ تاریخ میں عزت کے ساتھ یاد نہیں کئے جاتے۔پس میرے نزدیک کسی سمجھوتہ سے پہلے ایسے سب امور کا جو اختلافی ہوں مناسب تصفیہ ہونا چاہیے۔تاکہ بعد میں غلط فہمی اور غلط فہمی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔

''اس اصل کے ماتحت جب میں نے اس تحریک کا مطالعہ کیا تو مجھے اخباری بیانات سے کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ آیا مسلم وغیر مسلم کے سیاسی سمجھوتے کی مشکلات کو پوری طرح سمجھ لیا گیا ہے۔یا نہیں۔اور مسلم وغیر مسلم کے حقوق کے متعلق جو شکایات ہیں ان کو دور کرنے کی تدابیر کرلی گئی ہیں یا نہیں

''یہ ایک حقیقت ہے کہ قوموں کی جدوجہد دو غرضوں میں سے ایک کے لیے ہوتی ہے۔یا تو اس لیے کہ اس قوم نے کوئی پیغام دنیا تک پہنچانا ہوتا ہے۔اس صورت میں وہ عواقب ونتائج کو نہیں دیکھا کرتی

۔نقصان ہو یا فائدہ وہ اپنا کام کیے جاتی ہے جیسے اسلام کے نزول کے وقت غریب اور امیر سب نے قربانی کی اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ کسے نقصان ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے کیونکہ مادی نتیجہ مدِنظر نہ تھا۔ بلکہ پیغام الٰہی کو دنیا تک پہنچانا مدِنظر تھا اس پیغام کے پہنچ جانے سے ان کا مقصد حاصل ہو جاتا ۔خواہ دنیا میں انہیں کچھ بھی نہ ملتا۔اور اس پیغام کے پہنچانے میں ناکامی کی صورت میں ان کو کوئی خوشی نہ تھی ۔خواہ ساری دنیا کی حکومت ان کو مل جاتی ۔یا پھر قومی جدوجہد اس لیے ہوتی ہے کہ کوئی قوم بعض دنیوی تکلیفوں کو دور کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہر قدم پر یہ دیکھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ جن تکالیف کو دور کرنے کے لیے میں کھڑی ہوئی ہوں وہ اس جدوجہد سے دور ہو سکتی ہیں یا نہیں ۔اس کی ہر ایک قربانی ایک مادی فائدہ کے لیے ہوتی ہے۔اور وہ اس مادی فائدہ کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔تمام سیاسی تحریکیں اس دوسری قسم کی جدوجہد سے تعلق رکھتی ہے۔اور مادی فوائد کو ان میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔جب یہ امر ظاہر ہو گیا تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ کشمیر کی تحریک کوئی مذہبی تحریک ہے یا سیاسی ۔اگر سیاسی ہے تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ وہ کونسے فوائد ہیں جن کے لیے اہلِ کشمیر کوشاں ہیں اور خصوصاً مسلمان؟

''اس سوال کا جواب میں سمجھتا ہوں کہ ہر کشمیری یہ دے گا۔کہ اس کی جدوجہد صرف اس لیے ہے کہ اس کی بآرام اور خوش زندگی کا سامانِ کشمیر میں نہیں ۔نہ اس کی تعلیم کا اچھا انتظام ہے نہ اس کی زمینوں کی ترقی کے لیے کوشش کی جاتی ہے۔نہ اسے حریت ضمیر حاصل ہے۔نہ اس کی اس

آبادی کے اچھے گذارہ کے لیے کوئی صورت ہے جس کا گذارہ زمین پر نہیں بلکہ مزدوری اور صنعت وحرفت پر ہے۔اور نہ اس کی تجارتوں اور کارخانوں کی ترقی کے لیے ضرورت کے مطابق جدوجہد ہو رہی ہے۔نہ اسے اپنے حق کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جا رہا ہے۔اور ان لوگوں میں سے جن کے ذریعہ سے حکومت تاجروں ٹھیکہ داروں وغیرہما کو نفع پہنچایا کرتی ہے اور نہ مجالس قانون ساز ہی میں ان کی آواز کو سنا جاتا ہے یہ مطالبات مسلمانانِ ریاست کشمیر وجموں کے ہیں۔اور یہی مطالبات قریباً ہر افتادہ قوم کے ہوتے ہیں۔

''یہ امر ظاہر ہے کہ وہی سکیم مسلمانانِ کشمیر کے لیے ہوسکتی ہے۔جو اوپر کی اغراض کو پورا کردے۔اور دوسری کوئی سکیم انہیں نفع نہیں دے سکتی۔پس میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نیا اتحاد جو مسلمانوں کے ایک طبقہ کا بعض دوسری اقوام سے ہوا ہے کیا اس غرض کو پورا کرسکتا ہے؟

''ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں اور مجالس آئینی میں تناسب کے لحاظ سے حصہ نہ ملنے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان ملازمتوں پر سوائے چند ایک بڑے افسروں کے ریاست ہی کے باشندے قابض ہیں۔جو غیر مسلم اقوام سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی حال ٹھیکوں کا ہے۔وہ بھی اکثر مقامات پر غیر مسلم اصحاب کے ہاتھوں میں ہے۔اس طرح مجالس آئینی میں بھی مسلمانوں کا حق زیادہ تر ریاست کشمیر کے غیر مسلم

باشندوں کے ہاتھ ہی میں ہے۔ان حالات میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان اقوام نے اپنا حاصل کردہ منافع مسلمانوں کے حق میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا ہے اگر نہیں تو یہ سمجھوتہ کس کام آئے گا۔اگر اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے ہاتھ سے اختیار نکل کر رعایا کے پاس اس صورت میں آجاتے ہیں کہ نہایت قلیل اقلیت نے نصف یا نصف کے قریب نمائندگی پر قابض رہنا ہے اور اسی طرح ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں بھی اُسے یہی حصہ ملنا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پندرہ فی صد باشندے پچاس فی صدی آمد پر قابض رہیں۔اور پچاسی فی صد باشندے بھی پچاس فی صد آمد پر قابض رہیں۔گویا ایک جماعت کے ہر فرد پر ۱/۳ ۳ فی صد آمد وخرچ ہو اور دوسری قوم کے ہر فرد پر ۱۷/۱۶ فی صد آمد وخرچ ہو۔یا دوسرے لفظوں میں ہمیشہ کے لیے چھ مسلمان اتنا حصہ لیں جتنا ایک غیر مسلم حصہ لے۔یہ تقسیم تو بالبداہت باطل ہے۔

''اگر سمجھوتہ اس اصول پر نہیں بلکہ اس اصول پر ہے کہ ہر قوم اپنے افراد اور لیاقت کے مطابق حصہ لے خواہ مجالس آئین میں ہو خواہ ملازمتوں میں۔خواہ ٹھیکہ وغیرہ میں گو اقلیت کو اس کے حق سے استمالت قلب کے لیے کچھ زیادہ دیا جائے اور اس کے ساتھ یہ شرطیں ہوں کہ اقلیت کے مذہب اس کی تہذیب اور تمدن کی ہمیشہ حفاظت کی جائے گی۔تو یہ ایک جائز اور درست اور منصفانہ معاہدہ ہوگا۔مگر جہاں تک میں نے اخبارات سے پڑھا ہے ایسا کوئی معاہدہ مسلمانانِ کشمیر اور دیگر اقوام میں

نہیں ہوا ۔ اور نہ میں سمجھ سکا ہوں کہ موجودہ حالات میں وہ اقوام جو ملازمتوں اور ٹھیکوں اور دوسرے حقوق پر قابض ہیں ۔وہ اس آسانی سے اپنے حاصل کردہ فوائد مسلمانوں کو واپس دینے کے لیے تیار ہوجائیں گی ۔اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو لازماً یہ اتحاد بعد میں جا کر فسادات کے بڑھ جانے کا موجب ہوگا۔اگر کوئی کامیابی ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا تو غیر مسلم اقوام کہیں گی کہ جدوجہد تو صرف اختیارات پبلک کے ہاتھ میں لانے کے لیے تھی ۔سو وہ آ گئے ہیں کسی قوم کو خاص حق دینے کے متعلق تو تھی ہی نہیں ہم بھی کشمیری تم بھی کشمیری۔ملازمت ہمارے پاس رہی تو کیا تمہارے پاس رہی تو کیا۔جو لوگ عہدوں پر ہیں وہ زیادہ لائق ہیں ۔اس لیے قوم کا کوئی سوال نہیں اٹھانا چاہیے کہ اس میں ملک کا نقصان ہے ۔اور اگر مسلمانوں کا زور چل گیا اور انہوں نے مسلمانوں کو ملازمتوں ٹھیکوں وغیرہ میں زیادہ حصہ دینا شروع کیا تو دوسری اقوام کو رنج ہوگا اور وہ کہیں گی کہ پہلے ہم سے قربانی کروائی اب ہمیں نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ اور ایک دوسرے پر بدظنی اور بدگمانی شروع ہوجائے گی ۔اور فتنہ بڑھے گا ۔گھٹے گا نہیں اور اب تو صرف چند وزراء سے مقابلہ ہے پھر چند وزراء سے نہیں بلکہ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل اقوام سے مقابلہ ہوگا۔کیونکہ حقوق مل جانے کی صورت میں اس قوم کا زور ہوگا جو اس وقت ملازمتوں وغیرہ پر قائم ہے خواہ وہ تھوڑی ہو۔اور وہ قوم دستِ نگر ہوگی ۔جو ملازمتوں میں کم حصہ رکھتی ہے۔خواہ وہ زیادہ ہو ۔اور یہ ظاہر ہے کہ چند وزراء کو قائل کر لینا آسان ہے مگر ایسی جماعت کو قائل کرنا مشکل ہے جس کی پشت پر لاکھوں

اور آدمی موجود ہوں کیونکہ گو وہ قلیل التعداد ہو حکومت اور جتھا مل کر اسے کثیر التعداد لوگوں پر غلبہ دے دیتا ہے اور سیاسی ماہروں کا قول ہے کہ مقیّد بادشاہ کی حکومت ایسی خطرناک ہوتی ہے نہ غیر ملکی قوم کی۔ جس قدر خطرناک کہ وہ حکومت ہوتی ہے جس میں قلیل التعداد لیکن متحد قوم اکثریت پر حکمرانی کر رہی ہو۔ کیونکہ اس کا نقصان ملک کے اکثر حصہ کو پہنچتا ہے لیکن اس کا ازالہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی تاریخ کو دیکھ لو کہ ایسی حکومتیں ہمیشہ برباد ہی رہی ہیں اور انہوں نے اکثریت کو بالکل تباہ کر دیا ہے ہندوستان میں ہی اچھوت اقوام کو دیکھ لو ایک زبردست اکثریت سے اب وہ اقلیت میں بدل گئی ہیں۔ اور ان کے حالات جس قدر خراب ہیں وہ بھی ظاہر ہیں

۔

’’پس میرے نزدیک بغیر ایک ایسے فیصلہ کے جسے پبلک پر ظاہر کر دیا جائے ایسا سمجھوتہ مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ نفع یا نقصان تو پبلک کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے غیر مسلم لیڈر مسلمانوں کو بعض حق دینے کے لیے تیار ہو جائیں لیکن اگر ان کی قومیں تسلیم نہ کریں پھر ایسے سمجھوتہ سے کیا فائدہ؟ یا مسلمان لیڈر بعض حق چھوڑنے کا اقرار کر لیں۔ لیکن مسلمان پبلک اس کے لیے تیار نہ ہو۔ اور ملک کی قربانیاں رائیگاں جائیں اور فساد اور بھی بڑھ جائے۔

’’جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ کوئی سمجھوتہ مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہوسکتا جب تک وہ لاکھوں مسلمانوں کی بدحالی اور بے کاری کا علاج تجویز نہ کرتا ہو۔ یعنی ان کی تعداد کے قریب قریب انہیں ملازمتوں

اور ٹھیکوں وغیرہ میں حق نہ دلاتا ہو۔ جو سمجھوتہ اس امر کو مدنظر نہیں رکھتا وہ نہ کامیاب ہوسکتا ہے اور نہ امن پیدا کرسکتا ہے۔ عوام لیڈروں کے لیے قربانی کرنے میں بے شک دلیر ہوتے ہیں لیکن جب ساری جنگ پیٹ کے لیے ہو اور پیٹ پھر بھی خالی کا خالی رہے تو عوام الناس زیادہ دیر تک صبر نہیں کرسکتے۔ اور ان کے دلوں میں لیڈروں کے خلاف جذبہ نفرت پیدا ہوجاتا ہے اور ایسے فتنہ کا سدِ باب کردینا شروع میں ہی مفید ہوتا ہے۔

''یہ میرا مختصر مشورہ مسلمانانِ کشمیر کو ہے وہ اپنے مصالح کو خوب سمجھتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ میں تو اب کشمیر کمیٹی کا پریذیڈنٹ نہیں ہوں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آیا کشمیر کمیٹی کی رائے اس معاملہ میں کیا ہوگی۔ لیکن سابق تعلقات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مشورہ دینا مناسب سمجھا۔

''عقلمند وہی ہے جو پہلے سے انجام دیکھ لے۔ میرے سامنے سمجھوتہ نہیں نہ صحیح معلوم ہے کہ کن حالات میں اور کن سے وہ سمجھوتہ کیا گیا ہے میں تو اخبارات میں شائع شدہ حالات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اس طرح کا سمجھوتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ہوا ہے۔ اور اس کے مطابق اب دونوں قومیں مشترکہ قربانی پر تیار ہو رہی ہیں۔ پس میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ قربانی ایک مقدس شے ہے اور بہت بڑی ذمہ داریاں اپنے ساتھ رکھتی ہے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ وہ کس امر کے لیے قربانی کرنے لگے ہیں اور یہ کہ وہ اس امر کو نباہنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں اور کہیں ایسا تو نہیں کہ موجودہ سمجھوتہ بجائے پریشانیوں کو کم کرنے کے نئی پریشانیوں کو پیدا کردے۔ انگریزی کی ایک مثل ہے کہ ''کڑاہی سے نکل کر آگ میں گرا''۔ سو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کڑاہی سے نکل آئیں گے یا یہ کہ بعض کڑائی سے نکل کر باہر آجائیں گے اور بعض آگ میں گر کر بھونے

جائیں گے......'' (ٹریکٹ ''کشمیرایجی ٹیشن ۳۸ءکےمتعلق چندخیالات)

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

لیکن کشمیری لیڈروں کے سروں پر نیشنلزم کا ایسا بھوت سوار تھا کہ اُس وقت انھوں نے اپنے دیرینہ محسن کے اس مخلصانہ مشورہ پر کوئی کان نہ دھرا۔جن چند ارکان نے اس مشورہ کی اہمیت کو سمجھا ان کی آواز اس قدر کمزور تھی کہ وہ دوسروں کو ہم نوا بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے نتیجۃً ورکنگ کمیٹی کا یہ ریزولیوشن مسلم کانفرنس کے اجلاس عام منعقدہ ۱۰؍جون ۳۹ء میں توثیق کے لیے پیش کر دیا گیا جو منظور ہو گیا۔اور ''مسلم کانفرنس'' ۱۰؍جون ۳۹ءکو ''کشمیر نیشنل کانفرنس ''میں ضم ہوگئی۔اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۱۰؍جون ۳۹ءکو رات ۱۰ بج کر ۲۷ منٹ پر مولوی محمد سعید نے ''مسلم کانفرنس'' کی بجائے ''نیشنل کانفرنس'' بنائے جانے کی قرارداد اجلاس عام میں پیش کی۔قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

''کانفرنس کا یہ اجلاس خاص اس کانفرنس کے نام اور آئین میں تبدیلیاں اور ترمیمات کرنے کی نسبت کانفرنس کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۸؍جون ۱۹۳۸ء کی قرار داد نمبر ۵ کی تصدیق وتوثیق کردہ مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۷؍اپریل ۱۹۳۹ءکو منظور کرتا اور قرار دیتا ہے کہ اس کانفرنس کا آئندہ کے لیے نام ''آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس'' ہوگا۔اور ریاست کشمیر وجموں کا ہر بالغ (انسان) مرد ہو یا عورت بلا تمیز مذہب وملت ورنگ ونسل اس کانفرنس کا ممبر بن سکے گا۔بشرطیکہ وہ حقوق شخصی آزادی کے حصول اور قیام ذمہ دار نظام حکومت اپنا نصب العین سمجھنے کا اعلان واقرار تحریری طور پر کرے۔نیز یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ آئندہ سالانہ اجلاس تک موجودہ مجلس مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے ارکان اور عہدیدار اور اجلاس ہذا کے مندوبین اور

ماتحت مجالس ہائے کانفرنس کے ارکان جدید دستور اساسی کی شرائط کے اقتضا کو پورا کرنے کے بغیر ہی آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کے رکن متصور ہوں گے ۔اور اسی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیں گے۔‘‘(اصلاح سری نگر ۱۶ر جون ۱۹۳۹ء)

شومیٔ فراست کہ بعض مسلم راہنماؤں نے جو شروع ہی سے دماغ کی بجائے جذبات کے تابع ہوکر کام کرنے کے مریض تھے اپنے اس نئے معاہدہ کی تائید میں معاہدہ مدینہ اور صلح حدیبیہ کو بطور نظیر پیش کرنے میں بھی کوئی قباحت یا تذبذب محسوس نہ کیا۔چودھری غلام عباس نے بھی ایک لمبی چوڑی تقریر فرمادی ذرا اُس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ۔چودھری صاحب نے فرمایا:۔

’’آج ہماری ضروریات بڑھ رہی ہیں۔اوراب غیر ذمہ دار نظام حکومت کے ختم کرنے کے لیے سب فرقوں کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر جدوجہد کرنا ضروری ہے ۔جہاں مسلمان مظلوم ہے وہاں ہندو بھی مظلوم ہے ۔ہاں کچھ گورنمنٹ پرست اور ملازمتوں پر ہیں ۔جو تعاون کے لیے تیار نہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ساتھ ہندو مظلومین کی مصائب کا خاتمہ بھی کریں۔ زمانہ کے ساتھ حالات وخیالات بدلتے رہتے ہیں۔آٹھ سال قبل جو ہم نے سیاسی قباء پہنی تھی وہ صرف پرانی ہی نہیں ہوگئی بلکہ پھٹ کر تار تار بھی ہوچکی ہے۔اب ہم ایسا جامہ پہنیں گے جو ہمارے لیے باعثِ فخر ہو اور دنیا کے لیے بھی باعثِ فخر ہو‘‘۔(اصلاح سری نگر ۱۶ر جون ۱۹۳۹ء)

گاندھی جی کی عظمت کا اقرار

پھر فرمایا:۔

''ہمارا کہنہ نظام نئے نظام میں تبدیل ہو رہا ہے۔لازمی طور پر ایسے حالات میں خلجان پیدا ہوتا ہے اور بعض غلط فہمیاں بھی پید ہو جاتی ہیں''۔(اصلاح سری نگر ۱۶/جون ۱۹۳۹ء)

اس کے بعد وہ غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جوان کے خیال میں ان دنوں پھیلی ہوئی تھیں یہ بھی فرمایا:۔

''گاندھی جی ہندوستان کے واحد مسلمہ لیڈر و راہنما ہیں''(اصلاح سری نگر ۱۶/جون ۱۹۳۹ء)

اس موقعہ پر چودھری حمید اللہ خاں مرحوم نے اس قرارداد کی مخالفت میں جو تقریر کی تصویر کا دوسرا رخ منظر عام پر لانے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے بھی یہاں درج کر دیا جائے ۔ چودھری حمید اللہ مرحوم نے فرمایا کہ:۔

چودھری حمید اللہ خاں کی تقریر

''آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے دستور اساسی میں یہ تحریر ہے کہ اس کانفرنس کے اہم مقاصد اتحاد بین المسلمین ۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ ۔اوران کی مذہبی ،تمدنی ،اخلاقی ،معاشرتی ترقی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ریزولیوشن کے پاس ہو جانے سے مسلمانوں کی مذہبی معاشرتی اور تمدنی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔اور کیا مسلمانوں کی تمام قسم کی بدحالی دور ہو گئی ہے۔اگر نیشنل کانفرنس بنادی گئی تو صرف حصول ذمہ دار نظامِ حکومت کی طرف ہی زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے گی اور مسلمان علیٰ حالہٖ بدستور پسماندہ رہیں گے۔دوسری اقوام سے معاہدات

کرنے سے انکار نہیں لیکن رسول اللہ (ﷺ) نے کبھی ایسا معاہدہ نہیں کیا جس میں اپنا نام مٹا دیا ہو۔ اسی نام کو قائم رکھ کر غیر مسلموں سے سمجھوتہ ہوسکتا ہے اور ہم ہر طرح غیر مسلموں کے حقوق اور عزت کی حفاظت کریں گے۔ کسی مجلس کو نام کی تبدیلی کا حق نہیں ہوسکتا۔ نئے نام کے لیے نئی باڈی قائم ہوسکتی ہے۔ مسلمان نہیں ڈرتے بلکہ مولوی سعید صاحب ان کے خیالات والے اسی نوے فیصدی ہوتے ہوئے بھی ڈر رہے ہیں۔ کہ وہ دوسروں کو ملائے بغیر کامیابی حاصل نہیں کر سکتے حالانکہ ان بیس فیصدی غیر مسلموں سے ایک فیصدی بھی ان کے ساتھ نہیں ملیں گے۔ پھر بھی ان کو آپ ہی لڑنا ہوگا۔ تو کیوں نہ ہو کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ خود ہی قربانیاں دیں۔ اگر آپ اپنی قوت کے متعلق گھبراہٹ محسوس نہ کریں۔ تو آپ کیوں ذمہ دار نظام حکومت حاصل نہ کر سکیں۔ خانقاہ معلّٰی تک جانے کے لیے سعید صاحب نے جو راستے بتلائے ہیں ان میں سے ایک راستہ تیر کر جانے کا بھی ہے۔ لیکن اس کے لیے دلیری چاہیے (ایک آواز۔ ہوائی جہاز بھی تو ہے) اس لیے وہ دلیری اختیار کریں۔

''مسلمانوں کی بہبودی اس وقت تک جو ہوئی وہ مسلم کانفرنس کی رہین منت ہے۔ نیشنل کانفرنس مسلمانوں کے لیے یہ کام نہیں کر سکے گی۔ مسلمانوں کی حالت اس وقت پست ہے اور وہ دوسروں سے زیادہ غیر منظّم ہیں اس لیے مسلم کانفرنس کو نیشنل بنانے سے دوسرے لوگ مسلمانوں کی پستی سے ناجائز فائدے اُٹھاتے رہیں گے۔

کشمیری پنڈتوں کی سیاست صرف ملازمتوں تک محدود ہے
۔اس لیے ان سے اشتراک کی توقع رکھنا فضول ہے۔اور جو ہمارے ساتھ
شامل ہورہے ہیں انہیں قوم کا اعتماد حاصل نہیں۔ان کو گھر کی تمام چیزیں
دے دینا عقلمندی نہیں ہوگی۔

قوت والے اور کمزور کا کوئی ساتھ نہیں۔کمزور لڑکھڑا کر گر جائے گا اور قوت والا فائدہ اُٹھاتا رہے گا۔جموں میں ہندو ساہوکار ہیں اور مسلم زمیندار ہیں۔ان کا اشتراک بھی ناممکن ہے۔راجپوتوں کا خیال ہے کہ وہ حکومت کررہے ہیں اس لیے وہ اشتراک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔اس لیے کوئی دوسری قوم تو ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ رہی تو آپ لوگ کس طرح آگے بڑھ کر اپنی آرگنائزیشن کو ہی تبدیل کررہے ہیں''۔(اصلاح سری نگر ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء)

مولوی رفیع الدین صاحب کی تائیدی تقریر

مولوی رفیع الدین صاحب نے چودھری حمیداللہ صاحب کی تائیداور اصل قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''مسلمان طبعی طور پر مذہب کا دلدادہ ہے۔اس لیے آنحضرت
صلعم کی زندگی کے واقعات اور آیات کی تشریح صاف اور واضح الفاظ میں
پیش کی جائے۔صلح حدیبیہ کے وقت رسول اللہ ﷺ صاف طور پر اپنے
آپ کو اللہ کا رسول اور اللہ کا بندہ تحریر فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان
رکھ کر اور اپنی جماعت کی علیحدگی کو برقرار رکھ کر سمجھوتہ کرتے ہیں۔آنحضور

ﷺ نے جس وقت معاہدہ کیا۔اس وقت آپ کی جماعت خالص اسلامی جماعت تھی۔اب ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان بھی مسلمان جماعت ہوتے ہوئے دوسروں سے سمجھوتہ کریں۔نیشنل کانفرنس تو چند مذاہب کے لوگوں کی انجمن ہوگی۔اس کا قیام کوئی معاہدہ نہیں ہوگا۔بلکہ اس کا اپنا آئین ہوگا۔جسے چلانے کے لیے اس کے کارکن ذمہ دار ہوں گے۔

ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔لیکن وہاں نیشنل کانگرس کے ساتھ ساتھ ہندومہاسبھا قائم ہے۔حالانکہ وہاں کے ہندو بہت ترقی یافتہ اور بیدار ہیں۔پھر ریاست میں بھی ہندوؤں کی سبھائیں ہیں اگر ہماری اپنی کوئی خالص سیاسی جماعت نہیں ہوگی تو ہم ایسے مہمان ہوں گے۔جن کا کوئی گھر نہیں ہوگا۔اور ظاہر ہے کہ ایسے مہمان کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ اگر نیشنل کانفرنس کا قیام ضروری ہے تو اسے نئی بنیادوں پر قائم کیا جائے نہ کہ مسلم کانفرنس کو مٹا کر اگر مسلم کانفرنس کو مٹا کر ایسا کیا

گیا تو مسلمانوں میں تشت وافتراق پیدا ہو جائے گا‘‘۔(اصلاح سری نگر ۱۶ر جون ۱۹۳۹ء)

قرارداد کی تائید میں اللہ رکھا صاحب ساغؔر اور مرزا افضل بیگ نے بھی تقاریر کیں اور مخالفت میں غلام حیدر غوری نے تقریر کی۔جس کے بعد بحث کو ختم کرتے ہوئے صاحبِ صدر شیخ محمد عبداللہ نے ایک لمبی تقریر کی اور رائے شماری پر کثرت رائے سے نہ کہ اتفاق رائے سے قرارداد منظور ہوئی۔رائے شماری کے وقت کئی نمائندگان غیر جانب دار بھی رہے۔یہ اجلاس (یعنی دوسرے روز کا) اڑھائی بجے ختم ہوا۔

پنڈت جیالال کلم کا اعلان

دوسرے روز کے اجلاس میں غیر مسلموں کو بھی شامل کر لیا گیا۔جس میں پنڈت جیالال کلم کی تقریر کا ایک حصہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا۔اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ نیشنل کانفرنس والے مسلم لیگ سے ہرگز کوئی مدد نہیں لیں گے۔(گو اس کے ساتھ ہندومہا سبھا کا نام بھی لے لیا گیا تھا) لیکن کانگرس اور اس کی ہمنوا مسلمان تنظیموں سے مدد لینے کی خواہش کا اظہار صاف لفظوں میں کر دیا گیا تھا۔اور یہ بات اسی روز واضح ہوگئی تھی کہ نیشنل کانفرنس دراصل آل انڈیا کانگرس کمیٹی ہی کی کولونڈی ہوگی۔

پنڈت جیالال کلم نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''ہم باہر کی ہر ایسی انجمن یا سبھا سے مدد لے سکتے ہیں۔جس کی امداد بالکل بے غرض ہو۔البتہ اگر ہم کوئی مدد نہیں لیں گے تو مسلم لیگ یا ہندوسبھا سے کوئی مدد نہیں لیں گے کیونکہ اول الذکر انجمن کہتی ہے کہ مادرِوطن یعنی وطن ہندوستان کے دوٹکڑے کر دو۔اور موخر الذکر انجمن کہتی ہے ہندوستان میں ہندو راج قائم کردو۔ ہاں البتہ احرار اور جمیعت العلماء (دونوں کانگرس کی باندیاں تھیں) اگر ہماری امداد کریں تو ان کی امداد لیں گے......''(اصلاح سری نگر ۲۷؍جون ۱۹۳۹ء)

ادغام کی وجوہ

اس جگہ چودھری غلام عباس صاحب کی کتاب کشمکش کے اس حصہ کے چند اقتباسات بھی درج کرنا ضروری ہیں جس میں انہوں نے نیشنل کانفرنس کے قیام کی شرائط اور اس میں

اپنے اشتراک کے لیے دلائل دیئے ہیں لکھتے ہیں:۔

''باہمی سیاسی گفت وشنید اور اپنی پارٹی سے اندرونی مذاکرات کے بعد یہ بات قرار پائی کہ نیشنل کانفرنس کے قیام کے تصفیہ کے لیے سری نگر میں مسلمانوں کا ایک مخصوص اجلاس طلب کیا جائے۔ چنانچہ نیشنل کانفرنس کے قیام کی مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں۔

1- مسلمانوں کی تمام مخصوص مذہبی ،اقتصادی ،سیاسی اور دفتری شکایات کے لیے جدو جہد کرنا نیشنل کانفرنس کے اغراض ومقاصد میں شامل ہوگا۔

2- اسمبلی اور دیگر اداروں کے انتخابات میں مروّجہ جداگانہ طریقہ انتخاب بحال رہے گا۔

3- شیخ محمد عبداللہ کانگرسی پالیٹکس نہیں اپنائیں گے۔نہ کسی حالت میں کانگرس کی حمایت کی جائے گی۔

4- مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف جہادِ آزادی میں ریاست کی تمام بسنے والی قومیں شریک ہوں گی اور کانفرنس کا منتہائے مقصود ہر طریقہ سے ریاست میں ذمہ دارانہ نظامِ حکومت کا قیام ہوگا۔وغیرہ!

یہ شرائط کھلے اجلاس میں میری جانب سے پیش کی گئیں۔ہماری جانب سے اعلان بھی کیا گیا کہ ہم ہر ایک قسم کے میثاق کے ماتحت نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں''(کشمکش مصنفہ غلام عباس صفحہ۲۱۲)

ب

ان شرائط کے دینے کے بعد چودھری صاحب نے وہ امور لکھے ہیں جو نیشنل کانفرنس کے قیام کے سلسلہ میں اثر انداز ہوئے لیکن دل لگتی بات صرف اور صرف یہ ہے جو چودھری صاحب نے اس کے آخر میں لکھ دی ہے:۔

''اس میں میری ذاتی کمزوری کو بھی دخل تھا۔گذشتہ آٹھ سال کی شدید اور مسلسل سیاسی کشمکش نے جس میں ہر قسم کی جسمانی روحانی مالی پریشانی اور بے اطمینانی شامل تھی۔میری سیاسی کمر ہمت کو اس قدر توڑ دیا تھا کہ میں تن تنہا اس وقت علیحدہ تنظیم کا حامل نہیں ہوسکتا تھا'' (کشمکش مصنفہ غلام عباس صفحہ ۲۱۴)

راقم الحروف اس جگہ یہ کہنے سے نہیں رک سکتا کہ اگر چودھری صاحب ۱۳۱ءاور ۱۳۲ء میں اپنی حالت کی طرف دیکھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اس وقت (اُس وقت کے مقابلہ میں) بہت زیادہ مضبوط ہو چکے تھے۔پھر ان کا وہ محسن جو تحریک کی ابتداء ہی سے ہر قسم کی امداد لے کر پہنچ گیا تھا۔اب بھی ببانگ دہل یہ کہہ رہا تھا۔جلدی نہ کرو۔خطا کھاؤ گے۔اگر ان کی نصیحت پر ان لوگوں نے عمل کیا ہوتا تو وہ ان کو کبھی بے یارومددگار نہ چھوڑتا۔لیکن گیا وقت کب کسی کے ہاتھ آیا ہے جو کشمیری راہنماؤں کے ہاتھ آتا۔

’’مسلم کانفرنس کا وجود تو ایک تسبیح کی مانند تھا جس کے ٹوٹتے ہی اس کے تمام موتی اِدھر اُدھر زمین پر بکھر گئے عوام نے بہت شدت کے ساتھ یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ نیشنل کانفرنس سے ٹھوس توقعات وابستہ کرنا لاحاصل ہے......‘‘

نامراد سجدۂ سہو

بھلا ہو اخبار ’’اصلاح‘‘ کا کہ وہ برابر مسلم کشمیری راہنماؤں کی اس سیاسی لغزش پر بلبلاتا رہا۔ اُس نے پے در پے اداریے لکھ کر اُن کی اس ’’فاش غلطی‘‘ کے سیاق وسباق کا تجزیہ کیا اور یکے بعد دیگرے مندرجہ ذیل عنوانات پر بھرپور مقالے لکھ کر جمہور مسلمانوں کی ہمت وفراست کو جھنجھوڑا۔

1- مسلمانانِ کشمیر کی واحد ملی تنظیم کا خاتمہ

2- کیا موجودہ صلح واتحاد ارشادِ خداوندی اور آنحضرت ﷺ کے نمونے کے مطابق ہے؟

3- کیا صلح کی خاطر آنحضرت ﷺ یا صحابہ نے کبھی اپنی ملّی تنظیم کا خاتمہ کیا؟

4- کیا صلح کے لیے انفرادی تنظیم کا خاتمہ ضروری تھا؟

5- مسلم تنظیم کی ضرورت اور سرکاری ملازمتوں کی اہمیت؟

6-	مذہبی پابندیوں کا سوال اور ہندوؤں کی وسعت قلبی اور

7-	اپنی ناکامی کا اقرار کانفرنسی راہنماؤں کی اپنی زبان سے

اور اپنے سلسلہ مضامین کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہوئے کہا:

''یہ تمام حالات وکوائف اس امر کے حق میں ہیں کہ
مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کا قیام از حد ضروری تھا اور ہے۔ اب سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اگر ہر ایک قوم اپنی اپنی تنظیم علیحدہ قائم رکھے تو اتحاد کس طرح سے ہو......؟''

پھر اس سوال کی تشریح وتوضیح اور کافی وشافی جواب کے لیے یکے بعد دیگرے پانچ معنی خیز مقالے مندرجہ ذیل موضوعات کے تحت سپرد قلم کئے۔

مذہبی رواداری کے قیام کی ضرورت

مذہبی رواداری اور سیاسی مواخات کی اشد ضرورت

سیاسی رواداری کے قیام کے ذرائع

اتحاد شکنوں کو سزا اور مجلس اقوام کی ضرورت

بنی آدم اعضائے یکہ یکہ نہ

احساس کروٹیں لینے لگا

یہ مضامین جُوں جُوں عوام تک پہنچتے گئے ان کے دلوں میں اپنے کئے کرائے پر پانی پھر جانے اور اپنے راہنماؤں کی شدید سیاسی لغزش کا احساس گہرا ہوتا چلا گیا۔ ہر طرف سے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ جو مناسب تدوین کے بعد زیب صفحات ''اصلاح'' ہوتے رہے۔ الغرض لیڈروں نے نیشنلزم کی چکا چوند سے مسحور ہو کر اپنے عوام سے منہ پھیر لیا۔ یہ

جریدہ تن تنہا نہ صرف اپنے مسلک پر قائم رہا۔ بلکہ حق کے لیے شمشیر برہنہ کا کام دیتا رہا۔

مسلم کانفرنس کا وجود تو ایک تسبیح کی مانند تھا۔جس کے ٹوٹتے ہی اس کے تمام موتی زمین پر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔عوام نے بہت شدت کے ساتھ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ نیشنل کانفرنس سے ٹھوس توقعات وابستہ کرنا لا حاصل ہے۔چنانچہ جلد ہی ایک انجمن ''مسلم لیگ'' کے نام سے قائم ہوگئی اور اس کے معاً بعد گوجر قوم نے جو لاکھوں افراد پر مشتمل تھی اپنی علیحدہ تنظیم قائم کر لی۔

ہندوؤں کی پہلی فتح

اسی سال او آخر ستمبر میں جب اسلام آباد میں جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا تو دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔اور کانگرس ہندو قوم کو سارے ہندوستان (بشمول ریاست ہائے) کی حاکمیت حاصل کرنے کے لیے پر تول رہی تھی۔نیشنل کانفرنس نے بھی اس اجلاس میں جو قرار دادیں منظور کیں وہ صد فیصد انڈیا نیشنل کانگرس کی تائید میں تھیں۔یہ دیکھ کر چودھری غلام عباس کسی قدر تلملائے لیکن معاملہ ؎

اب پچتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

والا تھا۔لہٰذا منقار زیر پر رہے۔ بلاشبہ یہ ہندوؤں کی پہلی فتح تھی۔جو انہیں چند ماہ کی داخلی لفظی کوشش سے ہی حاصل ہوگئی تھی۔اور وہ اعلان جو پنڈت جیالال کلم نے جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس بننے کے موقع پر کیا تھا......اس کی ہو بہو عملی تعبیر۔

پنڈت نہرو کا دورہ کشمیر

اجلاس اسلام آباد کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے تقاریر کا ایک طوفانی سلسلہ شروع کیا ۔جس سے ہندوؤں کے مسلک کی گھر بیٹھے بٹھائے تبلیغ ہونے لگی۔ان کے حوصلے اور بلند

ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے بارہ مولہ میں منعقدہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں سرکاری زبان کا مسئلہ پیش کرکے اس کی تائیداور پھر ''دیوناگری رسم

الخط'' کی منظوری حاصل کرلی۔اور یوں کانگرس کے نظریات کی تائید کرائی۔اس اجلاس میں چودھری غلام عباس نے شرکت نہ کی شایداس لیے کہ انہیں اب اپنی سیاسی لغزش اوراپنے اصل مسلک سے ہٹ جانے کا احساس ہو چلا تھا۔۱۹۴۰ء میں شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت نہرو کو کشمیر کا دورہ کرنے کی دعوت دی جس کے لیے ریاست کے متمول ہندوؤں کے علاوہ پنجاب کے ہندو تاجروں نے بھی منہ مانگا سرمایہ پیش کیا۔پنڈت جی نے دس دن تک ریاست میں قیام کیا اور اس کے مختلف حصوں کا دورہ کیا۔جس کے نتیجہ میں ''نیشنل کانفرنس'' مستقل طور پر ''آل انڈیا کانگرس'' کی باندی بن گئی۔

جُوں جوں ریاست میں آل انڈیا کانگرس کا موقف اور ہندوؤں کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا گیا۔جمہور مسلمانوں میں اپنی توقعات کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجانے کا احساس بھی گہرا ہوتا چلا گیا۔چنانچہ اکتوبر ۴۰ء میں اُن کی طرف سے ایک مفصل اعلان اخبارات میں مندرجہ ذیل مفہوم کا شائع ہوا۔

واشگاف اعلان

''مسلم کانفرنس کی طرف سے عنقریب ایک اہم اجلاس طلب کیا جائے گا۔جس میں تمام ہمدردان ملت اور بہی خواہانِ مسلم کانفرنس کو شمولیت کی دعوت دی جائے گی تاکہ وہ ایک جگہ جمع ہوکر کوئی مفید لائحہ عمل مرتب کرسکیں مسلم کانفرنس کی تمام شاخوں کا فرض ہوگا کہ وہ وقت اورتاریخ مقررہ پراپنے نمائندوں کواس میں شامل ہونے کے لیے بھیجیں۔ بلکہ اپنے

حلقہ دیہات، شہر اور علاقہ

کی شکایات اور ضروریات سے بھی ہمیں آگاہ کریں۔ اسلامیانِ ریاست کو چاہیے کہ وہ ''مسلم کانفرنس'' کی حیاتِ تازہ کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں اور اس کے حیات بخش اعلانات کا انتظار کریں'' (اصلاح سری نگر ۱۰ر اکتوبر ۴۰ء)

اس اعلان پر مندرجہ ذیل چودہ سربرآوردہ مسلمان لیڈروں کے دستخط تھے

سردار گوہر رحمٰن

سردار فتح محمد خاں پونچھ (ممبر اسمبلی کشمیر)

مرزا عطاء اللہ خاں راجوری (ممبر اسمبلی کشمیر)

سید مرتضٰی حسن شاہ جلالی سری نگر

قاضی عبدالغنی والی بارہ مولہ (ممبر اسمبلی کشمیر)

منشی محمد دین فوقؔ

محمد یوسف قریشی سری نگر

غلام حیدر خاں غوری ایڈیٹر ''نوجوان'' جموں ایم۔اے ساغر سری نگر

چودھری حمید اللہ خاں جموں (ممبر اسمبلی کشمیر)

پیر ضیاء الدین بڈگام (ممبر اسمبلی کشمیر)

چودھری عبدالکریم میرپور (ممبر اسمبلی کشمیر)

بابو محمد عبداللہ (ممبر کشمیر اسمبلی) اور

سید میرک شاہ سری نگر

مسلمانوں کی حالت زار

اس وقت کی صورتحال سے مسلمانوں کے دلوں میں جو گذر رہی تھی اس کا ایک اچٹتا سا اندازہ چودھری غلام عباس کی اس تحریر سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

''مسلمانوں کا ایک باشعور طبقہ اسلامی تنظیم کے پاش پاش ہو جانے کی وجہ سے تصویر یاس واضطراب بنا ہوا تھا۔عوام بددل تھے لیکن مہاراجہ ہری سنگھ، مسٹر آئین گر اور ریاست کے ہندو بغلیں بجا رہے تھے کہ مسلمانانِ ریاست کی تنظیم اور مرکزیت کا قصرِ عظیم ہمیشہ کے لیے منہدم ہو گیا۔اور ادھر مَیں اور میرے ساتھی شرمسار اور پریشان تھے کہ جس قوم کے لیے اتنی جدوجہد کی اس کا انجام کیا ہو گا۔لیکن قوم کے معاملہ فہم، بالغ نظر اور دور اندیش لوگوں نے قومی خطرے کا نشان بلند کر دیا۔اور عوام نے بھی اپنے مستقبل کی بھیانک تصویر دیکھ کر انگڑایاں لینی شروع کر دیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے طول وعرض ریاست سے وفود۔خطوط اور دیگر ذرائع سے مجھ سے اپنے جمود وتعطل کو توڑنے کے مطالبے اور تقاضے شروع ہو گئے اور دو تین ہفتوں کے اندر اندر ہی نوبت اس حد تک پہنچ گئی کہ مسلم کانفرنس کی ترتیب نو کا کٹھن کام پھر سنبھالنا پڑا۔چند دوستوں سے مشورہ کر کے ۱۹۴۰ء میں ''مسلم کانفرنس'' کے احیاء کا اعلان کر دیا گیا اور صوبہ جموں کے دورے شروع کر دیے۔'' (کشمکش مصنّفہ غلام عباس صفحہ ۲۲۰۔۲۲۱)

مسلم کانفرنس کا احیاء

اس طرح مسلم کانفرنس ایک دفعہ پھر معرضِ وجود میں آ گئی۔لیکن اب اس کی شکل وصورت ایک ایسے پھل کی سی تھی جس کا قشر تو ویسا ہی تھا لیکن اس کا مغز سمٹ اور سُکڑ چکا تھا۔۹رفروری ۴۲ء کو جموں کے مقام پر اس کا جو اجلاس ہوا اس میں شریک ہونے والوں کے دلوں کا اضطراب ان کے چہروں سے صاف پڑھا جا سکتا تھا۔یوں بھی اب مسلم کانفرنس نمائندہ

جماعت نہ رہی تھی کہ مسلمانوں کا ایک معتدبہ حصہ کٹ کر اپنے سیاسی راہنماؤں سمیت نیشنل کانفرنس میں جا شامل ہوا تھا۔ ہندوستان کی ''مسلم لیگ'' کی طرح کشمیر میں اس کا مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا ادّعا متزلزل ہو چکا تھا۔ مسلم لیگ سے تو جو غدار ہندو کانگرس کے اشارہ پر باہر اور مخالف تھے ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔اس لیے ہندوستان میں تو مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی۔لیکن وہ قوم جو اپنے محسن کے بےلَوث مشوروں پر دھیان نہ دے اُس کا اس کے سوا حشر بھی کیا ہو سکتا تھا۔

نا قابلِ فراموش خدمات

تاریخ اس حقیقت پر ہمیشہ خون کے آنسو روئے گی کہ بعض کشمیری لیڈروں نے اسلام دشمنوں کے بہکاوے میں آکر اسیروں کی رستگاری کرنیوالے سے رُوگردانی اختیار کی جو سالوں سے بےغرضی اور بےنفسی کے ساتھ ان کی جانی، مالی، حالی اور قالی خدمت کر رہا تھا ۔پھر یہیں پر بس نہیں ان لوگوں نے اپنی لغزشوں کی پردہ پوشی کے لیے تاریخ حریت کشمیر کے ان حقیقی اوراق کو چھپانے۔پس پردہ ڈالنے بلکہ پھاڑنے تک سے گریز نہ کیا۔ جو اس کے بے لوث اور نا قابلِ فراموش خدمات کے ذکر سے معمور تھے۔لیکن بھلا سیاسی حیلہ سازیوں سے کبھی تاریخی حقائق

کو بھی جھٹلایا جا سکتا ہے۔کشمیر کی جدوجہد کی کوئی تاریخ مرتّب ہو۔کسی جہت سے مرتّب ہو ۔اس کا مؤلف اُسے کتنا ہی رُوگردان ہو کر لکھے۔وہ اپنی اوچھی لفاظی کو بھی اس محسنِ کشمیر کی جدوجہد کا ذکر کئے بغیر کیونکر مکمل قرار دے سکتا ہے۔جس نے حریت کے اس قصر کی پہلی اینٹ رکھی اور پھر اس کی بنیادوں میں اپنے اخلاص اور محبت کا چونا گارا کھپا کر اُسے پروان چڑھایا مگر اہالئی کشمیر کی شومی کہ جب اس قصرِ رفیع الشان کی بنیادیں اُٹھ کھڑی ہوئیں چھت پڑ چکی اور

اس کی محرابوں اور جدولوں پر عقل ودانش سے استحکام کی گلکاریوں کا وقت آیا تو کشمیر کے بعض فرزند شرِ نفس اور سیاسی حرص وآز کے سحر میں آ گئے اور انہوں نے سیاسی مصلحت اندیشی کو چوغہ پہن لیا۔ لیکن فطرت کو ان کی احسان ناشناسی پسند نہ آئی اور وہ بے مثل جدوجہد بابرکت پھل دیئے بغیر ہی ادھوری رہ گئی۔

اللہ تعالیٰ کی ان گنت برکات نازل ہوں اُس بے نفس بزرگ اور مظلومی کشمیر کے اُس محسن پر جس نے اس بے وفائی کے باوجود تقسیم ملک کے بعد بھی
جدوجہد قائم رکھی اور اپنے مقدور کی انتہا تک دامےؔ۔ درمےؔ۔ قدمےؔ۔ سُخنے کشمیری بے خانمانوں کو سہارا دیا۔ کاش عین وقت پر بعض کشمیری راہنما ہندویت کے سیاسی دام میں نہ پھنس جاتے اور اے کاش! اللہ تعالیٰ کا وہ برگزیدہ انسان اپنی آنکھوں سے اُس پودے کو سرسبز لہلہاتے اور میٹھے پھل دیتا ہوا دیکھتا۔ جس کا بیج اس نے اپنے ہاتھوں سے انتہائی اخلاص اور بے نفسی سے بویا تھا۔

خاکسار ظہور احمد ۱۴/اگست ۱۹۶۵ء

کشمیر کی کہانی

(حصہ دوم)

باب اوّل

برّصغیر کی تقسیم کے چند نا قابلِ فراموش پہلو

''اسی اثناء میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی نظر اُس نقشہ پر جا پڑی جو کمرہ کی دیوار کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ چوہدری صاحب اُسے کو نقشہ کی مدد سے اپنی بات ذہن نشین کرانے کے لئے انہیں نقشے کے پاس لے گئے مگر نقشہ کو دیکھتے ہی اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اس نقشہ پر بھی پنسل سے ایک الگ لکیر لگی ہوئی تھی اور یہ لکیر اُس لکیر کے مطابق تھی جو مسٹر جسٹس دین محمد نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے سامنے بیان کی تھی۔ چوہدری صاحب نے اس لائن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اب کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس پر اُسے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کھسیانا ہو کر کہنے لگا نہیں معلوم میرے نقشہ میں یہ گڑبڑ کس نے کی ہے۔''

(تحدیث نعمت صفحہ ۵۱۱ ایڈیشن اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ کشمیر پورے 34 سال سے قابلِ حل چلا آ رہا ہے۔ حکومت برطانیہ نے برّصغیر پاک و ہند کے متعلق یہ اعلان تو کر دیا ہے کہ ہندوستان کو جلد آزادی دے دی جائے گی۔ لیکن شائد اُس کے ذہن میں بھی ابھی کوئی ایسا حل نہیں تھا جو ہندوستان کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کو منظور و قبول ہو۔

وزیرِاعظم اٹیلی تقسیم ہند کے سخت خلاف تھے۔ اور کانگرس اس سلسلہ میں اُن کی ہمنوا تھی۔ لیکن مسلمانانِ برّصغیر کی نمائندہ جماعت ''مسلم لیگ'' ''قیام پاکستان'' کے مطالبہ پر اڑی ہوئی تھی۔

1946ء میں مسٹر اٹیلی نے اپنے تین وزراء کو ہندوستان بھجوایا جنہوں نے آکر دونوں جماعتوں کے سامنے ''گروپنگ سکیم'' پیش کی جسے دونوں جماعتوں نے تسلیم کرلیا لیکن اُس کے فوراً بعد جب پنڈت جواہر لعل نہرو مولانا ابوالکلام آزاد کی جگہ کانگرس کے نئے صدر بنے اُنہوں نے اُس سکیم کی (اس کی بنیادی روح کے منافی) من مانی تاویلات وتشریحات کرنی شروع کردیں۔ قائدِاعظم نے اوّلین فرصت میں اِن تاویلات وتشریحات کو غلط قرار دیا۔ لارڈ ویول نے گاندھی جی اور پنڈت نہرو کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی تاویلات کو حرفِ آخر قرار دینے پر بضدر ہے نتیجۃً یہ منصوبہ ناکام ہوگیا۔ اوراس کے ساتھ ہی لارڈ ویول کانگرس کی طعن وتنقیص کا نشانہ بن گئے جس پر اُنہیں انگلستان واپس بلالیا گیا۔

اوراُن کی جگہ شاہی خاندان کے ایک فرد لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے ہند مقرر کردیا گیا۔ جن کے جانبدارانہ اور ناانصافانہ کارناموں کی صدائے بازگشت تاریخِ برّصغیر کے اوراق میں تاابد سُنائی دیتی رہے گی۔

باؤنڈری کمیشن

''وزیرِاعظم اٹیلی نے اپنی ہندوستان کو متحد رکھنے کی خواہش کی تکمیل کے لئے آخری کوشش کے طور پر دونوں سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو لنڈن بلوا کر انہیں اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن فکری بُعد کی خلیج اتنی وسیع ہوچکی تھی کہ کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ تقسیم ملک کا اعلان کرنے پر مجبور ہوگئے۔ جس کا اعلان تین جون 1947ء کو کردیا گیا۔

تقسیم ہند کے اس اعلان کے بعد اب ''باؤنڈری کمیشن'' کا تقرر عمل میں لایا جانا ضروری تھا۔ چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نے اس سلسلہ میں قائداعظم کی خدمت میں مشورہ عرض کیا کہ

''برطانوی لارڈز آف اپیل اپنی روایات کے لحاظ سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں نہایت دیانتدار اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ آپ زور دیں کہ اُن میں سے کسی کو ایمپائر مقرر کیا جائے۔'' (تحدیث نعمت ایڈیشن اوّل صفحہ 498)

قائداعظم نے اس بات کا خیال رکھنے کا وعدہ فرمایا اور پھر جب پنجاب باؤنڈری کمیشن کے ارکان کی نامزدگی ہوگئی۔ تو آپ نے چوہدری صاحب موصوف سے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار فرمایا ''پنجاب باؤنڈری کمیشن'' کے روبرو مسلم لیگ کا کیس بھی وہی پیش کریں جسے انہوں نے بخندہ پیشانی قبول کیا۔

واضح رہے میں تقسیم برصغیر سے متعلق واقعات وسانحات کی تفاصیل میں اس لئے نہیں جا رہا کہ اُن میں سے بیشتر بڑی شرح وبسط کے ساتھ منظر عام پر آ چکے ہیں۔

پہلے یہ تجویز تھی کہ حد بندی کا سارا کام اقوام متحدہ کے ذریعہ عمل میں آئے گا۔ قائداعظم کو یہ تجویز پسند تھی لیکن پنڈت نہرو اس پر متفق نہ ہوئے چنانچہ قائداعظم نے چوہدری محمد ظفراللہ خان کی تجویز اور مشورہ کے مطابق پریوی کونسل کے تین ججوں کو مقرر کرنے کی تجویز پیش کی اس تجویز کو ماؤنٹ بیٹن نے رد کر دیا۔ کیونکہ وہ تو ایک ایسا کٹھ پتلی ایمپائر چاہتے تھے۔ جو ان کے اشاروں پر ناچ سکے چنانچہ ان کی تجویز سے۔

ایک برطانوی بیرسٹر ''سر سیرل ریڈکلف'' کو (جو ابھی پریکٹس کر رہے تھے) باؤنڈری

کمیشن کا چیئر مین مقرر کر دیا گیا۔

پنجاب باؤنڈری کمیشن میں ان کی امداد کے لئے مسلمانوں کی طرف سے پنجاب ہائی کورٹ کے دو جج مسٹر جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس دین محمد، ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے مسٹر جسٹس مہر چند مہاجن اور مسٹر جسٹس تیجا سنگھ ارکان کمیشن نامزد ہوئے۔لیکن جب اس کمیشن کی کارروائی شروع ہونے سے قبل یہ اعلان منظر عام پر آیا کہ مسٹر ریڈ کلف خود کمیشن کی عملی کارروائی میں حصہ نہیں لیں گے تو صوبے کے ہر ذی شعور پر یہ بات واضح ہوگئی کہ کمیشن کا تقرر محض ایک ڈھونگ ہے بلکہ بعد کی کارروائی اور ایمپائر کے طرز عمل نے یہ ثابت بھی کر دیا کہ واقعی یہ سب کارروائی ایک ڈھونگ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

کمیشن نے فریقین کو اپنا اپنا کیس تحریری طور پر پیش کرنے کے بعد بحث کے لئے صرف تین تین دن دیئے لیکن کمیشن کی کارروائی شروع ہونے کے دوسرے ہی دن ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے کمیشن کے مسلم ارکان کو پریشان کر دیا اور خود اُن پر بھی اس ساری کارروائی کا محض ڈھونگ ہونا واضح ہو گیا۔ تقسیم کا فیصلہ تو ہو ہی چکا تھا۔اور جس طرح ہوا یا کیا گیا اُس کا سارا پس منظر بھی چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اپنی خودنوشت سوانح حیات موسوم بہ ''تحدیث نعمت'' میں تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔اب دیکھنا یہ باقی رہ گیا تھا کہ اس ڈھونگ کو بروئے کار کیونکر لایا جاتا ہے۔

تقسیم پنجاب کی لائن

کمیشن کی کارروائی کے دوسرے دن کمیشن کے ایک مسلمان رکن مسٹر جسٹس دین محمد ،چوہدری محمد ظفر اللہ خان سے ملے اور کہا کہ آپ کا مدّلل بیان اور مسکت وزنی دلائل سے بھرپور بحث کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہونا ممکن نہیں۔

کیونکہ تقسیم کی لکیروں کا فیصلہ تو مسٹر ریڈکلف پہلے ہی کر چکے ہیں یا اُن سے کروایا جا چکا ہے۔

اس پر چوہدری صاحب نے اُن کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تو انہوں نے بتایا کہ کل مسٹر ریڈکلف نے ہوائی جہاز کے ذریعہ ایک علاقہ دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے زور دیا کہ وہ اپنے ساتھ اس پرواز میں دوسرے ارکان کمیشن کو بھی شامل کر لیں۔ پہلے تو انہوں نے عذر کیا کہ جہاز چھوٹا ہے۔ اس میں نشستیں کم ہیں۔ وغیرہ وغیرہ لیکن جب میں نے کہا بصورت دیگر انصاف کا تقاضا پورا نہ ہوگا تو وہ دو ارکان کمیشن کو اپنے ساتھ بٹھانے پر رضا مند ہو گئے جن میں مسلمانوں کی طرف سے ایک میں تھا۔ لیکن آج صبح جب ہم سب والٹن کے ہوائی اڈہ پر پہنچے تو مطلع بہت گرد آلود تھا۔ پائلٹ نے بعد اعزاز عرض کیا کہ میں آپ کو لئے تو چلتا ہوں لیکن گرد و غبار کے باعث آپ کو اوپر سے نیچے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس پر مسٹر ریڈکلف نے پرواز منسوخ کر دی۔ پائلٹ کو اس پرواز کے لئے جو ہدایات دی گئی تھیں اور جو نقشہ اُس کے پاس تھا۔ وہ کسی طرح مسٹر جسٹس دین محمد کے ہاتھ لگ گیا۔

اس نقشہ پر جو لائن لگی ہوئی تھی۔ وہ یقین کرتے تھے کہ یہی وہ لائن ہے جو بالا بالا حد بندی لائن طے پا چکی ہے۔

ظاہر ہے یہ امر چوہدری صاحب موصوف کے لئے بھی حیرت آفریں تھا کہ ابھی تو فریقین نے بیان بھی داخل نہیں کئے ریڈکلف کو یہ کیونکر پتہ چل گیا کہ فلاں فلاں علاقے متنازعہ ہیں یقیناً حد بندی کے لئے انہیں پہلے ہی بریف کیا جا چکا ہے۔ بلکہ حد بندی لائن تجویز بھی کر دی گئی ہے۔ جس کے مطابق بہت سا ایسا علاقہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ (بالخصوص ضلع گورداسپور کی تحصیلیں بٹالہ اور گورداسپور) پاکستان میں شامل نہ ہوں گی۔ چوہدری صاحب نے

مسٹر جسٹس دین محمد صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ اس معاملہ کو خود حاضر ہو کر کسی طرح قائداعظم کے گوش گذار کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جس پر قائداعظم کی ہدایت کے تحت چوہدری محمد علی دہلی میں لارڈ اسمے سے ملنے گئے۔ چوہدری محمد علی نے لارڈ اسمے سے اپنی اس ملاقات کا ذکر اپنی تالیف (Emergence of Pakistan) میں قدرے تفصیل سے کیا ہے۔

وہی حد بندی لائن

چوہدری محمد علی لارڈ اسمے سے ملنے وائسرائے لاج میں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بند کمرے میں ریڈ کلف سے بات چیت کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں اُن کی گفتگو کا یہ سلسلہ کتنے عرصہ سے جاری تھا۔ چوہدری محمد علی کے پہنچنے کے ایک گھنٹہ بعد جب ریڈ کلف باہر نکلے تو چوہدری صاحب فوراً لارڈ اسمے کے کمرے میں پہنچ گئے اور انہیں قائداعظم کا پیغام دیا کہ ''ہمیں یہ تشویش ناک خبر ملی ہے۔'' اُس نے جواب میں کہا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو قطعاً علم نہیں ہے کہ ریڈ کلف کے حد بندی کے بارے میں کیا خیالات ہیں۔ چوہدری صاحب نے قدرے تفصیل سے بتایا کہ قائداعظم کو اس سلسلہ میں کیا رپورٹیں پہنچی ہیں۔ مگر اسمے کچھ ایسے تاثر دیتے رہے جیسے چوہدری صاحب کی بات اُن کے پلے نہیں پڑ رہی اسی اثناء میں چوہدری صاحب کی نظر اُس نقشہ پر جا پڑی جو کمرہ کی دیوار کے ساتھ لٹک رہا تھا چوہدری صاحب اسمے کو نقشے کی مدد سے اپنی بات ذہن نشین کرانے کے لئے انہیں نقشہ کے پاس لے گئے۔ نقشہ کو دیکھتے ہی اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اُس نقشہ پر بھی پنسل سے ایک لکیر لگی ہوئی تھی۔ اور یہ لکیر اُس لکیر کے مطابق تھی جو مسٹر جسٹس دین محمد نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے سامنے بیان کی تھی۔ (یعنی گورداسپور کی تحصیلیں بٹالہ اور گورداسپور بھی ہندوستان میں دکھائی گئی تھیں نیز امرتسر اور جالندھر کے ضلعوں کے بعض مسلم اکثریت والے ایسے علاقے بھی جو پاکستان سے ملحق تھے۔ گویا پائلٹ کو دی جانے والی لکیر اس نقشہ والی لکیر ہی کا چربہ تھا۔) چوہدری صاحب نے اس لائن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''......اب کسی وضاحت کی ضرورت باقی

نہیں رہی۔'' چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''اُسکے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کھسیانا ہو کر کہنے لگا نہیں معلوم میرے نقشہ میں یہ گڑ بڑ کس نے کی ہے۔''

(Emergence of Pakistan p 219 by Mohamad Ali)

باؤنڈری کمیشن

اب میں پھر باؤنڈری کمیشن کی کارروائی کی طرف لوٹتا ہوں۔ کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے بہت تیاری کی ضرورت تھی کیونکہ اس سلسلہ میں ابھی تک ابتدائی کام بھی نہیں ہوا تھا۔ پنجاب مسلم لیگ کے سربراہ نواب افتخار حسین خان آف ممدوٹ تھے جن کی شرافت، اخلاص اور ایثار و قربانی میں کچھ کلام نہ تھا۔ لیکن وہ ایسے کاموں کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔ نہ نوجوانی کے باعث سیاست پر اتنی غوّاص نظر رکھتے تھے کہ ہوشیار چالباز اور منجھے ہوئے کانگرسیوں اور برطانوی گرگوں کی خفیہ چالوں کو بھانپ کر ان کا شایان شان تدارک کر سکیں تاہم قوم کا درد رکھنے والے بعض بالغ نظر مسلمان آگے آئے مثلاً خواجہ عبدالرحیم لیکن وہ سرکاری ملازم تھے اور کمشنر ہونے کے باعث خود سامنے آ کر کام نہ کر سکتے تھے۔ تاہم اُنہوں نے اپنے طور پر کیس کا ایک حصہ تیار کر لیا ہوا تھا جو کیس پر بحث کے دوران کار آمد ثابت ہوا۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ) جو پہلے بھی کشمیری قوم کے لئے گراں نمایہ خدمات انجام دے چکے تھے اور کشمیر کا ہر ذی شعور فرزند بجا طور پر انہیں اپنا محسن سمجھتا تھا اُنہوں نے اس مشکل گھڑی میں بھی رضا کارانہ طور پر اس کیس کو دامے، ورمے، قدمے، سخنے

کامیاب بنانے کی ذمہ داری اپنے سر ڈال لی۔فوراً اپنے خرچ پر انگلستان سے ایک ماہر پروفیسر مسٹر سپیٹ کی خدمات حاصل کیں۔انہیں لاہور بلوایا اور خود بھی اپنے ساتھ اپنے ذہین و مستعد خدام کا ایک قافلہ لئے بہ نفسِ نفیس لاہور آ پہنچے۔مسٹر سپیٹ کو پنجاب سے متعلق ہر قسم کے نقشے اور معلومات مہیا کی گئیں۔اس سلسلہ میں حوالہ جات کے لئے بعض ایسی کتب کی ضرورت پڑی جو ہندوستان میں نایاب تھیں۔آپ نے فوراً ایسی تمام کتب ذاتی خرچ پر انگلستان سے منگوائیں جن کی مدد سے مسٹر سپیٹ نے مختلف نقطہ ہائے نظر سے متعدد نقشے تیار کئے پروفیسر سپیٹ کے دستِ راست حضرت امام جماعت احمدیہ کے فرزند ارجمند حضرت حافظ میرزا ناصر احمد ایم اے (آکسن) تھے جن کے تحت دسیوں مستعد کارکن تھے اور شب و روز کام ہوتا تھا۔مسٹر سپیٹ جو نقشے بناتے فوراً ان کی نقول تیار کی جاتی تھیں تاکہ مسلم لیگ کے وکیل کو کسی مرحلہ پر بھی کوئی نقطہ واضح یا پیش کرتے وقت کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئے۔......پیش آمدہ ایک الجھن راقم الحروف کو اب تک یاد ہے۔ ہندو غلط اعداد و شمار کا سہارا لے رہے تھے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ضلع میں مردم شماری کے تفصیلی اعداد و شمار کے رجسٹر (جن میں تحصیل وار، تھانہ وار اور دیہہ وار اندراج ہوتا تھا) وہ ریکارڈ آفس سے اڑا لئے گئے تھے۔کانگرس پُر یقین تھی کہ اب اس کی طرف سے جو اعداد و شمار بھی پیش کئے جائیں گے ان کی تردید نہ ہو سکے گی لیکن ادھر صاحبزادہ حافظ میرزا ناصر احمد نے (اپنے ذرائع سے) پتہ چلا لیا تھا کہ ان اعداد و شمار کی دوسری کاپی گورنمنٹ کے ریکارڈ میں اب بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس ریکارڈ کے حصول کے لئے اس ناچیز کے یہ خدمت سپرد ہوئی کہ گورداسپور جا کر فلاں متعلقہ شخص سے ملے اور بحفاظت متعلقہ ریکارڈ لے آئے۔دو مستعد نوجوان بھی بغرض حفاظت

میرے ہمراہ بھیجے گئے۔ہم وہ فہرست لے آئے اُن دنوں فوٹوسٹیٹ کی سہولت تو تھی نہیں۔ چنانچہ راتوں رات اس کی نقول تیار کی گئیں۔صاحبزادہ صاحب اور ہم سب اُن کے رفقاء ساری رات اس اہم کام کی تکمیل میں جُتے رہے حتیٰ کہ طلوع آفتاب سے قبل یہ مرحلہ طے پا گیا اور دوسرے روز نہ صرف وہ ریکارڈ بحفاظت سرکاری دفتر کھلنے سے قبل متعلقہ دفتر میں پہنچ گیا۔اس کی مناسب حفاظت کا انتظام بھی ہو گیا تا کہ بوقت ضرورت بطورِ سند پیش کیا جا سکے۔

پروفیسر سپیٹ کے تیار کردہ کارآمد نقشوں اور انگلستان سے منگوائی جانے والی اہم کتب کا ذکر چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اپنی خودنوشت سوانح حیات ''تحدیث نعمت'' میں بڑے ہی تحسین آفرین انداز میں فرمایا ہے۔

چوہدری صاحب موصوف نے اپنی ذمہ داری اس عمدگی سے نبھائی اور مسلم لیگ کا کیس ایسے مؤثر،مبرہن اور مدلّل انداز میں کمیشن کے رُوبرو پیش کیا کہ جس روز فریقین کی بحث ختم ہوئی۔ اُسی روز پنجاب کے معروف ایڈووکیٹ اور سابق لیگل ریمیمبرنسر شیخ عبدالحق نے کانگرس کے سینئر وکیل مسٹر موتی لعل سیلواڈ کے اعزاز میں دعوت چائے دی۔اس موقع پر انہوں نے شیخ موصوف سے کمیشن کی کارروائی پر تذکرہ کے دوران کہا۔

''اگر حد بندی کا فیصلہ بحث میں پیش کردہ دلائل کی بناء پر ہوا تو تم لوگ بازی لے جاؤ گے۔'' (تحدیث نعمت صفحہ 509،ایڈیشن اوّل دسمبر 1971ء)

اس پر چوہدری صاحب نے (صدقی صدبچ) فرمایا:

باؤنڈری ''کمیشن کی کارروائی صرف ایک ڈھونگ ہے۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 510،ایڈیشن اوّل دسمبر 1971ء)

باب دوم

ریاست جموں و کشمیر اور دیگر ہندوستانی ریاستیں

> ''مشرقی پنجاب کا (اور خاص کر مغربی پنجاب کے وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی) پاکستان سے نکل جانا اس قدر مہلک اور نقصان رساں نہیں ہے جس قدر یہ بات کہ کشمیر کا ہندوستان سے الحاق ہو جائے اور پاکستان مُنہ تکتا رہ جائے۔''
>
> (روزنامہ الفضل 23/ اکتوبر 1947ء)

تقسیم ہند کے وقت برصغیر میں ساڑھے پانچ سو سے زائد بڑی چھوٹی ریاستیں موجود تھیں ان میں سب سے بڑی ریاست ''حیدر آباد دکن'' تھی۔ جس کی آبادی پونے دو کروڑ اور سالانہ آمدنی پچیس کروڑ روپے سے زیادہ تھی۔ آبادی میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ گو مسلمان بھی پندرہ فیصد تھے۔ جن میں بڑے بڑے جاگیردار اور ذی اثر و ذی وجاہت تجّار موجود تھے اور ریاست کا والی مسلمان تھا۔ اس کے مقابل کشمیر کی ریاست کا رقبہ تو ریاست حیدر آباد سے زیادہ تھا۔ لیکن آبادی صرف چالیس لاکھ تھی۔ جس میں سے زائد 77 فیصد آبادی مسلمان تھی۔ مگر والئ ریاست غیر مسلم تھا۔ آبادی کے اعتبار سے ہندوستان کی ریاستوں میں اس کا تیسرا نمبر تھا۔ کیونکہ حیدر آباد کے ریاست میسُور کی آبادی تمام دوسری ریاستوں سے زیادہ تھی۔

والیان ریاست کو اختیار

برطانوی ہند کی تقسیم تو ریڈکلف کے سپرد تھی لیکن ریاستوں کے لئے یہ تین صورتیں رکھی گئی تھیں کہ آزادی کے بعد والیان ریاست کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو

اوّل۔ پاکستان سے الحاق کریں۔

دوم۔ ہندوستان سے الحاق کریں۔یا

سوم۔اگر چاہیں تو دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی الحاق نہ کریں اور آزاد رہیں۔گویا ملک کی آزادی کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی ساری کی ساری ریاستیں خود بخود آزاد قرار پاتی تھیں۔

یکساں کیس

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے حیدر آباد دکن اور کشمیر کی ریاستوں کا کیس یکساں نوعیت کا تھا۔شاید اسی لئے یہ دونوں ریاستیں آخری فیصلہ کرنے میں متذبذب تھیں۔یہ صورت حال اس امر کی متقاضی تھی کہ حکومت پاکستان بہت چوکس ہو کر اپنے حقوق منوائے چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد نے بروقت یہ انتباہ فرمایا کہ

> ''اس وقت یہ دونوں ریاستیں محل نزاع بنی ہوئی ہیں حیدر آباد بھی پوری آزادی کا مطالبہ کرتا ہے اور کشمیر بھی پوری آزادی کے ارادے ظاہر کر چکا ہے۔بعد کے حالات نے دونوں ریاستوں کے ارادوں میں تذبذب پیدا کر دیا ہے۔حیدر آباد اور کشمیر دونوں محسوس کر رہے ہیں کہ اقتصادی دباؤ سے ان دونوں حکومتوں کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔اس لئے لازمی طور پر ان کو کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہندوستان یا پاکستان سے کرنا پڑے گا کشمیر کی سرحدیں چونکہ دونوں ملکوں سے ملتی ہیں۔(ہندوستان سے کم اور پاکستان

سے زیادہ) اس لئے بوجہ اس کے کہ راجہ ہندو ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ اگر کسی حکومت سے ملنا ہی پڑے تو وہ ہندوستان سے ملے۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل مورخہ 19/ اکتوبر 1947ء)

شیخ جی کا نظریہ

لیکن کشمیری رہنما شیخ محمد عبداللہ اُن دنوں اس کوشش میں تھے کہ کشمیر کے الحاق کا سوال اُس وقت اٹھایا ہی نہ جائے بلکہ تمام تر توجہ کشمیر کے حقِ خود اختیاری حاصل ہونے کے سوال پر مُرتکز کی جائے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کو یہ نقطہ نظر اور یہ مصلحت آمیز سوچ کشمیر کے مستقبل کے لئے خطرناک نظر آئی چنانچہ آپ نے شیخ محمد عبداللہ۔ مسلمانانِ کشمیر اور حکومتِ پاکستان کو واضح الفاظ میں انتباہ کیا اور فرمایا کہ:

''اس وقت جب انڈین ڈومینین نہایت تیز رفتاری سے ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں کو اپنے اندر مدغم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اور ریاست حیدرآباد کو ہی مجبور نہیں کر رہی بلکہ خود کشمیر کا رُجحان بھی اسی طرف ہے بلکہ بعض آثار سے مثلاً ہندوستانی علاقہ کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لئے راستوں اور دریاؤں کے پُل تعمیر کرانا وغیرہ سے صاف نظر آتا ہے کہ مہاراجہ کشمیر کے ارادے کیا ہیں۔ تو ایسے حالات میں اس معاملہ کو کھٹائی میں ڈال دینا نہ صرف کشمیریوں کے لئے بلکہ پاکستان کے لئے بھی نہایت خطرناک ہے۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل 19/ اکتوبر 1947ء)

پھر فرمایا:

''اگر اس وقت کشمیری مسلمانوں اور حکومت پاکستان نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی کی اور ایک لمحہ بھی تساہل اور سُستی کی نذر کیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ہمیشہ کے لئے کشمیر کو اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھیں گے۔ جب تک لوہا گرم ہے ہمیں ضرب لگانی چاہئیے لیکن اگر لوہا ٹھنڈا ہو گیا تو پھر تمام دنیا کی طاقت بھی ہمارے کسی کام نہیں آئے گی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے توجہ دلائی ہے کشمیر اور حیدر آباد کا فیصلہ ایک ہی وقت اور ایک ہی اصول کے مطابق ہونا چاہئیے اور اس مقصد کے حصول کے لئے صرف آج ہی وقت ہے پھر کبھی نہیں آئے گا۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل 21/اکتوبر 1947ء)

انتباہ پر انتباہ

حضرت امام جماعت احمدیہ نے بار بار اور بڑے زور سے کشمیر کے معاملہ کو پیش کیا اور اسے اوّل وقت میں سلجھا لینے کے مشورے دیئے۔ وہ اپنی بصیرت سے آئندہ وقت اور اس میں پیدا ہونے والی الجھنوں اور پیش آنے والی مشکلات کا اندازہ فرما چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے بڑی دردمندی سے اور بڑی بے قراری سے بار بار کشمیر کے مسلمانوں اور حکومت پاکستان کو جھنجھوڑا اور کہا کہ خدارا یہ سہل انگاری سے کام لینے کا وقت نہیں ہے۔ یہ وقت ہاتھ سے جاتا رہا تو تمام عمر پڑے لکیر کو پیٹتے رہو گے چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

''مشرقی پنجاب کا اور خاص مغربی پنجاب کے وہ علاقے جن

میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ پاکستان سے نکل جانا اس قدر مہلک اور نقصان رساں نہیں ہے جس قدر یہ بات کہ کشمیر کا ہندوستان سے الحاق ہو جائے اور پاکستان مُنہ تکتا رہ جائے۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل 23/اکتوبر 1947ء)

یہاں تک کہ آپ نے اس سلسلہ میں حکومت پاکستان اور مسلم لیگ ہائی کمان کو بھی اُن کی کوتاہیوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''......حکومت پاکستان نے شروع ہی سے ریاستوں کے متعلق خاموشی کی پالیسی پر عمل کیا ہے اور جہاں ہندوستان کی عارضی حکومت نے تقسیم سے بھی پہلے ریاستوں سے جوڑتوڑ شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ دھمکیوں سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ مسلم لیگ کی ہائی کمانڈ نے صرف دفاعی بیانات ہی پر اکتفا کیا۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل 23/اکتوبر 1947ء)

اس کے بعد مہاراجہ کشمیر کے منصوبوں کو بھانپتے ہوئے حکومت پاکستان کو اس اہم فرض کی ادائیگی کے لئے ابھارتے ہوئے فرمایا:

''......کشمیر کے حالات روز بروز پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اور مہاراجہ کشمیر جن کا ذاتی رجحان ہندوستان کی طرف ہے اس معاملہ کو طویل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور پاکستان کو ایسی باتوں میں اُلجھائے رکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے تیاری نہ کرسکیں۔ اس لئے اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور حکومت پاکستان کو چاہئے کہ فوراً

کوئی ایسا قدم اٹھائے کہ یہ معاملہ معرض بحث میں آ جائے اور فیصلہ ہو جائے۔"   (بحوالہ روزنامہ الفضل مورخہ 23/اکتوبر 1947ء)

باب سوم

جنگ آزادیٔ کشمیر اور فرقان بٹالین

امام جماعت احمدیہ نے اپنی جماعت کی خصوصی مجلس شوریٰ ستمبر ۱۹۴۷ء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مقدس یضع الحرب کی تعمیل میں حضرت بانی جماعت احمدیہ نے جہاد بالسیف کے التواء کا جو اعلان فرمایا تھا اب اُس کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اس لئے جماعت کے افراد کو چاہئے کہ وہ جہاد بالسیف کے لئے تیاری کریں اور جونہی ان کے امام کی طرف سے صدائے جہاد بلند ہو تن من اور دھن سے اُس میں حصہ لیں۔''

(روزنامہ الفضل 9/ستمبر 1947ء)

تقسیم برّصغیر کے بعد ہندوستان نے اپنی ہمسایہ مملکت پاکستان کے معاملہ میں جس قسم کا معاندانہ روّیہ اختیار کر رکھا تھا۔ پاکستان کے صاحب فراست لوگوں کی نگاہیں اُس کے اثرات و عواقب کا اندازہ لگا رہی تھیں چنانچہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنی چشم بصیرت سے یہ دیکھتے ہوئے کہ وطن عزیز کو اپنی سرحدوں کے دفاع کے لئے فرزندانِ وطن کی کسی وقت بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اپنی عارضی قیام گاہ ''رتن باغ'' لاہور ہی میں اپنی جماعت

کے نمائندگان کی ایک خصوصی مجلس شوریٰ بلوائی اور اُس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مقدس ''یضع الحرب'' کی تعمیل میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے جہاد بالسیف کے التواء کا جو اعلان فرمایا تھا اس کا زمانہ اب ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے جماعت کے افراد کو چاہئے کہ وہ جہاد بالسیف کے لئے تیار ہو جائیں اور جونہی ان کے امام کی طرف سے صدائے جہاد بلند ہو تن من اور دھن سے اس میں حصہ لیں۔''

چنانچہ اس کے بعد جماعت کے چیف آرگن (الفضل) میں یہ اشتہار چھپنا شروع ہوا۔

''ضرورت ہے......فوراً ایسے فوجیوں کی جو فوج سے فارغ ہو چکے ہیں۔ عمر بیس سے تیس ہو تو اچھا ہے۔ ایسے سپاہی ہونے چاہئیں جنہوں نے لڑنے والے سپاہیوں کے طور پر کام کیا ہو ایسے اصحاب فوراً مندرجہ ذیل پتہ پر خط وکتابت کریں۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل 19ر ستمبر 1947ء اور 24 ستمبر 1947ء وغیرہ)

اس تلقین جہاد پر زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ احمدی نوجوان جمع ہونا شروع ہو گئے جنہیں ایک ٹریننگ کیمپ میں جنگی تربیت دینے کا کام شروع ہو گیا۔ انہی ایام میں پاکستان کے بعض فوجی افسروں نے امام جماعت احمدیہ سے جنگ آزادی کشمیر میں حصہ لینے کے لئے جموں محاذ پر کم از کم ایک پلاٹون بھیجنے کی فرمائش کی جس کے جواب میں چند ہی دنوں میں ۴۵ کے لگ بھگ کڑیل جوانوں پر مشتمل ایک مستعد و چاق و چوبند پلاٹون امام جماعت احمدیہ کے دوسرے صاحبزادہ میرزا مبارک احمد صاحب کی زیر کمان حکومت کو پیش کر دی گئی جس کو ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے ایما پر جموں کی

سرحد پر معراجکے کے محاذ پر متعین کیا گیا۔ جہاں پر بھارتی بمباروں کی بمباری روز کا معمول تھا۔اور بھارتی توپوں کی مسلسل گولہ باری کے باعث سارے علاقے میں بے دلی اور ہراس پھیلا ہوا تھا۔

معراجکے کا محاذ

کمپنی کے نوجوان معراجکے پہنچتے ہی اپنے موروچوں میں ڈٹ گئے پہلی رات ہی سے پٹرولنگ کا نظام قائم ہو گیا اور ان دیندار منچلوں کی جُرات آفرینیوں سے چند ہی دنوں میں آس پاس کے دیہات میں اعتماد کی فضا بحال ہو گئی۔ بلکہ ایک دن ایک دست بدست جھڑپ میں (جس میں دشمن کے کئی فوجی کھیت رہے) اس پلاٹون کے دو نوجوان برکت علی (آف داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ) اللہ رکھا (آف جسوکے) نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ہے پلاٹون جذبہ جہاد سے سرشار معراجکے کے محاذ پر دُشمن سے پنجہ آزما تھی کہ اس کی جرأتوں اور ولولوں سے متاثر ہو کر حکومت کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں ایک پوری بٹالین عطا کرنے کی درخواست کی گئی۔

ایک ایسی رضا کار بٹالین جس کے فوجی اپنی گرہ سے کھائیں۔ان کے تمام خرچ جماعت احمدیہ برداشت کرے اور وہ اپنی جانیں تحفظ وسلامتی وطن کے لئے قربان کریں۔

مادر وطن کی پکار پر کسی سوچ بچار کی گنجائش ہی کہاں تھی اس پر مستزاد آزادی و رُستگاری اہل کشمیر کے لئے حضرت امام جماعت احمدیہ کی تڑپ آپ نے فوراً حامی بھر لی اور یہ اپنی خواہش احباب جماعت تک پہنچائی۔اولین فرصت میں حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد المعروف بہ فاتح الدین کی قیادت میں رضا کاروں کی بھرتی کے لئے ایک کمیٹی نامزد کر دی

گئی اور چند دنوں کے اندر ملک کے کونے کونے سے احمدی جوان خدمتِ مادر وطن کے جذبہ سے سرشار بھرتی کے لئے پہنچنے شروع ہو گئے۔

(واضح رہے ''فاتح الدین'' اس کمیٹی کے صدر کا عسکری نام تھا)

جون 1948ء میں ایک پوری بٹالین معرض وجود میں آ گئی جسے ''فرقان بٹالین'' کا نام دیا گیا اور معراجکے کی پلاٹون کو اس میں ضم کر دیا گیا۔

فرقان بٹالین

سرائے عالمگیر (متصل جہلم) میں برلب جوئے آب ابتدائی تربیت کے لئے فرقان کیمپ قائم ہوا۔ اس تربیت میں ہر قسم کے ہتھیاروں کے استعمال فیلڈ کرافٹ، پٹرولنگ المقصد ہر قسم کی جنگی تربیت شامل تھی۔ ابتدائی تربیت کے بعد یہ فرقان بٹالین جو 1948ء سے جون 1950ء تک اگلے مورچوں میں دشمن سے نبرد آزما رہی لیفٹینٹ، جرنل اے ایم شیخ (جو اس وقت بریگیڈیئر تھے) اور ایڈ جوئنٹ جرنل محمد ایوب خان بھی اس بٹالین کے معائنہ کے لئے آئے ہر دفعہ ہر لحاظ سے مطمئن اور جوانوں کے جذبہ جہاد کو دیکھ کر مسرور و متفخر لوٹے۔

فرقان بٹالین کی قیادت کے فرائض شروع میں (کرنل) سردار محمد حیات صاحب قیصرانی نے بعد ازاں (کرنل) صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے انجام دیئے۔ صاحبزادہ صاحب کا فرقان کی فوجی اصطلاح میں ''کلید'' کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ فرقان کیمپ کا نام زبیر اور محاذ جنگ کے امیر کا نام ''عالم کباب'' تجویز ہوا بٹالین کی نفری کو پورا رکھنے کی ذمہ داری ایک کمیٹی کے سپرد تھی جس کے صدر ''فاتح الدین'' (عسکری نام) صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد (جماعت کے تیسرے امام) چونکہ عملاً بٹالین کی ساری ذمہ داری انہی پر تھی اس لئے ہر وقت محاذ

جنگ کے متعلق باخبر رہنا پڑتا تھا۔اوراکثر محاذ پر پہنچ کر ان کا دل بڑھانا پڑتا تھا۔

جون 1948ء میں بٹالین کا قیام عمل میں آیا اور 10/جولائی 1948ء کو اُس کو بھمبر کے علاقہ میں محاذ جنگ باغسر (عسکری نام بربط) پر بھجوا دیا گیا۔ جہاں پہنچتے ہی جوانوں نے مورچے سنبھال لئے۔محاذ جنگ پر بٹالین کو پانچ کمپنیوں (نصرت، برکت،تنویر،شوکت اور عظمت) میں تقسیم کر دیا گیا۔اس وقت بھارتی فوجی نومینز لینڈ (No Mans Land) پر قابض تھے فرقان بٹالین کے جوانوں نے انہیں پہنچتے ہی چند شدید یورشوں کے بعد پیچھے دھکیل دیا۔آگے آنے والے جاسوسوں کا صفایا کر دیا اور ماحول پر پوری طرح مسلط ہو گئے۔

دونوں طرف سے روزانہ گولہ باری تو خیر معمول تھا ہی۔دشمن کی فوج بمباری کا حربہ بھی آزمایا کرتی تھی لیکن فرقان بٹالین کے ارادے ایسے جوان تھے کہ دشمن کا کوئی حربہ بھی کامیاب نہ ہوا۔یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اُس نے ہر جھڑپ اور ہر یورش میں فرقان بٹالین کو فوقیت عطا فرمائی یہاں تک کہ جب فرقان بٹالین دشمن سے اس کی پہاڑی (ریچھ) کو چھیننے کے لئے ایک بڑے حملہ کی تیاری کر رہی تھی۔اقوام متحدہ کی مداخلت سے جنگ بندی کا اعلان ہو گیا اور جوانوں کے ولولے دل کے دل ہی میں رہ گئے۔

امام جماعت احمدیہ محاذ پر

فرقان بٹالین کے رضا کاروں کو عام فوجیوں کی سی مراعات اور سہولتیں بھی حاصل نہ تھیں خوراک بھی نپی تلی ہی ملتی تھی۔گذارہ بھی بہت قلیل ملتا تھا۔لیکن ان کے لئے بھی یہی مسرت بہت تھی کہ ان کے ساتھ ان کے امام کی دعائیں تھیں جو ایک دفعہ خود جنگ کے ایام میں بھی اُن سے ملنے کے لئے محاذ پر پہنچے اور ان سے باتیں کیں انہیں جہاد کی برکات ذہن نشین کیں۔اس وقت تو

ان رضا کاروں کی دلی مسرتوں کا نظارہ دیدنی تھا۔

شہدائے بٹالین

محاذ جنگ کوئی بچوں کا کھیل تو ہوتا نہیں یہ تو آگ اور خون کا کھیل ہوتا ہے جس میں جانوں کے نذرانے داؤ پر لگائے جاتے ہیں۔ چنانچہ معراجکے کے محاذ پر شہید ہونے والے دو نوجوانوں کے علاوہ نواحمدی نوجوان محاذ بربط پر بھی کام آئے۔ کیا ہی معنی نگر ہے اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لئے ارشاد ربانی کہ

وَ لَاتَقُوْلُوْ لِمَنْ یُقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْن
(بقرہ:155)

جولوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اُن کے متعلق یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے۔

یہ نوجوان جنہوں نے جنگ آزادئ کشمیر میں جام شہادت نوش کیا اور جن کے نام تاریخ حرّیتِ کشمیر کے اوراق پر ہمیشہ جلی حروف میں ثبت رہیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے) یہ تھے۔

(1) میاں برکت علی صاحب......ساکن داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ

(2) میاں اللہ رکھا صاحب......ساکن جسوکے ضلع گجرات

(3) چوہدری نصیر احمد صاحب......ولد چوہدری عنایت اللہ صاحب چک نمبر 35 ضلع سرگودھا

(4) چوہدری محمد اسلم صاحب مانگٹ ...... ولد چوہدری جہان خان صاحب ساکن

مانگٹ اونچے ضلع گوجرانوالہ (موجودہ حافظ آباد)

(5) چوہدری منظور احمد صاحب اوجلوی ولد چوہدری دین محمد صاحب چک نمبر ۹۳ فورٹ عباس ضلع بہاولنگر

(6) چوہدری عبدالرزاق صاحب ولد چوہدری محمد علی صاحب چک نمبر 68 ٹھیکری والا ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد)

(7) میاں سخی عرف منگ صاحب ولد میاں امام بخش صاحب بھڑتانوالہ ضلع سیالکوٹ

(8) چوہدری غلام یٰسین صاحب ولد چوہدری غلام نبی صاحب ادرحمہ ضلع سرگودھا

(9) میاں محمد خان صاحب ولد میاں ابراہیم صاحب بھینی ضلع شیخوپورہ

(10) میاں بشیر احمد ریاض صاحب ولد میاں دیوان صاحب مانسہرہ کیمپ

(11) میاں عبدالرحمٰن صاحب ولد میاں ولی محمد صاحب واہ کیمپ

اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لَھُمۡ وَارۡحَمۡھُمۡ

(نوٹ: شہدائے فرقان بٹالین کا تذکرہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ 21رمئی 1999ء میں فرمایا تھا۔شہدائے احمدیت ناشر طاہر فاؤنڈیشن ربوہ کے صفحہ نمبر 77 تا 82 تک ان شہداء کا ذکر موجود ہے)

اس کے علاوہ متعدد ایسے نوجوان بھی تھے جو ایسے زخمی ہوئے کہ عمر بھر کے لئے اپنے کڑیل جُثّوں کی تب و تاب اور رعنائیاں کھو بیٹھے لیکن وطن عزیز کی سلامتی پر سب کچھ نثار کر دیا۔

اعزاز و اکرام سے سبکدوشی

دو سال تک جنگ میں شاندار خدمات انجام دینے اور حکومت پاکستان کے تصفیے کے بعد کمانڈر انچیف (جنرل ڈگلس گریسی) کی طرف سے فرقان بٹالین کو اعزاز و اکرام سے فارغ

کرنے کی ہدایات دی گئیں جس کے لئے ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں بریگیڈیئر کے۔ایم۔شیخ نے کمانڈرانچیف کا پیغام پڑھ کر سنایا اور ۱۷ ۹ مجاہدوں میں تمغات تقسیم کئے۔کمانڈر انچیف نے خود اس تقریب میں آنا تھا لیکن انہیں بیرون ملک دورہ پر جانا پڑا تھا۔

کمانڈرانچیف نے اپنے پیغام میں نہایت شاندار الفاظ میں اس اطمینان کا اظہار کیا کہ فرقان فورس کے سب کے سب نوجوان خدمت پاکستان کے جذبہ سے سرشار تھے۔

اور انہوں نے اپنی قربانیوں کے بدلے میں جس کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو رضا کارانہ پیش کیا۔کسی قسم کی شہرت ونمود کی توقع نہیں کی۔

اس پیغام میں یہ اعتراف بھی کیا گیا تھا کہ جو محاذ جنگ فرقان بٹالین کے سپرد کیا گیا تھا۔ اُس پر دشمن نے فضا اور زمین سے ہر طرح کے شدید سے شدید حملے کئے۔لیکن انہوں نے ہر ایسے حملے کا ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین بھی (باوجود دشمن کی بے پناہ یورشوں کے) اپنے قبضہ سے جانے نہیں دی۔لکھا:

> ”آپ کی بٹالین خاص رضا کار بٹالین تھی جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ان میں کسان بھی تھے۔مزدور پیشہ بھی کاروباری بھی اور نوجوان طلبہ و اساتذہ بھی وہ سب کے سب خدمتِ پاکستان کے جذبہ سے سرشار تھے۔آپ نے اس قربانی کے بدلے میں جس کے لئے آپ میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو بخوشی پیش کیا کسی قسم کے معاوضہ یا شہرت ونمود کی توقع نہ کی۔

آپ جس جوش اور ولولے کے ساتھ آئے اور اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے تربیت حاصل کرنے میں جس ہمہ گیر اشتیاق کا اظہار کیا اس سے ہم سب بہت متاثر ہوئے۔ان

تمام مشکل مراحل پر جوئی پلٹن کو پیش آتے ہیں۔ آپ نے، آپ کے افسروں نے بہت جلد عبور حاصل کیا۔

کشمیر میں محاذ کا ایک اہم حصّہ آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ نے ان تمام توقعات کو پورا کر دکھایا جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں دشمن نے آپ پر فضا سے اور زمین پر سے شدید حملے کئے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے آپ اُس کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین بھی اپنے قبضے سے نہ جانے دی آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور آپ میں تنظیم کا جذبہ انتہائی قابل تعریف اب جب کہ آپ کا مشن مکمل ہو چکا ہے اور آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جارہی ہے۔ میں اس قابل قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے اپنے وطن کی انجام دی ہے آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' خدا حافظ''

نوٹ (اصل پیغام جو مطبوعہ تھا اور تقسیم بھی کیا گیا تھا۔ کی فوٹو کاپی شامل ہے)

(تاریخ احمدیت جلد ششم ایڈیشن اوّل صفحہ 674 سے آگے، اس کا چربہ لگایا گیا ہے)

باب چہارم

حکومت آزاد کشمیر کا قیام

''جب یہ ذمہ داری پہلے (4/ اکتوبر کو) خواجہ غلام نبی گلکار المعروف بہ انور کے اور پھر 24/ اکتوبر کو سردار محمد ابراہیم خان کے سپرد کی گئی تو ان دونوں میں سے کسی نے بھی مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے بعض دوسرے ارکان کی طرح یہ عُذر لنگ پیش نہیں کیا کہ ہمارے تو رشتہ دار ابھی ریاست کشمیر میں بیٹھے ہیں اس لئے ہمیں اس ذمہ داری سے باز رکھا جائے۔''

برطانوی حکومت نے اپنے اعلان میں ریاستوں کو جو یہ رعایت دی تھی کہ وہ پاکستان یا ہندوستان (جس مملکت سے چاہیں الحاق کر سکتے ہیں) جونا گڑھ نامی ریاست کے والیٔ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا جونا گڑھ اور کشمیر میں یہ مشابہت تھی کہ اگر کشمیر کا سربراہ ہندو اور رعایا کی اکثریت مسلمان تھی تو جونا گڑھ کا نواب مسلمان تھا۔ اور رعایا کی اکثریت ہندو یعنی غیر مسلم تھی۔ ہندوستان کی حکومت نے یہ سنا تو چراغ پا ہوگئی وہ بھلا یہ کیونکر برداشت کر سکتی تھی کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی ریاست بھی اُس کے چنگل سے نکل جائے۔ چنانچہ اُس نے اس شوشہ کو ہوا دیتے ہوئے کہ نواب آف جونا گڑھ نے اپنی رعایا کی اکثریت کی منشاء کے خلاف الحاق کا فیصلہ کیا ہے۔ فوراً بمبئی میں سمل داس گاندھی کی صدارت میں جونا گڑھ کی ایک متوازن حکومت قائم کر دی۔ ظاہر

ہے اس اقدام کے غیر معمولی نتائج بھی نکل سکتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ اس شر سے بچنے کے لئے حکومت پاکستان اوّلین فرصت میں فوری اقدامات کرے۔

تاریخی اجلاس

ان ایام میں امام جماعت احمدیہ صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب عارضی طور پر رتن باغ لاہور میں قیام پذیر تھے جہاں آئے دن کشمیر کے مسئلہ پر غور وفکر اور (ملنے کے لئے آنے والے کشمیری کارکنوں سے) اس سلسلہ میں مستقبل کے اقدامات کا جائزہ لیا جاتا رہتا تھا۔ بمبئی میں جونا گڑھ کے متوازی حکومت قائم کئے جانے کی خبر یہاں پہنچی تو آپ نے مقتدر کشمیری مہاجرین اور ارکان مسلم کانفرنس کو (اُن میں سے جتنے بھی اکٹھے ہو سکے) اس سلسلہ میں مستقبل کے اقدامات کا جائزہ لیا جاتا رہتا تھا۔ بمبئی میں جونا گڑھ کے متوازی حکومت قائم کئے جانے کی خبر یہاں پہنچی تو آپ نے مقتدر کشمیر مہاجرین اور ارکان مسلم کانفرنس کو (اُن میں سے جتنے بھی اکٹھے ہو سکے) 2/اکتوبر 1947ء کو رتن باغ میں جمع کیا۔ اس اجلاس میں مسئلہ کشمیر کی تازہ ترین صورتِ حال پر غور وفکر اور عمیق تبادلہ خیال کے بعد درج ذیل فیصلہ کیا گیا کہ

آزاد کشمیر حکومت کا قیام

(ا) حکومت آزاد کشمیر کا فوری قیام اور اعلان از بس ضروری ہے جس میں اب ایک دن کی تاخیر بھی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔

(ب) مقررہ آزاد کشمیر حکومت (جس کے طریقِ کار کا ڈھانچہ اس اجلاس نے تیار کیا ہے) کے قیام کا اعلان بلا تاخیر ریڈیو پاکستان اور پاکستانی پریس کے ذریعہ کر دیا جائے۔

(ج) اس سلسلہ میں تمام برقیئے (بشمول بیرونی پریس) راولپنڈی سے بھجوائے جائیں۔

(د) نوزائیدہ حکومت کے صدر مقام کے طور پر مظفر آباد کا اعلان کیا جائے۔

(ہ) مسلم کانفرنس کے سرگرم رکن کشمیر اسمبلی کے ممبر اور تحریک آزادیٔ کشمیر کے ابتدائی مجاہد و راہنما جناب خواجہ غلام نبی گلکار (جنہیں مجوزّہ آزاد کشمیر حکومت کا صدر مقرر کیا جاتا ہے) فی الحال اپنا نام ظاہر نہ کریں۔ اور تمام کچھ عرصہ تک اپنے قلمی نام (انور کے) سے کریں۔

(و) مغربی پاکستان کے صدر مقام لاہور میں نوزائیدہ آزاد کشمیر حکومت کے حق میں فوراً ایک پراپیگنڈا دفتر کھول دیا جائے۔

واضح رہے اُس وقت موجودہ کوئی اور کشمیر راہنما بھی یہ ذمہ داری اُٹھانے کے لئے تیار نہ تھا لہٰذا خواجہ غلام نبی گلکار صاحب کو بہ امر مجبوری یہ ذمہ داری اٹھانا پڑی اُن کے نام کے اخفاء میں رکھے جانے کے پس پردہ یہ حکمت بھی تھی کہ آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا اعلان ہوتے ہی انہیں فوراً سری نگر پہنچ کر وہاں اس اجلاس کے مجوزہ منصوبہ کے مطابق (زیر زمین) کام شروع کرنا تھا۔

اعلان قیام حکومت

چنانچہ اس تاریخی اجلاس کے فیصلہ کے مطابق خواجہ غلام نبی گلکار کی صدارت میں آزاد کشمیر حکومت قائم ہوگئی اور 4-5/ اکتوبر 1947ء کو ریڈیو پاکستان کے لاہور اسٹیشن سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اس کے قیام کا اعلان نشر ہوتا رہا۔ جس سے کشمیر اور ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ مسلمانان کشمیر نے اس طمانیت بخش نوید کو سُنتے ہی اظہار مسرت کے طور پر مٹھائیاں تقسیم کیں اور مشہور انگریزی جریدہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' نے اس اہم ترین خبر کو ان الفاظ میں شائع کیا۔

(ترجمہ) ہفتہ کی رات کو راولپنڈی سے تاخیر سے موصول ہونے والے تار کے مطابق

''...... ریاست کشمیر کے لئے عارضی جمہوری حکومت کا قیام

پاکستان کی سرحد سے 20 میل دُور مظفر آباد میں عمل میں آیا۔ یہ اعلان مسٹر انور کے دستخطوں سے جاری ہوا ہے جو اپنے تئیں عارضی جمہوریہ کشمیر کا صدر بیان کرتے ہیں۔ اس کے مطابق برطانیہ کا اقتدار اعلیٰ ختم ہوتے ہی کشمیر کے حکمران خاندان کے وہ تمام حقوق زائل ہو گئے ہیں جن کا دعویٰ وہ بیعانہ امرتسر کی بنا پر کرتا تھا۔ جس کے ذریعہ برطانیہ نے کشمیر کو 50 لاکھ روپے کی معمولی رقم (75 لاکھ نانک شاہی) کے عوض گلاب سنگھ جو موجودہ (راجہ) ہری سنگھ کا جد تھا فروخت کر دیا تھا ریاستی عوام نے مظفر آباد کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر عارضی جمہوری حکومت قائم کی ہے۔ اعلان میں مزید بتایا گیا ہے کہ 4/ اکتوبر 1947ء کو ایک بجے رات کے بعد موجودہ حکمران ہری سنگھ یا کوئی اور شخص جو اس کے احکام یا ہدایات پر ریاست کی حکمرانی کا دعویٰ کرے گا۔ اسے عارضی جمہوریہ کشمیر کے قوانین کے تحت سخت سزا دی جائے گی۔ آج سے تمام قوانین احکامات اور ہدایات جو عارضی جمہوریہ کشمیر کی جانب سے شائع اور جاری ہوں گے عوام کا فرض ہے کہ وہ ان احکام کی تعمیل اور ان کا احترام کریں مسٹر انور کشمیر مسلم کانفرنس کے ممتاز ممبر ہیں جس مسلم کانفرنس کے پریذیڈنٹ چوہدری غلام عباس اور جنرل سیکرٹری آغا شوکت علی ہیں جو ایک سال سے بحکم کشمیر گورنمنٹ محبوس ہیں۔
"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور 8/ اکتوبر 1947ء)

ہفتہ وار رسالہ لائیٹ کا نوٹ

اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایڈیٹر ہفتہ وار رسالہ لائیٹ (Light) مولانا محمد یعقوب خان نے (جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رکن رہ چکے تھے اور یوں انہیں اس کارِ خیر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین صاحب سے عملی تعاون کی سعادت حاصل ہو چکی تھی۔) لکھا:

ترجمہ ''......ہم پریس میں جانے کی تیاری کررہے تھے کہ کشمیر سے کشمیر کے عوام کی طرف سے خودمختاری کے اعلان کی خوشخبری موصول ہوئی جس سے منکشف ہوا کہ ''بمقام مظفر آباد ایک عارضی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ خودمختاری کے اس اعلان میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہری سنگھ کا راج ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کے قانونِ آزادیٔ ہند کے مطابق ختم ہو گیا ہے۔ اب اُسے کوئی اخلاقی قانون اور مذہبی حق نہیں رہا کہ وہ ریاست کی مرضی کے خلاف اُن پر حکمرانی کرے لہٰذا اس کے نتیجہ میں اُسے معزول کیا جاتا ہے اور 4/اکتوبر سے اس پر عمل ہوگا۔

اعلان میں مزید کہا گیا ہے کہ اب تمام وزراء اور عہدیداران اور ملازمین پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عارضی جمہوریہ کشمیر کے احکامات و ہدایات کی پوری پوری پابندی کریں جس شخص نے بھی اس قائم کردہ آئینی حکومت کی خلاف ورزی کی یا کسی رنگ میں معزول شدہ غاصب مہاراجہ کی امداد یا حوصلہ افزائی کی اُس کا یہ فعل بغاوت کے مترادف ہوگا اور اُسے مناسب سزا دی جائے گی۔''

(ویکلی لائٹ لاہور 8/اکتوبر 1947ء)

عارضی جمہوریہ کشمیر کے قیام کا اعلان چونکہ مسلمانانِ کشمیر کے دلوں کی دھڑکنوں کی آواز تھا اس لئے اُس کے نشر ہوتے ہی ریاست بھر میں ہرکہیں حریت پسندانہ جوش وخروش کا مظاہرہ کیا گیا۔ جسے دیکھ کر مشہور کشمیر مصنف ومؤرخ پنڈت پریم ناتھ بزاز بھی یہ لکھے بغیر نہ رہ سکے۔

''یہ تاریخی اعلان ریڈیو پاکستان سے نشر کیا گیا جسے باشندگانِ کشمیر نے پُرجوش جذبات سے سُنا۔'' (ہسٹری آف دی مسٹرگل فار فریڈم اِن کشمیر صفحہ 620)

مشرقی پنجاب میں

راقم الحروف انہی ایام میں مشرقی پنجاب میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے فرزند ارجمند صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد ایم۔اے۔آکسن (موجودہ امام جماعت احمدیہ) کی زیر قیادت کام کر رہا تھا۔ ہم لوگ مسلمانوں کے انخلاء اور مغویہ خواتین کی بازیابی کے لئے سرگرم عمل تھے۔ محترم صاحبزادہ صاحب جماعت کے جوانوں کی مرکزی تنظیم خدام الاحمدیہ کے صدر تھے اور خاکسار آپ کی مجلس عاملہ کا ایک رکن حضرت صاحبزادہ صاحب کے منصوبوں اور احکام کے تحت جِس طرح گولیوں کی بوچھاڑوں کی پروا نہ کرتے ہوئے مسلمان عورتوں اور بچوں کو فرقہ واریت کے درندوں کے چنگل سے چھڑایا گیا۔ اُس کی تفاصیل کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ جسے اللہ توفیق عطا فرمائے گا وہ جب اس خونی داستان کو رقم کرے گا تو واضح ہوگا کہ کس طرح ہمارے کئی ساتھی اس نیک سعی کو بروئے کار لاتے ہوئے ہماری آنکھوں کے سامنے شہید کر دیئے گئے لیکن ان جوانوں نے اپنا خون دے کر ہزارہا جانوں کو بچالیا۔

خدا ان جان نثاران قوم پر اپنی اَن گنت رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

جب انخلاء کا کام تقریباً مکمل ہوگیا اور دونوں حکومتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب قافلوں کا

تبادلہ نہ ہوگا تو ہمیں بھی ارشاد پہنچا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے ان ساتھیوں کو ساتھ لے کر جو پاکستان آنا چاہیں لے کر لاہور پہنچ جائیں چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں آخری قافلہ ترتیب پایا جس میں کئی وہ بے بس اور مسکین مسلمان لڑکیاں بھی تھیں جنہیں احمدی جوانوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر برآمد کیا تھا۔ یہ قافلہ بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وعافیت 16/نومبر 1947ء کو لاہور پہنچ گیا۔

قیام کب عمل میں آیا

جیسا کہ اوپر ریڈیو پاکستان کے نشریوں نیز سول اینڈ ملٹری گزٹ کے خبریئے اور ہفتہ وار لائٹ کے اُچٹتے سے تبصرے میں بتایا گیا ہے عارضی حکومت آزاد کشمیر کا قیام 4/اکتوبر 1947ء کو عمل میں آیا تھا۔ البتہ اس کی تنظیم نو 24/اکتوبر 1947ء کو کی گئی۔ افسوس کہ بعض قلمکاروں نے آزاد کشمیر حکومت کے قیام کے سلسلہ میں شاید اصل واقعہ معلوم نہ ہونے کے باعث 24/اکتوبر کی تاریخ ہی کو قیام حکومت کی تاریخ لکھا ہے۔ حالانکہ اس حقیقت کو کشمیر کے ثقہ اور مشہور مؤرخین پنڈت پریم ناتھ بزاز اور جسٹس محمد یوسف صراف نے بھی تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ پاکستان اور یورپ کے جرائد کے کالم بھی دستاویزی شہادتوں کے طور پر موجود ہیں۔ اور ان سب پر مستزاد 24/اکتوبر کو باقاعدہ قائم کی جانے والی حکومت کا یہ اعلان کہ ہم قائم شدہ آزاد کشمیر حکومت کی تنظیم نو کر رہے ہیں۔

پہلا صدر۔ انوؔر

اس بات میں کسی باخبر کو اختلاف نہیں کہ 2/اکتوبر 1947ء کو رتن باغ لاہور میں کارکنان کشمیر کا جو تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا اور جو حضرت امام جماعت احمدیہ (صاحبزادہ مرزا

بشیر الدین محمود احمد) کے ایما پر بلایا گیا تھا اور اُن کی قیام گاہ ہی پر منعقد ہوا۔اسی اجلاس میں عارضی آزاد کشمیر حکومت کی داغ بیل پڑی تھی۔جس میں اقتضائے حالات کے باعث اُس کے پہلے صدر کا قلمی نام،انورؔ تجویز ہوا تھا۔

راقم الحروف نے جب ''کشمیر کی کہانی'' لکھنے کا ارادہ کیا تو بعض موضوعات کے بارے میں رہنمایان کشمیر سے بھی استصواب کیا۔چنانچہ آزاد کشمیر حکومت کے قیام کے ذکر پر تحریک آزادی کشمیر کے ابتدائی معروف رکن (جنہوں نے اپنی حریت پسندانہ سرگرمیوں کے باعث جلاوطنی اور قید و بند کی اذیتیں بھی برداشت کیں۔) مفتی ضیاءالدین صاحب ضیاء نے بتایا کہ

''...... دراصل 2/اکتوبر کے تاریخی اجلاس میں جتنے بھی کارکنانِ کشمیر موجود تھے ہم سب کی یہ متفقہ رائے تھی کہ اس منصب کے لئے سوائے خواجہ غلام نبی گلکار اور کوئی اہل نہیں ہے۔وہ کشمیر کے نڈر لیڈر ہیں مسلم کانفرنس کے سرکردہ رکن ہیں جب چوہدری غلام عباس ایسا لیڈر بھی نیشنل کانفرنس کے جال میں جا پھنسا تھا گلکار اس وقت بھی مسلم کانفرنس کا علم بلند کئے رہے۔حالانکہ شیخ محمد عبداللہ سے اُن کے تعلقات بہت قدیمی تھے پھر وہ تاریخ کشمیر کی معروف شخصیت اور کشمیر اسمبلی کے ممبر بھی تھے اور ان سب پر مُستزاد یہ بات کہ وہ ہم سب سے زیادہ اوپر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔''

مفتی صاحب نے اپنے اظہار کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ اس ساری بحث میں خواجہ گلکار خاموش اور غیر متعلق سے رہے یہاں تک کہ اُن کے بارے میں شرکاء اجلاس کو مخاطب کر کے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:

اُن کی ان تمام خوبیوں کے باوصف آپ بات کے اسی پہلو کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔ کہ گلکار احمدی بھی ہیں۔ اگر میں انہیں صدر بننے کی اجازت دے دوں تو جنونی ملا مذہبی منافرت آرائی شروع کر دے گا۔ اور دشمن کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اور ہمارا مقصد دشمن کے ظالم پنجے سے مظلومین کشمیر کی نجات ہے۔"

اس پر تین چار متبادل نام پیش ہوئے جن میں ایک میرا (مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء) کا نام بھی تھا۔ میں نے کہا کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے اس کے لئے ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کی ضرورت ہے۔ اور میں انگریزی نہیں جانتا۔ صرف علم دین جانتا ہوں۔ اسی طرح ایک یا دوسرے عذر پر پیش کئے جانے والے تمام متبادل نام نظر انداز ہو گئے۔ اس پر چار و ناچار حضرت مرزا صاحب کو گلکار صاحب کو یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے اجازت دینا پڑی لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ شرط لگا دی کہ

"وہ عارضی صدر ہوں گے اپنے قلمی نام سے کام کریں گے اور پھر کسی موزوں وقت پر مستقل صدر کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

اور مجھے خوب یاد ہے حضرت مرزا صاحب نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ

"جب پاکستان میں عارضی حکومت کے قیام کا اچھی طرح اعلان ہو جائے تو گلکار صاحب سری نگر جا کر (انڈر گراؤنڈ) کام کرنا شروع کر دیں۔"

کشمیر سے واپسی پر

اور خواجہ گلکار نے اس ارشاد کی تعمیل کی۔ وہ اعلان کے فوراً بعد ہی سرینگر چلے گئے اور وہاں کام کرتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر جب قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان آئے اور ان

سے ان کے بحیثیت صدر تقرر کا ذکر چھڑا تو انہوں نے نہ صرف مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء کے متذکرہ بالا بیان کی حرف بہ حرف تصدیق کی بلکہ اس بات کی تصدیق بھی کی کہ

انہی کا قلمی نام......انور......تھا اور یہ لفظ......انور......اس وقت سے ان کے نام کا حصہ بن گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے آتے ہی اس بارے میں برملا انکشاف کیا کہ......انور...... یہ غلام نبی گلکار ہی تھا۔ وہی آزاد کشمیر کا صدر تھا۔ اور ان کا یہ برملا انکشاف و اعلان اخبارات کے کالموں کی آج بھی زینت ہے۔

منظوم تاریخ میں ذکر

مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء نے بھی ایک منظوم ''تاریخِ حریتِ کشمیر'' تحریر فرمائی ہے۔ جو ایک ہزار کے لگ بھگ اشعار پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف کو اس کے متعدد حصے خود شاعر و مصنف کی زبان سے سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس منظوم ''تاریخ حریت کشمیر'' کے بعض حصے اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس میں جابجا خواجہ غلام نبی گلکار کی حریت پسندانہ سرگرمیوں کا ذکر آتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ ''عارضی آزاد کشمیر حکومت'' کا صدر...... انور......کون تھا۔ مفتی صاحب کہتے ہیں:

غلام نبی گلکار انور

دریں دور مردیکہ گلکار ہست   برائے وطن بسکہ غم خوار ہست

بسے دیدہ باشی با اخبار ہا   ز حالات انور بسا کارہا

ہموں کس با نماز فتنہ فساد   ز کشمیر بستہ کمر خوش نہاد

ز سرحد کشمیر بیروں نہاد — قدم ایں نکوکام بہر جہاد
دو چارش بہ ہمراہ کفار شد — ز تدبیر او کفر لاچار شد
بنزدیک دو میل پرچیم بلند — بآزادئی ملک زیں ہوشمند
ازاں پس ز کشمیر تا شام و روم — چو برق ایں خبر شد بہر خرد بوم
بہر سمت کیں شہرہ مقبول شد — کہ از حکم گلکآر معزول شد
ہری سنگھ کہ آں راجۂ کشمیر — کزونتنگ بودند بر ناو پیر
ز انور چو اعلان جاری شدہ — بخقش کزاں بعد خواری شدہ
چہارم کہ از ماہ اکتوبر آں — سن یکہزار نیز نہصد بداں
مزیدے برآں چہل وہفت اے عزیز — ز دل بشنو ایں قصہ اے پرتمیز
قیام حکومت ز انور شدہ — بادل ازیں کس نکو تر شُدہ
دریں نیست ریبے کہ تحریر شد — بلاکیف و کم راست تسطیر شد
ازاں پس ز دو میل ایں خوش سیر — روانہ شدہ سوے سری نگر
بجا مع در آنحال پیش کساں — کم و بیش کآں ماجرا شدبیاں
شنیدند ز گلکار چوں ایں پیام — کہ شُد پرچم دین زیں نیک نام
زدستش بسرحد بلند ای خوشا — بخقش ندائے نکو مرحبا
چپ و راست برخاست بہجت کناں — ہزار آفریں برچنیں نوجواں
چو نیکو بنائے کہ تعمیر شد — زد ستش پئے فتح کشمیر شد

ازاں پس غازی براہیم خاں منظّم حکومت شدہ فی العیاں
بتاریخ در بست و چارم بداں
کہ در ماہ اکتوبر اینک بخواں

انور کون ہے

اسی طرح اس تاریخی واقعہ کے ایک چشم دید گواہ گل احمد کوثر ہیں جنہوں نے ان تمام حالات پر مشتمل تفصیل اپنے اخبار ''ہمارا کشمیر، مظفر آباد'' میں قلمبند کی اور واضح طور پر لکھا کہ

''انور............ فی الحقیقت خواجہ غلام نبی گلکار ہی تھے اور وہی آزاد کشمیر حکومت کے پہلے صدر تھے۔''

اس سلسلہ میں اگر کسی ذہن میں اب بھی کوئی اشتباہ باقی رہ گیا ہو تو اس کے ازالہ کے لئے یقیناً ان تین ثقہ و غیر جانبدار مؤرخین کی آراء کافی ہونی چاہیئے۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

(الف) ترجمہ ''انور...... غلام نبی گلکار (جو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن اور تحریک حریت کشمیر کے آزمودہ کار فرما تھے) کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔''

(The History of stranggte for freedom in Kashmir pandit prem by Nath Bazaz P 621)

(ب) ترجمہ ''......اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ مسٹر غلام نبی گلکار ہی تھے جنہوں نے پریس کے نام تاروں کے ذریعہ راولپنڈی سے یہ اعلان جاری کیا تھا۔''

(Kashmiris Fight for freedom by Justice M. Y. Saraf chief Justice Kashmir H.C. PP 1286-1287)

(ج) ترجمہ ''یہ بھی ثابت شدہ امر ہے کہ جب وہ (غلام نبی گلکار) لاہور سے راولپنڈی

آئے تو یہ ڈرافت اُن کے پاس تھا۔ اس وقت کوئی بھی تو سامنے نہیں آیا جس نے ڈرافٹ کے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ مسٹر غلام نبی گلکار جو سری نگر میں نومبر 1947ء میں گرفتار ہوئے پاکستان میں دوسروں کے ساتھ 1949ء میں ہندوستانی قیدیوں کے بدلہ میں (رہا ہوکر) وارد ہوئے اور یہاں پہنچتے ہی فوراً انہوں نے اپنے (عارضی حکومت کے پہلے صدر ہونے کا دعویٰ کیا۔''

(Kashmiris Fight for freedom PP 1287 by Saraf)

(د) ترجمہ ''حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد 4/ اکتوبر کو پڑی تھی اور اُس کے پہلے صدر خواجہ غلام نبی گلکار تھے اور سردار محمد ابراہیم خاں اس حکومت کے پرائم منسٹر تھے جب خواجہ غلام نبی گلکار مظفر آباد سے اندرون کشمیر گئے تو اُس کے بعد 24/ اکتوبر 1947ء کو امام حکومت سردار محمد ابراہیم کے ہاتھ میں آ گئی۔''

(Two Nations & Kashmir 1956 Edition PP. 81)

خواجہ غلام نبی گلکار کو ریڈیو پاکستان لاہور سے ہونے والے بار بار کے اعلانات نیز سول اینڈ ملٹری گزٹ اور ہفتہ وار لائٹ میں عارضی آزاد کشمیر حکومت سے متعلقہ اعلان کی نشر و اشاعت سے اطمینان ہوگیا کہ ابتدائی مرحلہ طے ہوگیا ہے تو وہ پروگرام کے دوسرے مفوضہ حصے کی انجام دہی کے لئے سرینگر چلے گئے۔

ایک اور شہادت

چیف جسٹس محمد یوسف صراف بیان فرماتے ہیں کہ وہ شروع (ماہ) اکتوبر میں راولپنڈی پہنچے۔ چند دن بعد اُن سے سردار محمد ابراہیم خاں نے لاہور جانے کے لئے کہا تا کہ وہاں تحریک کے لئے نشر و اشاعت کا دفتر قائم کیا جا سکے۔ لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''اُنہوں نے مجھے یہ بتایا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کے (امام) میرزا بشیر

الدین محمود احمد صاحب سے پہلے ہی بات کر لی ہوئی ہے اور مجھے دفتر قائم کرنے کے لئے ان کی اعانت حاصل کرنے کے لئے) اُن کے پاس جانا ہے۔''

(Kashmiries Struggle for Freedom Page 1285 by Saraf)

آگے لکھتے ہیں:

''...... لاہور پہنچ کر میں آپ (حضرت مرزا صاحب) کی رہائش واقع رتن باغ پہنچا اور اُن سے اُن ہدایات کا ذکر کیا جو مجھے دی گئی تھیں۔اس گفتگو میں مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اُن کا اس تمام کارروائی اور عمل میں بڑا گہرا تعلق ہے۔اور حصول آزادی کے مقصد کے لئے وہ مقدور بھر کوشش کر رہے تھے۔انہوں نے کسی کو مقرر فرمایا کہ میرے لئے میکلوڈ روڈ پر بروسز ہوسٹل کے قریب دفتر کے لئے انتظام کیا جائے اور یوں 24 گھنٹوں میں دفتر تیار ہو گیا۔اور اُس کا نام مسلم کانفرنس پبلسٹی بیورو رکھا گیا۔''

(Kashmiries Struggle for Freedom Page 1285 by Saraf)

قانون اور آئین کی بات

تاریخ حریت اقوام دملل سے نابلد کوئی معترض یہ دریافت کرسکتا ہے کہ کیا آزاد جموں کشمیر حکومت کا قیام۔اس کا اعلان اور اُس حکومت کے صدر اور وزراء کا تقرر غیر قانونی تو نہ تھا۔آخر یہ سب کچھ کس ضابطہ اور آئین کے تحت ہوا؟

ایسے سوال کا سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہاں یہ سب کچھ اُس آفاقی آئین کے تحت عمل میں آیا تھا۔اقوام متحدہ کے چارٹر تک میں تسلیم کیا گیا ہے اور جس کی رو سے جبر و غصب

سے آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور الزامی جواب یہ ہے کہ......جس حکومت کے جواب میں یہ آزاد حکومت کی گئی تھی۔جس کی نیو بیعانہ امرتسر پر اٹھائی گئی اور جس میں 22 لاکھ مظلوموں کو 50 لاکھ روپے کے عوض فروخت کر کے اُس کے سپرد کر دیا گیا کہ وہ جس طرح چاہے اُن کی جانوں، جسموں اور عصمتوں سے کھیلے۔کیا اس کا قیام اور کیا دھرا سب کچھ آئینی تھا۔آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا جواز تو انہی آثار وشواہد سے واضح ہے کہ

اس کے قیام کا اعلان سنتے ہی نہ صرف پاکستان میں بلکہ مقبوضہ کشمیر کے کونے کونے میں اُس کا خیر مقدم ہوا۔

- ریڈیو پاکستان نے اس کے قیام کا بار بار اعلان نشر کیا۔
- پاکستانی اور بیرونی پریس نے اس اعلان کو نمایاں طور پر شائع کیا۔
- مظلومین کشمیر نے یہ اعلان سنتے ہی مٹھائیاں تقسیم کیں۔گویا جمہور کے ردّعمل نے بہ بانگ دہل اس قیام کے جواز کی تصدیق کر دی۔سوائے ہندوستان کے سیاسی پنڈتوں کے جن کے خریدنے اور بیچنے کے باٹ ہمیشہ مختلف رہے ہیں۔اور جس نے دیدہ دانستہ حکومت برطانیہ کے اعلان کو پس پشت ڈال کر کشمیر اور حیدر آباد کی ریاستوں پر بالجبر تسلط جمانے کے لئے دو مختلف طریقے اختیار کیے۔

تاریخ سے نابلد لوگوں کی موشگافیوں کا کیا ہے۔4/اکتوبر 1947ء کو آزاد حکومت قائم کر کے اور اُس کا اطراف وجوانب میں خیر مقدم ہونے کے بعد جب اس کے پہلے صدر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق سری نگر تشریف لے گئے اور اُن کے بعد حکومت کی تنظیم نو عمل میں آئی اور اُن کی جگہ سردار محمد ابراہیم خاں آزاد کشمیر حکومت کے دوسرے صدر مقرر ہوئے۔تو مجھے خوب یاد ہے۔اس کی تائید میں لاہور میں ایک جلسہ کا انعقاد ہوا جس میں ایک مقرر نے دردوسوز سے یہ تحریک

کی کہ

(۲) ہمیں آزاد کشمیر کی نوزائیدہ حکومت کی بھرپور اعانت کرنی چاہیئے۔تو مسلم کانفرنس ہی کے ایک انتہائی ذمہ دار یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے تھے کہ مقرر کو ایسی غیر قانونی حکومت کے قیام کا اپنی تقریر میں یوں برملا ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

ع قیاس کن زنگلستان من بہار مرا

کاش کوئی منچلا اُن سے دریافت کرتا...... کہ جب کسی امن پسند شہری کے گھر پر غاصب اور ڈاکو حملہ آور ہوں اور گھر کے مکینوں کو نکال باہر کر کے اُس پر قبضہ کر لیں اور مالک مکان اپنا گھر چھین جانے کے بعد اُس کا کچھ حصہ زور بازو سے خالی کرا کے اُس پر دوبارہ قبضہ کر لے۔تو کیا یہ آئین کی خلاف ورزی ہوگی۔

حیرت ہے جب جونا گڑھ کی مسلم ریاست کو ہضم کرنے کے لئے مسٹر سمل داس گاندھی کی سرکردگی میں جونا گڑھ کی ریاست سے باہر بمبئی میں متوازی حکومت بنائی گئی۔ایسے احباب کو اُس وقت اُس کے خلاف آئینہ اور غیر مستند ہونے کے اعتراض کیوں نہ سوجھے۔......اور پھر جب بالآخر ہندوستان نے جونا گڑھ کو ہڑپ کر کے اپنے اندر ضم کر لیا۔تو ایسا کسی آئین اور قانون کے تحت کیا گیا تھا۔

بے شک کشمیری قوم ہی نہیں پوری انسانیت شکر گزار ہے۔اُن محسنوں کی جنہوں نے خداداد فراست و بصیرت سے کام لیتے ہوئے عین وقت پر اقدام پر کر کے ریاست کا ایک حصہ واگزار کرا لیا۔ورنہ جو حال جونا گڑھ منگرول مناد ر اور حیدرآباد کا ہوا ہے۔وہی حال کشمیر کا ہوتا۔اور پوری کی پوری ریاست (بلکہ دوسرے الفاظ میں پاکستان کی شہ رگ)

ہندوستان کے قبضہ میں ہوتی اور کوئی استصواب کا نام لینا تو درکنار استصواب کے

بارے میں خواب تک نہ دیکھ سکتا۔

سردار ابراہیم کی نامزدگی

اب جو آزاد کشمیر حکومت کے قیام اور اُس کے پہلے (عارضی) صدر خواجہ گلکار کے سرینگر چلے جانے کے بعد اس کی تنظیم نو کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو اس دوسرے حصہ کی کچھ تفصیل بیان کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا۔ سردار محمد ابراہیم خان سے منسوب یہ بیان شائع شدہ موجود ہے کہ

> ''وہ 23/اکتوبر 1947ء کو اپنی قیام گاہ پر سوئے ہوئے تھے کہ نصف شب کے بعد خواجہ عبدالرحیم صاحب (کمشنر راولپنڈی ڈویژن) اور بیگم شاہنواز صاحبہ کی صاحبزادی نسیم شاہنواز نے انہیں بیدار کر کے یہ اطلاع دی کہ اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ تمہاری صدارت میں آزاد جموں و کشمیر حکومت کی از سر نو تنظیم کی جائے اور اس کا اعلان کرنے میں تاخیر ممکن نہیں۔''

(Kashmiries Struggle for Freedom PP by Saraf)

گویا 23/اکتوبر 1947ء کو رات گئے تک خود سردار محمد ابراہیم خاں کو بھی یہ علم نہ تھا کہ وہ صدر بنائے جا رہے ہیں اور وہ بھی اس طرح صدر نامزد ہوئے تھے جس طرح خواجہ گلکار (عارضی) صدر بنے تھے۔

گلکار و ابراہیم

تاریخ کشمیری قوم کے ان دو مجاہدوں کے اس ایثار کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتی کہ جب یہ عظیم ذمہ داری پہلے 4/اکتوبر کو خواجہ غلام نبی گلکار المعروف بہ انور اور پھر 24/اکتوبر کو سردار محمد ابراہیم خاں

کے سپرد کی گئی۔ تو ان دونوں میں سے کسی نے بھی مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے بعض دوسرے ارکان کی طرح یہ عذر لنگ پیش نہیں کیا کہ

''ہمارے تو رشتہ دار ابھی ریاست کشمیر میں بیٹھے ہیں اس لئے

ہمیں اس ذمہ داری سے باز رکھا جائے۔''

حالانکہ یہ وقت اپنے چند اعزہ و اقربا کی طرف دیکھنے کا نہیں پوری کشمیری قوم کی نجات و آزادی کے لئے سوچنے اور ایثار کرنے کا وقت تھا...... کیا یہ سچ نہیں کہ سردار محمد ابراہیم خاں کے نام قرعہ فال پڑنے سے بھی پہلے اراکین مسلم کانفرنس نے خواجہ گلکار کی جگہ مسلم کانفرنس کے دو معروف رہنماؤں کے نام صدارت کے لئے پیش کئے تھے۔ مگر ان دونوں نے بھی اسی عذر پر کہ ان کے عزیز و اقارب ابھی ادھر ہیں۔ اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ اس کے برعکس

خواجہ گلکار کا کردار یہ ہے کہ انہیں کشمیر سے عارضی طور پر بلایا گیا تھا۔ اور وہ یہاں عارضی آزاد حکومت قائم کر کے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت پھر سرینگر پہنچے تھے جہاں جیل کی کال کوٹھڑی اُن کے انتظار میں تھی۔............ تاریخ تحسین کے پھول

تھڑ دلوں پر کب نچھاور کرتی ہے۔

خوب یاد ہے۔ کشمیر سے پنڈی آئے ہوئے مسلم کانفرنس کے اراکین 23/ تاریخ کو اپنے ساتھ راولپنڈی کے بعض کارکنوں کو لے کر لاہور آئے تھے۔ یہاں اُن کی ملاقات آزادئ کشمیر سے دلچسپی رکھنے والے بعض احباب اور صحافیوں کے علاوہ حضرت امام جماعت احمدیہ (صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) سے بھی ہوئی۔ کاش اس وفد کا کوئی رکن ان ملاقاتوں کا ماحصل من وعن بیان کر دیتا۔ کچھ اور نہیں مورخین کا کام تو آسان ہو جاتا۔

باب پنجم

مسئلہ کشمیر (اقوام متحدہ کی) مجلس امن میں

''صاحبِ صدر! آپ کو اور اراکین مجلس کو یاد ہوگا کہ ابھی چند دن ہوئے ہندوستان کے فاضل نمائندہ نے شکوہ کے طور پر کہا تھا کہ ''کشمیر جل رہا ہے اور مجلس امن ستار بجا رہی ہیں۔'' کیا میں ہندوستان کے نمائندہ سے دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ کہ اب کیا کشمیر کو جلانے والی آگ ٹھنڈی ہو گئی ہے؟ اور اگر نہیں تو اب کون ستار بجا رہا ہے۔''

(نمائندہ کولمبیا)

برطانوی حکومت کا رویہ برصغیر کی تقسیم کے معاملہ میں شروع ہی سے کانگریس کے حق میں اور مسلم لیگ کے خلاف تھا۔ وہ نہ تقسیم چاہتی تھی نہ پاکستان کا قیام۔ لیکن جب حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ تقسیم برصغیر ناگزیر ہو گئی تو پھر اس نے اپنی ساری کوششیں اس سازش پر مرتکز کر دیں کہ پاکستان کو بنیادی طور پر اتنا کمزور کر دیا جائے کہ اس کا وجود ہمیشہ خطرے میں رہے۔

مسٹر اٹیلی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا رویہ گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے بارے میں جتنا خوشگوار اور ان سے روابط جتنے گہرے تھے۔ قائداعظم کا وجود ان کے لئے اتنا ہی ناقابل برداشت تھا۔ مسٹر اٹیلی کا تو یہ حال تھا کہ وہ ایک دن پارلیمنٹ میں بھی اپنے اس غیض و غضب کا اظہار برملا

طور پر کئے بغیر نہ رہ سکے۔انہوں نے کہا۔

''ہم تو چاہتے تھے کہ آزادی کشمیر کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے پہلے گورنر جنرل ہوں۔لیکن افسوس ہے کہ مسٹر جناح رضامند نہ ہوئے۔

(تحدیث نعمت صفحہ 499)

اس کے بعد باؤنڈری کمیشن کی کارروائی کے دوران جو بدیانتیاں کی گئیں اور جن سیاسی پرکاریوں سے ریاست جموں وکشمیر کی 75 فیصد آبادی کو ہندوستان کی جھولی میں ڈالا گیا۔اس پر دیانت وانصاف ہمیشہ سر پیٹتے رہیں گے۔آیئے ذرا ان سیاسی پرکاریوں پر بھی ایک نظر ڈال دیں۔

سیاسی پرکاریاں

لارڈ ماؤنٹ بیٹن جون 1947ء میں سرینگر تشریف لے گئے۔ان کے اس سفر کی اصل غرض وغایت یہ تھی کہ بالواسطہ انداز میں مہاراجہ کو اس سے باز رکھیں کہ وہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت کے باعث ریاست کے پاکستان سے الحاق میں جلدی نہ کرے۔ ریاست کے مقتدر اور صائب الرائے ہندوؤں تک کی یہی رائے تھی کہ مذہبی، تمدنی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے ریاست کا الحاق پاکستان ہی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

بعد میں جب حقائق منظر عام پر آئے اور ضلع گورداسپور کی بندر بانٹ کی گئی تو یہ راز اچھی طرح منکشف ہو گئے کہ ماؤنٹ بیٹن کے سفر کشمیر کی غرض وغائت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ مہاراجہ کو جلد بازی میں الحاق کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے سے باز رکھا جائے۔......عجیب بات ہے کہ جب قائداعظم نے حالات سے آگہی کے لئے کشمیر جانا چاہا تو وائسرائے نے انہیں حالات کی ناسازگاری کا بہانہ پیش کر کے وہاں تشریف نہ لے جانے کا مشورہ دیا۔لیکن اس کے برعکس اس

عرصہ میں گاندھی جی کے وہاں جانے کے خفیہ انتظامات کر دیئے گئے۔ جو یکم اگست 1947ء کو سرینگر پہنچے۔ مہاراجہ اور مہارانی کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ورغلایا۔ ہندو تنظیموں سے ملے۔ جن میں نیشنل کانفرنس بھی تھی۔ کیونکہ اس کی حیثیت بھی کانگریس کی ایک وفا شعار کنیز سے زیادہ نہ تھی۔ شیخ عبداللہ جیل میں تھے اور بخشی غلام محمد پارٹی کے کرتا دھرتا تھے۔ گاندھی جی نے انہیں شرف ملاقات سے نوازا۔ بخشی جی نے شیخ عبداللہ کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔ ان دنوں ریاست کے وزیر اعظم پنڈت رام چندر کاک تھے۔ جو ریاست کے سینکڑوں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھدار ہندوؤں کی ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں تھے۔

چنانچہ گاندھی جی کے کشمیر سے واپس جاتے ہی پنڈت کاک کو وزارت عظمیٰ سے سبکدوش کر دیا گیا۔ اور ان کی جگہ ایک شدید قسم کے متعصب ڈوگرہ جرنیل جنک سنگھ کو ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ صرف اس لئے کہ وہ مسلم دشمنی میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اور اس کی پالیسی یہ تھی کہ قتل و غارت گری، آتش زدگی، لوٹ مار اور غنڈہ گردی سے ریاست کے مسلمانوں کو اس قدر ہرساں کر دیا جائے کہ وہ ریاست چھوڑ کر پاکستان بھاگنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور ریاست کشمیر میں بھی انسانیت دشمنی کا وہی جنونی ڈرامہ دوہرایا جائے جو پٹیالہ اور کپورتھلہ کی ریاستوں میں دوہرایا جا چکا تھا۔

گاندھی جی کے کشمیر سے واپس جانے کے بعد دوسرا اقدام یہ کیا گیا کہ شیخ محمد عبداللہ تو رہا کر دیے گئے۔ لیکن مسلم کانفرنس کے تمام بڑے بڑے لیڈر بشمول چوہدری غلام عباس جیلوں میں پڑے رہے۔ جنک سنگھ نے اپنا عہدہ سنبھالتے ہی ہر طرف آتش زنی، قتل و غارت گردی اور غنڈہ گردی کا بازار گرم کرا دیا۔ ہزاروں بے گناہ مسلمان قتل اور زخمی ہوئے۔ اور لاکھوں اپنی جانیں

بچا کر گرتے پڑتے پاکستان کے گھاٹ آ گئے۔

جنک سنگھ کے بعد

جب یہ شیطانی منصوبہ ایک بڑی حد تک کامیاب رہا تو جرنیل جنک سنگھ کو بھی جواب دے دیا گیا۔ اور دو اہم تقرریاں کی گئیں۔ پہلی یہ کہ کانگریس کے معتمد اور مسلمانوں کے دشمن مسٹر جسٹس مہر چند مہاجن کو کشمیر کا وزیراعظم اور مسٹر گوپالاسوامی آئنگر کو جو سات سال تک ریاست کے وزیراعظم رہ کر مسلمان دشمنی میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے۔ اور جن کے پہنچائے ہوئے زخموں سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ بھارت کی حکومت میں وزیر بے محکمہ کے طور پر شامل کر لیا گیا۔

اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب 4/ اکتوبر 1947ء کو حکومت آزاد کشمیر کا قیام عمل میں آیا تو پنڈت نہرو نے اس خبر پر بوکھلا کر فوراً ہندوستانی فوجیں ریاست میں داخل کر دیں لیکن مجاہدین نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ جس پر ہندوستان نے واویلا مچانا شروع کر دیا۔

فیڈرل کورٹ سے استعفیٰ

چوہدری محمد ظفر اللہ خان تقسیم ہند سے قبل فیڈرل کورٹ آف انڈیا میں سینئر جج تھے۔ جون 1947ء میں جونہی تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان ہوا۔ وہ فوراً اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے۔ نواب آف بھوپال ان دنوں دہلی ہی میں مقیم تھے۔ جب انہیں چوہدری صاحب کے مستعفی ہو جانے کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ان سے اپنے مشیر قانونی کی حیثیت سے بھوپال تشریف لے چلنے کی پیش کش کی جسے چوہدری صاحب نے منظور فرما لیا۔ چوہدری صاحب نواب صاحب کے ساتھ منسلک رہنے کا کل عرصہ چھ ماہ بنتا ہے جس میں سے چار ماہ کے قریب موصوف حضرت قائداعظم کے ایما پر پہلے باؤنڈری کمیشن میں اور پھر اقوام متحدہ کے اجلاس میں پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے مصروف رہے۔ حتیٰ کہ دسمبر 1947ء میں جب آپ قائداعظم کی خدمت میں اقوام متحدہ میں

کارروائی کی رپورٹ پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور آخر میں بھوپال کو واپسی کی اجازت چاہی تو قائداعظم نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ بھوپال جا کر وہاں سے جلد پاکستان آ جائیں۔نواب آف بھوپال کے دل میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بڑا جذبہ اور درد تھا وہ قائداعظم کو بھی بڑے احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے انہیں چوہدری صاحب کی زبانی جب قائداعظم کی خواہش کا علم ہوا تو فرمایا:

''آپ کو علم ہے کہ اس وقت ہم والیان ریاست پر بڑی ہی کڑی آزمائش کا وقت ہے۔آپ کے یہاں ہونے سے مجھے ایک گونہ قلبی اطمینان حاصل تھا۔لیکن پاکستان کی ضرورت اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کی بہبود کو میں اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہوں۔میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔''

اس کے ساتھ ہی چوہدری صاحب کی بحفاظت واپسی کے تمام انتظامات کی خود نگرانی فرمائی۔حتیٰ کہ اپنا 'بیچ کرافٹ' طیارہ بھی چوہدری صاحب کے حوالے کر دیا۔جس کے ذریعہ آپ 25/دسمبر 1947ء کو کراچی پہنچے۔

پہلے وزیر خارجہ

25/دسمبر کو جو قائداعظم کے یوم ولادت کی تاریخ ہے۔کراچی میں آپ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا جا رہا تھا۔جس میں چوہدری محمد ظفراللہ خان بھی مدعو تھے۔جونہی قائداعظم تقریب میں تشریف لائے آپ نے شرکاء استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اب چوہدری محمد ظفراللہ خان وزیر خارجہ پاکستان کے منصب کا حلف اٹھائیں گے۔''

جس پر چوہدری صاحب نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کے عہدہ کا حلف لیا اور کابینہ

میں ان کا مرتبہ وزیراعظم کے بعد مقرر رہوا۔

اس تقریب میں حضرت قائداعظم نے چوہدری صاحب سے کہا کہ 4/ جنوری 1948ء کو برما کا جشن آزادی ہے۔ جس میں آپ بحیثیت وزیر خارجہ پاکستان کی نمائندگی کریں گے۔ چوہدری صاحب نے دبی زبان میں کہا آج کے اخبارات سے یوں معلوم ہوا ہے جیسے ہندوستان کا ارادہ قضیہ کشمیر کو ''مجلس امن'' میں پیش کرنے کا ہے۔ جس کے لئے مجھے تیاری کرنا ہو گی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ برما کے جشن آزادی میں کوئی اور وزیر نمائندگی کرے۔ مگر قائداعظم نے اُن کی تجویز سے اتفاق نہ کیا اور فرمایا کہ

''نہیں......آپ خود جائیں''

چوہدری صاحب پر اعتماد

اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ قائداعظم کو مسئلہ کشمیر کی اہمیت اور پیچیدگیوں کا پوری طرح احساس نہ تھا۔ دراصل بانی پاکستان کو چوہدری صاحب کی فراست، ذہانت اور محنت شاقہ ہی پر اعتماد نہ تھا بلکہ ان کے تعلق باللہ کا بھی یقین تھا اور وہ دل سے یہ سمجھتے تھے کہ خواہ کتنا ہی تھوڑا وقت ملے اللہ کا یہ بندہ باقی خلاء اپنے رب کے حضور عاجزانہ دعاؤں سے پورا کر لے گا۔ اور یقیناً یہ بات بھی ان کے ذہن میں ہوگی کہ اس عالمی حیثیت کی تقریب میں پاکستان کے بیدار مغز وزیر خارجہ کا اجتماعی تعارف ہو جائے گا۔

قائداعظم کو چوہدری صاحب پر کس قدر اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ جب ہندوستان نے اقوام متحدہ کو یہ غلط تاثر دینے کے لئے کہ کشمیر کے مسلمان باشندے حکومت ہند کے ساتھ ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کو اپنے وفد کا رکن بنا کر اقوام متحدہ میں بھجوایا تو پاکستان نے ان کے مقابل پر سردار محمد ابراہیم کو (جو اس وقت حکومت آزاد کشمیر کے صدر مقرر ہو

چکے تھے) بھجوایا۔اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے سردار صاحب نے راقم الحروف کو بتایا:

امریکہ کو روانگی سے قبل وہ قائداعظم کی خدمت میں ہدایات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو قائداعظم نے ان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا:

"Well Gentleman Go and see Zafarullah Khan - He knows everything."

ترجمہ ’’اچھا آپ جائیے اور وہاں ظفراللہ خان سے ملئے وہ تمام حالات سے بخوبی باخبر ہیں۔‘‘

قضیہ کشمیر مجلس امن میں

یکم جنوری 1948ء کو ہندوستان نے اقوام متحدہ کے منشور کی اس دفعہ کے تحت کہ

’’ہر ممبر کو اختیار رہے کہ وہ ہر اس مسئلہ کو مجلس امن میں بحث کے لئے پیش کر سکے گا۔جس سے بین الاقوامی امن وسلامتی کو خطر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو۔‘‘

اپنا کیس اقوام متحدہ کی مجلس امن میں پیش کردیا۔

چوہدری صاحب برما سے 7رجنوری 1948ء کو واپس کراچی پہنچے تو وزارت خارجہ کے ڈپٹی سیکرٹری نے جو آپ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے آپ کو ہندوستان کے مجلس امن میں قضیہ کشمیر پیش کردینے کی خبر سنائی اور کہا کہ کیس کی سماعت کے لئے ۱۱رجنوری کی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔اس لئے آپ کو کل شام ہی لیک سکیس کے لئے روانہ ہونا ہوگا۔چنانچہ آپ دوسرے روز ہی اپنے اس نئے سفر پر روانہ ہوگئے۔اس بے سروسامانی میں کہ فائلیں اور کاغذات بکس میسر نہ آسکنے کے باعث تھیلوں میں بند کر کے ساتھ لے جانا پڑیں۔محترم چوہدری صاحب اپنی خودنوشت سوانح

حیات موسومہ بہ ''تحدیث نعمت'' میں اس سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حالت میں چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل (جو بعد میں وزیرِاعظم پاکستان بھی رہے) کی رفاقت اور تعاون بہت اطمینان کا باعث ثابت ہوا۔ اس پیچیدہ کیس کی تیاری بڑے نامساعد حالات اور بے سروسامانی کی حالت میں (اور درمیانی تمام رُکوں کی موجودگی میں) ہوئی۔ تیاری کے لئے بہت کم مہلت دی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے تمام مشکلات آسانیوں میں تبدیل ہوگئیں۔

ع مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشاء کے سامنے

چوہدری صاحب محترم نے نہ صرف ہندوستان کے تمام الزامات کا مدلّل ومسکت جواب تیار کیا۔ بلکہ الٹا ہندوستان کو مجرم قرار دلانے کے لئے بھی مبسوط کیس تیار کرلیا۔

اُس وقت مجلس امن کے گیارہ رکن تھے۔ (1) ریاست ہائے متحدہ امریکہ (2) برطانیہ (3) فرانس (4) چین اور (5) روس تو مستقل ممبر تھے۔ (6) ارجنٹائن (7) بیلجیئم (8) کولمبیا (9) کینیڈا (10) شام اور (11) یوگوسلاویہ معیادی رکن تھے۔

سماعت کا آغاز

15 / جنوری 1948ء کو مجلس امن کے پہلے اجلاس میں اپنا کیس پیش کرتے ہوئے ہندوستانی وفد کے سربراہ سرگوپالاسوامی آئنگر نے کہا کہ

> ''مہاراجہ کشمیر نے ریاست کا الحاق ہندوستان کے ساتھ برضاء و رغبت کیا ہے۔ جس کے خلاف پاکستان کی انگیخت پر اور اس کی مدد سے قبائلیوں نے ریاست پر دھاوا بول کر ریاست میں بہت خون خرابہ کیا ہے۔ جس کی روک تھام کے لئے ہندوستان کو وہاں اپنی فوج بھیجنی پڑی ہے۔ اب یہ چپقلش جنگ کی صورت اختیار کرگئی ہے۔ پاکستان قبائلیوں کی ہر طرح مدد کر

رہا ہے۔ پاکستان کے فوجی اور افسر بھی قبائلیوں کے ساتھ ہیں۔ پاکستانیوں کا یہ طرزِ عمل بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ پاکستان کو اس سے روکنا ازبس ضروری ہے کہ پاکستان قبائلیوں کی مدد کرنا بند کر دے۔ اور انہیں واپس جانے پر آمادہ کرے۔''

مسٹر آئنگر نے مزید کہا کہ

''الحاق کے متعلق ہندوستان کا موقف یہ ہے کہ جہاں فرمانروائے ریاست ایک مذہب کا ہو اور رعایا کی کثرت دوسرے مذہب کی وہاں فرمانروا کا فرض ہے کہ وہ الحاق کا فیصلہ رعایا کی کثرت رائے کے مطابق کرے۔ چنانچہ جب ریاست میں امن ہو جائے گا۔ تو پھر کشمیر کی رعایا کے منشاء کے مطابق الحاق کے معاملہ میں آخری فیصلہ کریں گے۔''

مسکت و مدلّل جواب

ہندوستانی مندوب کی تقریر کے بعد اجلاس جب دو دن کے التواء کے بعد شروع ہوا تو پاکستان کے وزیرِ خارجہ نے ہندوستانی مندوب کی تقریر کی ہر شق کا مسکت و مدلّل جواب دیا۔ آپ کا یہ جواب پانچ گھنٹوں پر پھیلے ہوئے تین اجلاسوں میں مکمل ہوا۔ آپ نے ابتداء میں کونسل کو یہ بتایا کہ ہندوستانی نمائندہ نے عمداً اس قضیئے کے پس پردہ باتیں بیان نہیں کیں اور سارا زور پاکستان ہی کے خلاف الزامات پر صرف کیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اس پیچیدہ اور اہم ترین قضیئے کے پس پردہ تمام حالات کو تفصیل سے بیان کر کے ہندوستان کو مجرم کی حیثیت میں دکھائیں۔ اُن تمام امور کی وضاحت اصل قضیئے کو سمجھنے کے لئے ازبس ضروری ہے۔

ہندوستان کے نمائندہ نے جنہیں اس لئے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ ان کے خلاف جاتے

ہیں......اور اس کے بعد بڑی وضاحت سے تمام پس پردہ حالات کھنگالنے شروع کیے۔ چوہدری صاحب موصوف ذاتی طور پر مظلومین کشمیر کی داستان سے آگاہ تھے۔ وہ 1931ء کی تحریک آزادیٔ کشمیر میں بھی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تحت شاندار خدمات انجام دے چکے تھے۔ اور اس زمانہ میں مظلوم مسلمانان کشمیر کی داستانِ جانگزا انگلستان میں پارلیمنٹ کے ارکان اور برطانوی کابینہ پر واضح کر چکے تھے۔ آپ نے سلامتی کونسل کو بتایا کہ کس طرح انگریزوں نے ایک حقیر رقم کے عوض خطۂ کشمیر راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کیا جس پر ڈوگرہ راجہ نے اس خطہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کو بھی بھیڑوں بکریوں کی مانند اپنے زرخرید سمجھا اور انہیں تمام ابتدائی انسانی حقوق سے محروم کر کے بُری طرح مظالم کی چکی میں پیسا۔ اور ایسی ایسی چیرہ دستیاں کیں جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے کہا:

> ''کشمیریوں کی اعلیٰ فنّی صلاحیتوں کا تو ہر کس و ناکس کو علم ہے۔ لیکن جس چیز کا انہیں علم نہیں وہ ایک صدی پر پھیلے ہوئے ڈوگرہ راج کے مظالم، کشمیریوں کی ناگفتہ بہ حالت نکبت، افلاس اور ان سے ہمہ وقت روا رکھے جانے والا تشدد ہے جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اُن کے لئے موت یا زندگی دونوں میں سے کونسی چیز بڑا المیہ ہے۔ کیونکہ موت عموماً محرومیوں کی نہ ختم ہونے والی زنجیر سے نجات مہیا کرتی ہے۔ اور نکبت و مفلوک الحال مہد سے شروع ہو کر لحد ہی میں ختم ہوتی ہے۔''

(ترجمہ رپورٹ ہائے سیکورٹی کونسل 1948ء صفحہ 47)

سیتلواڈ کا زورِ خطابت

دو تین دن کے وقفے سے چوہدری صاحب کی تقریر کا جواب مسٹر آئنگر کے بجائے مسٹر ستیلواڈ نے دیا۔ جس میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے چوہدری صاحب کے دلائل کو نادرست ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ وہ زورِ خطابت میں اتنے آگے نکل گئے کہ جھوٹ اور سچ کی تمیز بھی نہ کی۔ بلکہ پرانے اور تجربہ کار وکیل ہونے کے باوجود آداب مجلس کو نظرانداز کر کے درشت کلامی پر اتر آئے۔ جس سے اراکین مجلس امن بھی کبیدہ خاطر ہوئے۔

تیسرے اجلاس میں بعض ارکان مجلس کا خیال تھا کہ چوہدری صاحب مسٹر سیتلواڈ کی درشت کلامی کے خلاف احتجاج کریں گے۔ اور جواباً ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔ کا تھوڑا بہت ثبوت مسٹر سیتلواڈ کی خدمت میں ضرور پیش کریں گے۔ لیکن وہ اس دُرشت کلامی پر قطعاً برافروختہ نہ ہوئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اراکین مجلس نے ضرور اندازہ کر لیا ہوگا کہ مسٹر سیتلواڈ کا درشت کلامی پر اترنا اُن کے موقف کی کمزوری کا ثبوت ہے۔ آپ نے اس ضمن میں اپنی جوابی تقریر میں صرف اسی پر اکتفا کیا کہ

> ''پچھلے اجلاس میں میرے فاضل دوست مسٹر سیتلواڈ نے اپنی تقریر میں میرے متعلق کچھ درشت الفاظ استعمال کئے تھے۔ اُن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ میں مسٹر سیتلواڈ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ جب میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کا جج تھا تو مجھے بارہا اُن کے دلائل سننے کا اتفاق ہوا۔ میری رائے میں مسٹر سیتلواڈ ہندوستان کے قابل ترین وکیل ہیں۔ اور درشت کلامی ان کا شعار نہیں اس موقع پر اُن کے موقف کی کمزوری کو جانتے ہوئے ان کی مشکلات کا اندازہ کر سکتا ہوں۔ مسٹر سیتلواڈ کی

درشت کلامی ایک استثنائی صورت تھی۔ جو قابل اعتناء نہیں۔''

(تحدیث نعمت ایڈیشن اوّل دسمبر 1971ء صفحہ 533 تا 534)

ایک رکن مجلس کا تاثر

اس کے بعد اُن کے بودے دلائل پر ایک ایک کر کے تنقید و جرح کی جس کا اراکین پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ چند سال بعد کولمبیا کے نمائندے نے چوہدری صاحب سے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''کشمیر کے معاملہ میں ہندوستانی نمائندہ کی پہلی تقریر سننے کے بعد مجلس امن کے اراکین کی اکثریت کا یہ تاثر تھا کہ پاکستان نے آزادی حاصل کرتے ہی فساد کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور دنیا کے امن کے لئے۔ ایک خطرے کی صورت پیدا کر دی ہے۔ لیکن جب جواب میں تمہاری طرف سے اصل حقیقت کے رُخ سے پردہ ہٹایا گیا تو ہم سب نے سمجھ لیا کہ ہندوستان مکاری اور عیاری سے کام لے رہا ہے اور کشمیر کی رعایا پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور ہمارا یہ تاثر بعد میں کسی وقت بھی زائل نہیں ہوا۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 533)

مہاجن کی تصریحات

چوہدری صاحب کی مجلس امن میں مدلّل و مبسوط بحث کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ مسٹر مہر چند مہاجن (جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے) نے ایک دفعہ انہیں پر اپنے جلے دل کے پھپھولے اس طرح پھوڑے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''......سر محمد ظفر اللہ پاکستانی وفد کے سربراہ تھے۔

انہوں نے اپنی اعلیٰ قابلیت اور عمدہ وکالت (Brilliant - Advocary) کے بل بوتے پر ان غلط بیانیوں اور مزعومہ کارروائیوں کے بیان کرنے کی وجہ سے جو ہندوستان کی طرف منسوب کی گئیں۔ ہندوستانی وفد پر فوقیت حاصل کی اور ہندوستانی وفد کم و بیش مایوس ہی لوٹا۔ کیونکہ نہ تو مجلس امن کی طرف سے اُسے (پاکستان کو) ''جارح'' قرار دیا گیا اور نہ ہی اسے کشمیر خالی کرنے کے لئے کہا گیا۔ وفد کی ہندوستانی واپسی کے بعد جب میری مسٹر نہرو سے ملاقات ہوئی تو وہ اُس پر جو کچھ ہوا۔ مایوس ہی نظر آئے۔''

(Looking Back by Mahajan PP172)

ہندوستانی پریس

اور مسٹر مہاجن پر ہی کیا موقوف ہے۔ ہندوستانی پریس نے بھی اپنے وفد کی ناکامی پر بڑا واویلا کیا اور اپنی حکومت کو غلط انداز سے لگانے پر موردالزام ٹھہرایا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

روزنامہ پرتاپ (23/اگست 1950ء) نے لکھا:

''یواین او سے پاکستان کے خلاف فریاد کرنا ہمالیہ جیسی بڑی غلطی تھی۔ ہم وہاں گئے تھے مستغیث بن کر اور لوٹے وہاں سے ملزم بن کر۔''

''اُس کا (حکومت ہند کا) یہ عمل بھی غلط تھا کہ وہ یواین او کے پاس مستغیث بن کر گئی۔''

''آج تک ہم یواین او میں جانے کی سزا بھگت رہے ہیں۔''

ایک ہندوستانی رسالہ ''سنت سپاہی'' نے اپنی ستمبر 1951ء کی اشاعت میں لکھا:

''...... کشمیر کے معاملہ میں ان (حکومت ہند) کی سیاست تباہی والی ہے اور انہوں نے یہ

سوال متحدہ قوموں کی انجمن میں پیش کر کے ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کی ہے۔"

اور ماہنامہ"پریت لڑی" نے اپنی جون کی اشاعت میں لکھا کہ

(ترجمہ)"......مونٹ بیٹن نے پنڈت نہرو کو تلقین کر کے کشمیر کا معاملہ متحدہ قوموں کی انجمن میں امریکہ بھجوا دیا۔ وہاں ہمیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اور ہم اس دلدل سے نہیں نکل سکے۔"

اپنوں کی نظر میں

چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل (جنہوں نے اس کارروائی کی پوری تفصیل اپنی تالیف میں شائع کی ہے۔) اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> ترجمہ"......مجلس امن نے 15/جنوری 1948ء سے ہندوستان کی شکایت، پاکستان کے جواب اور بالمقابل درخواست کی سماعت شروع کی۔ ظفر اللہ خان کی ماہرانہ بحث نے سیکورٹی کونسل کو اس بات کا قائل کر دیا کہ معاملہ کی نوعیت صرف اتنی نہیں کہ مزعومہ حملہ آوروں کو کشمیر سے نکالا جائے۔ جب کہ ہندوستانی نمائندہ نے مجلس کو باور کرانا چاہا تھا۔ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ہندو پاک تعلقات کو منصفانہ اور پرامن بنیاد پر معمول پر لا کر کشمیری عوام کی منشاء اور خواہش کے مطابق اسے طے کیا جائے۔" (Emergence of Pakistan Page 301)

پہلی کامیابی

اور آزاد کشمیر کے سابق چیف جسٹس مسٹر صراف لکھتے ہیں:

(ترجمہ)"......سر ظفر اللہ کی پیروی کے نتیجہ میں آئنگر کے زبردست احتجاج کے باوجود 24/نومبر 1948ء کو ایجنڈا میں تبدیلی

کر کے ''کشمیر کا سوال'' کو ''انڈیا پاکستان کا سوال'' کر دیا گیا۔

(Kashmiries Fight for Freedom P 1050)

گویا 22 ر جنوری 1948ء کو مجلس امن میں پاکستان کی یہ ''پہلی کامیابی'' تھی۔ مسٹر آئنگر نے شدت سے اس امر پر احتجاج کیا کہ چونکہ کونسل میں شکایت لے کر ہم آئے ہیں۔ اس لئے پاکستانی مندوب کا بالمقابل دعویٰ قابل سماعت نہیں۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ان کا ہر احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا۔

مجلس امن کا تاثر

اب جو ایجنڈا میں کیس کی نوعیت ہی تبدیل ہوگئی تو ہندوستان کی طرف سے قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالی جانے لگیں۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ استصواب کرانا کشمیر کی موجودہ حکومت کا داخلہ معاملہ ہے۔ اس لئے پاکستان کا یہ موقف کہ استصواب اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہو۔ درست نہیں۔ لیکن امن کونسل نے پاکستان ہی کے نظریئے کو درست تسلیم کیا۔

چنانچہ مسٹر جوزف کاربل (جو یو این او سی آئی پی میں ہندوستان کی طرف سے نامزد تھے) لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''ایک مرتبہ پھر اراکین امن کونسل نے پاکستان ہی کے نقطۂ نظر کی حمایت کی اور اس بات کی اہمیت کا اقرار کیا کہ کشمیر میں رائے شماری اقوام متحدہ کی نگرانی میں کرائی جائے۔ انہوں نے ہندوستان کے اس نظریئے کو کلیۃً رد کر دیا کہ رائے شماری کا انصرام، اور عملاً رائے شماری کرانا کشمیر کا داخلہ معاملہ ہے۔''

(Mr. Josif Karbel as qvoted by Saraf P 1053)

تائید کرنے کی سزاء

وزیر خارجہ پاکستان کے براہین قاطعہ سے متاثر ہو کر جن اراکین نے پاکستان کے موٴقف کی تائید کی اُن میں رائٹ آنریبل مسٹر فلپ نوئیل بیکر (جنہیں بعد میں امن کا نوبل پرائز ملا) مجلس امن میں برطانیہ کے اور سینیٹر وارن آسٹن ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے نمائندہ تھے۔ ان دونوں نے پاکستان کے موقف کی برملا تائید کی تو ہندوستان نے ان دونوں کو بھی نہ بخشا۔ چنانچہ مسٹر ایلن کیمل جانسن لکھتے ہیں:

ترجمہ ''آسٹن اور نوئیل بیکر ہر دو صاحبان پر پاکستان کا حمایتی ہونے اور کھل کر پاکستان کا ساتھ دینے کا شرمناک اور وحشیانہ طریق پر متعدد وجوہات کی بناء پر الزام لگایا جاتا ہے۔ جبکہ اُس کی ایک وجہ تو ہندوستانی وفد کی اپنے کیس کو ثابت کرنے میں مکمل ناکامی ہے۔ اور اُس کے علاوہ پاکستانی وفد کے سربراہ اُن کے وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان تھے۔ جو تجربہ کار اور اقوام متحدہ میں مقبول شخصیت تھے۔ مسٹر ظفر اللہ خان کا انداز اتنا ہی دھیما اور اعلیٰ تھا۔ جتنا کہ ہندوستانی نمائندہ کا اندازہ بھدا اور بے جوڑ۔''

(Mission with Mountbettan PP 287)

نمائندہ ارجن ٹائن کی رائے

مجلس امن میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی تقاریر سننے کے بعد ارجنٹائن کے نمائندہ نے کہا:

ترجمہ ''مناسب ہے کہ اس لاطینی محاورہ کو یاد کر لیا جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ علّت کو ختم کر دو معلول خود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس معاملہ میں فسادات چاہے ہندوستان کی طرف سے

ہوں یا پاکستان کی طرف سے ہوں۔ یا پھر قبائلیوں کی طرف سے اُن کی علت غائی کشمیر کے باشندوں کی اس بغاوت میں مضمر ہے جو انہوں نے اس مطلق العنان حاکم کے خلاف کی جو اُن پر اس طرح حکومت کرتا ہے۔ گویا وہ ایک فارم چلا رہا ہے اور چالیس لاکھ باشندوں کو وہ اُتنے عدد جانور سمجھ رہا ہے۔''

(Qvoted by Saraf P 1057)

ہندوستانی وفد کی پسپائی

بحث و تمحیص اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ ختم ہوا تو اراکین مجلس امن نے اس قضیہ کے حل کے لئے ایک قرارداد تیار کی جس کے بارے میں سب کو یقین تھا کہ وہ متفقہ طور پر پاس ہو جائے گی۔ شائد ایک ملک غیر جانبدار رہے۔ لیکن جب اس قرارداد پر رائے شماری کا وقت آیا تو بھارت کے نمائندہ مسٹر آئنگر نے بولنے کی اجازت طلب کی اور پھر اجازت ملنے پر کہا:

''ہمیں اپنی حکومت کی طرف سے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ ہم مزید ہدایت کے لئے دلی واپس جائیں۔ اس لئے ہم رخصت کی اجازت چاہتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ہماری واپسی تک اجلاس ملتوی رکھا جائے۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 537)

یا تو وہ شوراشوری تھی یا یہ بے نمکی۔ اور اپنے ہی پیش کردہ قضیے کا فیصلہ سننے سے گریز! تمام اراکین مسٹر آئنگر کی اس درخواست پر پتھر ہو کر رہ گئے۔ یہاں تک کہ کولمبیا کے نمائندے نے صدر مجلس مجلس امن کو مخاطب ہوئے کہا:

''......صاحب صدر! آپ کو اور اراکین مجلس کو یاد ہوگا کہ ابھی چند دن ہوئے۔ ہندوستان کے فاضل نمائندے نے شکوہ کے طور پر کہا تھا

کہ کشمیر جل رہا ہے۔ اور مجلس امن ستار بجا رہی ہے۔ کیا میں ہندوستان کے نمائندے سے دریافت کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ اب کیا کشمیر کو جلانے والی آگ ٹھنڈی ہوگئی ہے اور اگر نہیں تو اب کون ستار بجا رہا ہے۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 537)

التوائے اجلاس کیوں؟

کولمبیا کے نمائندہ کا یہ اظہار خیال ہندوستانی وفد کے منہ پر ایک چپت کے مترادف تھی لیکن ''چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے'' کے اصول کے ماتوں کے ماتھے پر جوں تک نہ رینگی۔ اُن کا یہ اقدام صاف بتا رہا تھا کہ جو مطلب وہ دلائل وحقائق کی بناء پر حاصل نہیں کر سکے اب التواء اجلاس کے بعد سیاسی پرکاری کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اب صورت حال مدعی سست گواہ چست کی سی پیدا ہوگئی تھی۔ مجلس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اجلاس ملتوی کردے۔ لہٰذا اجلاس ملتوی کردیا گیا۔

خدشہ درست نکلا

اور وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ اگر مقصود واقعی محض اپنی حکومت سے مزید ہدایت حاصل کرنا ہوتا تو وہ چند دنوں کی مہلت طلب کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ مقصود نہ تھا اس لئے التوا کا یہ زمانہ طویل ہوتا چلا گیا۔ جس سے چوہدری صاحب اور اُن کے رفقاء کار کے دل میں بجا طور پر شبہات پیدا ہوئے اور آپ چوہدری محمد علی صاحب کو ساتھ لے کر یہ معلوم کرنے کے لئے لنڈن پہنچے کہ اندرون خانہ کیا تار ہلائے جا رہے ہیں۔ لنڈن میں چوہدری صاحب کی وزیر خارجہ برطانیہ سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ

ہندوستان نے سرسٹیورڈ کرپس کے ذریعہ وزیراعظم برطانیہ پر بہت دباوُڈالا ہے۔جس کے بعدصورت حال کافی تبدیلی ہوچکی ہے۔‘‘

اُن کے اس تاثر کی توثیق وزیراعظم برطانیہ سے ملاقات کے دوران ہوگئی اورانہیں اس بارہ میں حق الیقین ہوگیا کہ اندر ہی اندر خطرناک چال چلی جارہی ہے۔اور ماؤنٹ بیٹن اور سرکرپس ہندوستان کی بہت تائیدکررہے ہیں۔جبکہ پاکستان کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی کسی کوجرأت نہیں۔

ہوا کا بدلہ ہوارُخ

اس سازش کی تکمیل کے بعدجب امن کااجلاس دوبارہ شروع ہواتوہوا کارخ کاملاًبدل چکاتھا۔ برطانیہ کودیکھ کرامریکہ نے بھی اپنارویہ بدل لیاتھا۔اوروہ اسے دولت مشترکہ کا مسئلہ قرار دے کر برطانیہ ہی کی رائے کی تائیدکررہاتھا۔اوراقوام متحدہ میں کسی بھی ملک کا نمائندہ اپنی حکومت کی ہدایت کے مطابق رائے دینے پرمجبورہوتاہے۔وزیراعظم برطانیہ نے اپنے نمائندہ کویہ ہدایت کی کہ وہ اصل اورقطعی قسم کی قراردادکی بجائے اس متبادل اورکمزورقراردادکی حمایت کرے۔جس کا مسودہ چینی صدرملس ڈاکٹر سیانگ چونے مجلس میں پیش کیا۔جس میں نہ پہلی قراردادسازورتھا نہ قطعیّت تھی اورنہ اُس میں پاکستان کے موقف کوپورے طورپرمدنظررکھا گیاتھا۔

حیرت انگیز

چوہدری محمدظفراللہ خان نے اس نئی قراردادکو’’حیرت انگیز‘‘ قراردیتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمایا کہ

’’حکومت پاکستان تنازعہ کشمیر سے متعلق اس قراردادکومنظورنہیں کرسکتی‘‘

چوہدری صاحب کی یہ رائے رائٹر نے فوراً ہی خبر میں ڈھال کر ساری دنیا میں پھیل دی اور پاکستانی پریس نے اپنی حکومت کے نمائندے کے اس جرأت مندانہ موقف کو بے حد سراہا مثلاً ایک معروف جریدہ نے لکھا:

''سر محمد ظفر اللہ خاں نے اس فارمولا یا قرارداد کو ''حیرت انگیز'' قرار دیا ہے اور اُن کا یہ تبصرہ بالکل درست ہے۔ حفاظتی کونسل کے گزشتہ اجلاس میں ممبروں کا رجحان اس قرارداد کے بین السطور سے بالکل مختلف تھا۔ ممبروں کی اکثریت اپنے اس رجحان کا واضح لفظوں میں اظہار بھی کر چکی ہے۔ اب التوائے اجلاس کے بعد چینی صدر کی اس قرارداد کو ''حیرت انگیز'' نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ اس قرارداد کے مطابق استصواب کی حیثیت ڈھونگ سے زیادہ نہ ہو گی۔............'' (نوائے وقت لاہور مورخہ 24 مارچ 1948ء)

رائٹر نے اس نئے مخمصے سے متعلق لیک سکیس سے جو خبر جاری کی وہ یہ تھی۔

''حفاظتی کونسل کے بیشتر ارکان دیانتداری سے اعتراف کر رہے ہیں کہ مسئلہ کشمیر نے اب جو نئی صورت اختیار کر لی ہے اس سے وہ عجیب الجھن میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ باخبر حلقوں کی رائے میں یہ ظاہر ہے کہ پاکستانی مندوب چینی قرارداد کے متعلق اپنی روش پر ثابت قدم رہے گا۔''

(رائٹر بحوالہ نوائے وقت)

ارکان مجلس سے ملاقاتیں

لیکن مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا نہ حالات کی نامساعدت ہی اس کی مساعی کو مدہم کر سکتی ہے۔ پاکستانی مندوب اوران کے رفیق کار چوہدری محمد علی نے اپنی مساعی دوچند کر دیں۔ وہ صدر مجلس کے علاوہ ایک ایک رکن مجلس سے ملے۔انہیں قرارداد کی خامیوں اوراُن کے دوررس خطرناک اثرات و نتائج سے آگاہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک حدتک برف کو پگھلانے میں کامیاب ہوگئے۔ چوہدری محمد ظفراللہ خان نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں تاریخ کشمیر کے اس نازک موڑ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''...... جب نئی قرارداد مجلس امن میں پیش ہوئی تو چوہدری محمد علی نے اور میں نے پھر دن رات اراکینِ مجلس کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اوراس کوشش میں لگ گئے۔ کہ جہاں تک ہو سکے نئی قرارداد کومضبوط کیا جائے۔چینی صدر کے ساتھ متواتر مشورے ہوئے بعض معمولی سی ترامیم اور وضاحتیں اُنہوں نےتسلیم بھی کیں۔لیکن قرار داد کا ڈھانچہ وہیں رہا جو وزیراعظم اٹیلی تجویز کرا چکے تھے۔ آخر یہ قرارداد اپریل میں کولمبین مندوب کی صدارت میں منظور ہوئی۔ اسی قرارداد میں یہ تجویزتھی کہ تین اراکین کا ایک کمشن مقرر کیا جائے جو برصغیر پاکستان و ہند جا کر قرارداد کی مختلف تجاویز کوفریقین کے مشورے اوران کی رضا مندی سے عملی جامہ پہنائے اور کشمیر کے باشندگان کی آزادانہ رائے شماری کا اہتمام کرلے۔کولمبین صدر صاحب کی تجویز پر

کمشن کے ارا کین کی تعداد تین سے بڑھا کر پانچ کر دی گئی۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 540)

کشمیر کا فیصلہ کشمیر میں

ہندوستان کی تو سرشت میں دجل ہے۔ جب اس کی حکومت کو یقین ہو گیا کہ مجلس امن اس نزاع کا فیصلہ اپنی نگرانی میں کرانے پر مضبوطی سے قائم ہے تو اس نے کشمیر میں اپنی فوجی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ چوہدری صاحب موصوف نے بھی اس نئی سازش کی بھنک پا کر وزیر اعظم پاکستان کے نام اس مفہوم کا برقیہ ارسال کر دیا کہ

''کشمیر کا فیصلہ کشمیر میں ہو گا نیویارک میں نہیں ہو گا۔'' چنانچہ باہم مشورہ کے بعد چوہدری صاحب کی اس تجویز کے مطابق اپریل کے آخری ہفتہ اور مئی کے شروع میں ہماری فوجوں نے بھی وہاں پہنچ کر اپنا کام شروع کر دیا۔ وزیر اعظم پاکستان اپنی خداداد فراست سے چوہدری صاحب کا مفہوم پا گئے اور انہوں نے پاکستانی فوجوں کو کشمیر میں دفاع کے لئے بھجوا دیا۔

کمشن کے ارکان جولائی 1948ء کے پہلے ہفتہ میں برصغیر میں پہنچے۔ دونوں ملکوں نے اپنا اپنا کیس سمجھایا۔ 13/اگست 1948ء کو کمشن نے ایک قرارداد تیار کی جسے حکومت ہند نے تو قبول کر لیا لیکن پاکستان نے اس لئے منظور نہ کیا کہ اس میں پاکستان کے مفاد کا پوری طرح خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ جس پر کمشن قرارداد کا تتمہ تیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جسے دونوں ملکوں نے منظور کر لیا۔ اس طرح 13/اگست کی قرارداد تتمہ کے ساتھ 5/جنوری 1949ء کو منظور ہو کر مکمل ہوئی۔

القصہ یہ ہیں وہ قراردادیں جن کی بنیاد پر یہ مسئلہ حل ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن ہندوستان کی ہٹ دھرمی کہ ابھی تک یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی۔ حالانکہ دونوں ملکوں کے درمیان دو خونریز جنگیں بھی لڑی جا چکی ہیں۔

مؤلف تاریخ کشمیر کی رائے

حکومت آزاد کشمیر نے بہ اہتمام خاص اپنے چیف جسٹس خواجہ محمد یوسف صراف سے ''تاریخ کشمیر'' مرتب کرائی جو (Kashmiries Fight for Freedom) کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ یہ تاریخ 1413 صفحات پر مشتمل ہے اور دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ جس میں پاکستان کے بانی (حضرت قائداعظم) کے معتمد ترین رفیق کار اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی قضیہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں مساعی جمیلہ کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ترجمہ ''ہندوستان کے اقوام عالم میں چلے جانے پر ہم میں سے اکثر فکر مند ہو گئے تھے۔ مبادا مجلس امن پر مسلط بڑی طاقتوں کے سیاسی مفادات حکومتِ پاکستان کو ہمارے اور ہماری آزادی کے مابین آڑے آنے پر مجبور نہ کر دے۔ اس اہم سیاق وسباق کے پیش نظر سر ظفر اللہ خان کی سربراہی میں پاکستانی وفد کے درخشندہ کردار کا جائزہ لینا ہوگا۔
>
> سر ظفر اللہ کی انتہائی فاضلانہ بحث کے نتیجہ میں جو آپ نے ہمارے کیس کے سلسلہ میں فرمائی۔ (ہندوستان کی) سراسر کذب و افترا اور میکاولی (شاطرانہ چال) پر مبنی شکایت کی قلعی کھل گئی۔''
>
> (جسٹس صراف صفحہ 1050)

کشمیر کی کہانی

قارئین باتمکین! اقوام متحدہ آج بھی موجود ہے۔ اور اس کی قراردادیں بھی لیکن کشمیر کی دردناک کہانی جہاں سے شروع ہوئی تھی اب بھی وہیں رکی کھڑی ہے۔ اور

میرے نزدیک یہ کشمیری قوم ہی کے لئے نہیں دعویداران قیام امن عالم کے لئے بھی لمحہ فکر یہ ہے۔

خدا کی گرفت

میں بھی ''کشمیر کی کہانی'' کے اس باب کو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے ان الفاظ ہی پر ختم کرتا ہوں جو میرے نزدیک آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔فرمایا:

''آزادی حاصل کرنے کے لئے کشمیریوں کو حق خود اختیاری دلانے کے لئے پاکستان کی مساعی اور قیامِ امن کے لئے مجلس امن کی تجاویز کو تو ہندوستان نے اب تک کچھ طاقت سے، کچھ جبر سے اور کچھ تلبیس و فریب سے زائل و بے اثر کر دیا ہے۔ بے شک اس کے نتیجہ میں بین الاقوامی حلقوں میں اپنا وقار کھو چکا ہے۔ بظاہر ہندوستانی ارباب حل وعقد نے اسے سستا سودا سمجھا ہے۔لیکن وہ ایک حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں۔ جس کے ایک پہلو کو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقلال می آئید

کشمیر کی مسلمان آبادی ایک صدی سے زائد عرصہ تک ڈوگرہ مظالم کا شکار رہی اور اُس کے بعد زائد از بیس سال (اور اب تو زائد از چونتیس سال ہونے لگے ہیں مؤلف)

''ہندوستانی مظالم سہہ رہی ہے۔ان مظالم میں تخفیف ہونے کے بجائے ان کی شدت بڑھ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ کسی ملک، کسی قوم، کسی گروہ، کسی فرد، کا محض ان کے نام کی وجہ سے حمائتی نہیں۔اس کی شان اس سے بہت بلند ہے۔لیکن وہ حق اور راستی، امن اور انصاف، شفقت اور رحم،

عجز وانکسار سے ضرور محبت رکھتا ہے۔ جبر اور تعدی، ظلم اور سختی، ایذا دہی اور ضرر رسانی اس کے غضب کو بھڑکاتی ہیں۔ وہ عقوبت میں دھیما ہے۔ لیکن مظلوم کی فریاد کو سنتا اور آخر ظالم کو پکڑتا ہے۔ وہ شدید البطش ہے۔ اس کی گرفت بہت سخت ہے۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 55)